62 سال

1955-2016

جامعہ سلفیہ فیصل آباد پاکستان

فیصل آباد پاکستان

ماہنامہ ترجمان الحدیث

ذہبی دوراں رحمۃ اللہ علیہ مؤرخ اسلام

مولانا محمد اسحاق بھٹی

محسن اہلحدیث

حیات

خدمات

اشاعت خاص

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

«اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں»

- نشرواشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔

مولانا محمد اکرم مدنی ﷾
(مدرس جامعہ سلفیہ)



ترجمۃ القرآن الکریم

اللہ تعالیٰ کی محبت

قولہ تعالیٰ. قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم (ال عمران 31-34)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اے پیغمبر کہہ دیجئے۔ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگ جائے گا اور تمہارے گناہ مٹا دے گا اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا سبب واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ وہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و پیروی کرنا۔ آپ کی اطاعت و پیروی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی محبت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم میں کئی آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کونسی صفات ہیں جنہیں اپنے اندر پیدا کرنے سے انسان کو اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے اور وہ بارگاہ الٰہی میں محبوبیت کا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ان اللہ یحب المحسنین (بقرہ)۔ یقیناً اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ ارشاد گرامی ہے۔ ان اللہ یحب المقسطین۔ مائدہ۔ عدل و انصاف کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ ان اللہ یحب المتقین (توبہ) تقویٰ والوں سے اللہ محبت کرتا ہے۔ ان اللہ یحب التوابین و یحب المتطھرین۔ بقرہ۔ اللہ بہت زیادہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ واللہ یحب الصابرین (آل عمران) اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احسان' توبہ' طہارت' عدل و انصاف' تقویٰ جیسے اوصاف اپنے اندر پیدا کرنے سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے اسے یقیناً اللہ تعالیٰ کے ہاں عظیم الشان مقام اور مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں (اختصار کی خاطر صرف ترجمہ حدیث پر اکتفا کیا جاتا ہے) کہ اللہ کے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ بندے سے محبت فرماتا

(باقی صفحہ آخر پر)



ترجمۃ الحدیث

خوش نصیب انسان کون؟

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال . سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ یوم لاظل الا ظلہ . امام عادل . و شاب نشاء فی عبادۃ اللہ عزوجل ورجل قلبہ معلق بالمساجد ورجلان تحابی فی اللہ اجتمعا علیہ وتفرقا علیہ و رجل دعتہ امراۃ ذات منصب و جمال فقال انی اخاف اللہ و رجل تصدق بصدقۃ فاخفاھا حتی لا تعلم شمالہ ماتنفق یمینہ و رجل ذکر اللہ خالیاً ففاضت عیناہ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سات (قسم کے) آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس (قیامت کے) دن جب کہ اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا اپنے (عرش کے) سائے میں جگہ دے گا۔ انصاف کرنے والا حکمران' وہ نوجوان جو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پروان چڑھے۔ وہ آدمی جس کا دل مسجد کے ساتھ معلق ہو۔ (مسجد کی خاص محبت اس کے دل میں ہوں۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بے قرار ہو) وہ دو آدمی جو ایک دوسرے سے صرف اللہ کے لئے محبت کرتے ہیں۔ اس پر وہ اکٹھے ہوتے ہیں اور اس پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ وہ آدمی جسے کوئی حسین و جمیل عورت دعوت گناہ دے۔ لیکن وہ اس کے جواب میں کہے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ وہ آدمی جس نے کوئی صدقہ کیا اور اسے چھپایا حتی کہ اس کے بائیں ہاتھ کو علم نہیں کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔

وہ آدمی جس نے تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کیا اور اس کے خوف سے اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

قارئین کرام! مذکورہ بالا حدیث میں سات خوش نصیب افراد کا ذکر کیا گیا ہے جو قیامت کے دن عرش الٰہی کے سایہ کے تحت ہوں گے۔

(باقی صفحہ آخر پر)

اسلامی نظریات سلفی عقائد اور روحانی اقدار کا پیامبر

ماہنامہ

ترجمان الحدیث

فیصل آباد پاکستان

شمارہ	جمادی الثانی تا شعبان	اپریل تا جون	جلد
4-5-6	1437	2016	49

بانی: شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر، لاہور

بانی: میاں فضل حق، لاہور

زیر نگرانی: علامہ ساجد میر حفظہ اللہ، سرپرست جامعہ

زیر سرپرستی: شیخ حاجی بشیر احمد رحمہ اللہ، رئیس الجامعہ

رئیس التحریر: پروفیسر فضیلۃ الشیخ محمد یٰسین ظفر

مدیر: فضیلۃ الشیخ فاروق الرحمن یزدانی

اشاعت خاص

محسن اہل حدیث
ذہبی دوراں
مورخ اسلام
حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ تعالیٰ

فی پرچہ	30 روپے
سالانہ	300 روپے
بذریعہ وی پی	250 روپے
سعودی عرب	150 ریال
امریکہ	80 ڈالر
یورپ	50 پاؤنڈ

قیمت خصوصی شمارہ 300

یکے از مطبوعات
ادارۃ البحوث والتالیف والترجمۃ جامعہ سلفیہ فیصل آباد

برائے رابطہ دفتر: ترجمان الحدیث جامعہ سلفیہ حاجی آباد فیصل آباد
Ph: 8780274-8780374
2629228 Fax: 8782375

ناشر پروفیسر ساجد میر نے قائم سائیں پریس فیصل آباد سے چھپوا کر جامعہ سلفیہ حاجی آباد فیصل آباد سے شائع کیا۔

فہرست

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
1	ترجمۃ القرآن و ترجمۃ الحدیث		
2	اداریہ	رئیس التحریر کے قلم سے	4
3	ذہبی دوراں مؤرخ العصر علامہ محمد اسحاق بھٹیؒ	حافظ عبدالعزیز علوی	10
4	مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی اور ان کی تصانیف	محمد رمضان یوسف سلفی	37
5	مسلک اہلحدیث کا بے باک ترجمان مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	فاروق الرحمٰن یزدانی	76
6	فضیلۃ الاستاد مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	ابوحمزہ پروفیسر سعید مجتبیٰ	92
7	ذہبی دوراں مولانا محمد اسحاق بھٹی کی خدمات حدیث	پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ	97
8	محسن جماعت مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	مولانا عبدالرشید ضیاء	116
9	ایک عظیم مؤرخ کا انتقال	علامہ ابتسام الٰہی ظہیر	121
10	تسبیح کا ایک اور موتی لڑی سے نکل گیا	پروفیسر عبدالعظیم جانباز	125
11	برصغیر و پاک ہند کی شخصیات مولانا محمد اسحاق بھٹی کی نظر میں	عبدالرشید عراقی	137
12	ایک عظیم مؤرخ اہل حدیث چند یادیں چند باتیں	حافظ ریاض احمد عاقب	159
13	چند ملاقاتیں اور چند یادیں مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	محمد اشرف جاوید	162
14	مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ	پروفیسر ابوحمزہ سعید مجتبیٰ سعیدی	178
15	مسلک اہلحدیث کی متاع عزیز مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	مولانا محمد یوسف انور	182
16	علم کا پہاڑ......انکسار کا پیکر	رانا محمد شفیق خاں پسروری	190
17	مخدوم گرامی، مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	مولانا محمد سلیم چنیوٹی	193
18	مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ......کچھ یادیں کچھ باتیں	عبدالمجید محمد حسین بلتستانی	197
19	ذہبی دوراں مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	پروفیسر مولا بخش محمدی	205
20	ہمارا عظیم محسن مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	ابوبکر قدوسی	216
21	ایک عجب مرد درویشؒ	چودھری سہیل گورداسپوری	227
22	خوش مزاج بابا (مولانا اسحاق بھٹی صاحبؒ)	مولانا محمد سلیم اعظم بلوچ	232

23	اپنے مربی مولانا محمد اسحاق بھٹی کی یاد میں	حکیم مدثر محمد خان	234
24	آہ......وہ اک شخص......شمع روشن بجھ گئی	یاسر اسعد (مؤ ناتھ بھنجن)	244
25	یادگار سلف مورخ اسلام مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	قاری حبیب اللہ ارشد	248
26	مکتب کی کرامت خادم سلف محمد اسحاق بھٹیؒ	عطا محمد جنجوعہ	250
27	چھوڑ کر جانے والے	مجیب الرحمٰن شامی	254
28	سیر و سوانح کے امام مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ	ابو عمر سوہدروی	257
29	مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم جہد مسلسل کی علامت	حافظ محمد مشتاق ربانی	266
30	"گزر گئی گزران"	حمید اللہ خان عزیز	270
31	چند لمحات "محسن اہل حدیث" کی معیت میں	محمد احمد سلفی جامعہ سلفیہ	285
32	مؤرخ اہلحدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی کی یاد میں	چودھری غلام حسین تہاڑیا	288
33	ایک اور بیش قیمت ہیرا رخصت ہوا	عمار چودھری	293
34	تاریخ نے دم توڑ دیا	محمد عابد رحمت	296
35	زندہ و جاوید تاریخ	محمد افضل خورشید	299
36	میرے نانا......(مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ)	محمد نعمان اسحاق	302
37	ابو جی!......گزر گئی گذران	قدیسہ سعید	305
38	مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ۔ کچھ یادیں' کچھ تاثرات	میاں مظفر احمد خانیوال	313
39	میرے پیارے ابو جی (مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ)	سمیہ زیرک	317
40	مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے حالات زندگی	حماد عظمت سلفی	319
41	آہ! ابو جی......ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے	حافظ محمد حسان سعید	322
42	آہ! میرے ماموں جی	حافظ معوذ الرحمٰن	328
43	آہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحبؒ	حافظ مطیع الرحمٰن	334
44	شعراء کا خراج تحسین		335
45	تعزیتی تاثرات		345

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ترجمان الحدیث

اداریہ

مؤرخ اسلام
ترجمان اہل حدیث
مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

رئیس التحریر کے قلم سے

اللہ تعالیٰ کی جانب سے عزت، دولت، شہرت اور منصب کی تقسیم بڑی عجیب ہے ۔ جسے چاہتا ہے ان میں سے کوئی ایک یا سب سے نواز دیتا ہے۔ یہ کسی شخص کا استحقاق نہیں اور نہ ہی یہ شکل رنگ یا اعلیٰ نسل کی بنیاد پر میسر ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے بھی بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ طبعاً صالح لوگ ان کے ذریعے لوگوں میں احترام اور نیک نامی کماتے ہیں، اور شقی مزاج لوگوں سے نفرت اور بدنامی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جنہیں عزت و شہرت ملی لیکن عاجزی وانکساری اور گمنامی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور وہ اس حدیث کے مصداق نظر آتے ہیں ، جسے سیدنا عمر بن خطاب نے روایت کیا ہے۔ آپ منبر پر آئے اور فرمایا:

يا ايها الناس تواضعوا فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول :من تواضع لله رفعه الله ،فهو في نفسه صغير وفي اعين الناس عظيم ومن تكبر وضعه الله فهو في اعين الناس صغير وفي نفسه كبير وحتى لهو اهون عليهم من كلب او خنزير.

ہمارے ممدوح جناب علامہ محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ تعالیٰ، اپنی نظر میں چھوٹے لیکن لوگوں کی نظر میں ہمیشہ قد آور رہے۔ ان کی عاجزی اور انکساری، سادگی اور تواضع دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ آپ پچاس سے زائد کتب کے مصنف ہیں۔ کیا کمال کے آدمی تھے جنہیں اکابرین امت کی صحبت میسر رہی۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی، شیخ الحدیث مولانا اسماعیل سلفی، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا محمد حنیف ندوی، مولانا حافظ محمد گوندلوی اور سید ابوالاعلیٰ مودودی جیسے مایہ ناز زعماء اور قائدین کے ساتھ کام کرنے اور انکی مجلسوں میں بیٹھنے کی سعادت ملی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی سلیم الطبع اور اسلاف کے

افکار ونظریات کے امین تھے۔کتاب وسنت کا منہج آپ کے قلب وذہن میں رچابسا تھا۔آپ راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔قول وعمل میں یکسانیت تھی۔ذکر وفکر کے عادی اور اسلاف کے پیروکار رتھے۔جذباتیت وقتی عارضی اور مصنوعی تحریکوں سے نفرت کرتے تھے۔زمینی حقائق کا بخوبی ادراک رکھتے اور ہمیشہ مثبت اور ایجابی راستہ اختیار کرتے،جب سے دینی وسیاسی شعور آیا آپ نے مسلمہ اہل حدیث کا منہج اختیار کیا اور اس کے پرچارک بھی رہے۔

آپ بہت پختہ اور ثقہ راوی ہیں،جن واقعات وحوادثات کو دیکھا انہیں ذہن پر نقش کر لیتے،مدتوں بعد بھی اگر اس کا تذکرہ ہوا تو یہاں تک بیان کر دیتے کہ مجلس میں کتنے لوگ تھے ان میں سے کتنے کرسیوں پر اور کتنے کھڑے تھے۔ان کا لباس کیسا تھا اور ان میں متکلم کون تھا۔اور یہ لوگ کس علاقے یا دھرتی سے تعلق رکھتے ہیں۔ایسا منفرد حافظہ تھا۔بین السطور باتوں کو بھی یاد رکھتے اور بوقت ضرورت اس کا تذکرہ کر دیتے تھے۔

آپ ایک عرصہ تک ہفت روزہ الاعتصام اور ہفت روزہ اہل حدیث کے مدیر اعلیٰ رہے،اداریہ تحریر کرتے،حالات حاضرہ،سیاسی،تہذیبی،اقتصادی،ثقافتی،تعلیمی مسائل پر دلائل براہین کی روشنی میں جاندار تجزیہ کرتے اور اپنی رائے کا کھل کر اظہار کر دیتے۔آپ کی تحریروں میں تسلسل ہوتا،خوبصورت منظر کشی کرتے،ادبی اعتبار سے شاہکار ہوتیں،سلیس اور عام فہم اسلوب اختیار کرتے،تکلفات کے عادی نہ تھے،مشکل بات کو آسان الفاظ میں بیان کرنے کا فن جانتے تھے،بہت باخبر تھے انہیں یہ احساس تھا کہ وہ برصغیر کی تقسیم سے قبل اور اس کے بعد کے حالات وواقعات کے شاہد اور گواہ ہیں۔لہٰذا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے کہ وہ اس امانت کو آنے والی نسل تک منتقل کر دیں۔یہی باعث ہے کہ ان کے قلم سے شاہکار اور مایہ ناز کتب وجود میں آئیں،جس سے عام وخاص فیض یاب ہو رہا ہے۔ان کتابوں کی تخلیق سے دجل اور فریب اور مسخ شدہ تاریخ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔آپ نے پوری دیانت داری سے اپنے مشاہدات اور حاصل شدہ مستند باتوں کو سپرد قرطاس کیا ہے۔

مولانا اسحاق بھٹی کی تصنیفی وتحقیقی

مولانا اسحاق بھٹی نے بھرپور علمی ،تحقیقی ،اور تصنیفی زندگی گزاری۔ان کا مکمل احاطہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کھانے پینے اور سونے کے علاوہ باقی سارا وقت تصنیف وتالیف میں گزارہ ہے۔
بہت ہی وقیع اور مستند تصانیف ورثہ میں چھوڑی ہیں۔ان کی زندگی میں بھی ان پر تحقیقی مقالے لکھے گئے ہیں ان کی تمام تصانیف اور علمی مقالوں پر اگر تبصرہ یا تجزیہ لکھا جائے تو اس کے لئے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ہم یہاں ان کی کتابوں اور ان پر اختصار کے ساتھ اپنی رائے لکھنے پر اکتفا کریں گے۔قارئین سے التماس ہے کہ ان کی کتب سے براہ راست استفادہ کریں۔ایسی شاندار پرتاثیر اور دلچسپ کتابیں ہیں کہ قاری کو اپنے سحر میں لے لیتی ہیں۔واقعاتی اسلوب نگارش ہے کہ پڑھنے والا خود وہ منظر اپنے سامنے محسوس کرتا ہے۔تقریباً چالیس کے قریب ایسی کتابیں جو چھپ کر اپنا لوہا منوا چکی ہیں۔جن میں سے چند یہ ہیں: برصغیر میں علم فقہ، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش ،فقہائے ہند (دس جلدیں)،فہرست مصنف محمد بن اسحاق وراق بغدادی کا اردو ترجمہ، نقوش عظمت رفتہ ،لسان القرآن جلد سوم ،کاروان سلف ،بزم ارجمنداں ،تذکرہ قاضی سلیمان منصور پوری ،برصغیر میں اہل حدیث کی سرگزشت ،روپڑی علماء حدیث ،ریاض الصالحین اردو ترجمہ، ارمغان حدیث ،حضرت ابوبکر صدیق ،صدارتی واستقبالیہ خطبات ،تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی ،برصغیر میں اہل حدیث کی آمد ،قصوری خاندان ،میاں فضل حق اور انکی خدمات ،چہرہ نبوت قرآن کے آئینہ میں ،ہفت اقلیم ،تذکرہ صوفی محمد عبداللہ مرحوم ،ذاتی سوانح حیات ''گزر گئی گزران''، دبستان حدیث ،گلستان حدیث ،چمنستان حدیث ،بوستان حدیث ،محفل دانشمنداں ،تذکرہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی ،برصغیر میں اہل حدیث خدام قرآن ،تذکرہ مولانا محی الدین لکھوی مرحوم وغیرہ۔
مولانا مرحوم یوں تو بہت اعلیٰ پائے کے نثر نگار ہیں اور عبارت میں تسلسل کے ساتھ ساتھ ادبی رنگ بھی موجود ہے۔لیکن ان کا خاکہ نگاری میں کوئی ثانی نہیں ،ایسا شاندار اسلوب اختیار کرتے اور ایسی تصویر کشی کرتے کہ شخصیت کے تمام نقوش ابھر کر سامنے آجاتے۔ملاحظہ

فرمائیں ایک شخصیت کا خاکہ ''قاضی صاحب دراز قامت اور متناسب الاعضا تھے، گورا رنگ، نورانی چہرہ، ستواں ناک، کشادہ پیشانی اور لمبی داڑھی جو عمر کے آخر دور میں سفید ہو کر چہرے کے رنگ کے عین مطابق ہوگئی تھی ......''۔ یہ ان کی کتاب ''تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری'' سے لیا گیا اقتباس ہے، یہ کتاب پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ بھٹی صاحب مرحوم کی خاکوں پر مبنی چار کتابیں نقوشِ عظمتِ رفتہ، بزمِ ارجمنداں، کاروانِ سلف اور قافلہ حدیث نہایت عمدہ اور دلچسپ ہیں۔

مولانا اسحاق بھٹی مرحوم سے پہلی ملاقات میاں فضل حق کی اقامت گاہ 111ء ملتان روڈ میں ہوئی۔ یہ سن اسی کا عشرہ ہے۔ افغانستان میں روسی مداخلت کی وجہ سے ہر طرف جہاد الجہاد کا ماحول تھا۔ غیر ملکی مہمانوں کی آمد و رفت رہتی تھی، جن سے ملاقات کے لئے میں فیصل آباد سے لاہور آیا، یہ دسمبر کا مہینہ تھا۔ اتفاق سے اس دن سخت سردی تھی ہم مہمان خانے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے کہ اچانک ایک بزرگ گرم کپڑے پہنے اور گلے میں مفلر لٹکائے اندر داخل ہوئے، اٹھ کر ملے، سلام دعا اور خیر و عافیت کے بعد وہ بھی چائے نوش کرنے لگے۔ میں خاموشی سے ان کی میاں فضل حق صاحب کے ساتھ ہونے والی گفتگو سنتا رہا۔ ان کی باتوں میں بڑی چاشنی تھی اور وہ بار بار اکابر علماء کا تذکرہ کرتے، بلکہ خوش طبعی کے لئے بعض لطیفے بھی سنا رہے تھے۔ وہ ٹھہر ٹھہر کر بات کرتے اور ان کی باتوں میں بلا کا اعتماد تھا۔ کوئی واقعہ بیان کرتے تو ایسے معلوم ہوتا جیسے براہ راست دیکھ کر اسکی منظر کشی کر رہے ہوں۔ میں پہلے سے زیادہ متوجہ ہوا اور انکی گفتگو میں دلچسپی لینے لگا اور ان کے قریب آ بیٹھا۔ معاً انہوں نے میاں صاحب سے پوچھا یہ برخوردار کون ہے؟ میاں صاحب نے کہا آپ نہیں جانتے یہ جامعہ سلفیہ کے ناظم مولوی لیٰسین ظفر ہیں۔ بھٹی صاحب فرمانے لگے اچھا یہ ہیں لیٰسین ظفر! میں نے پہلے نام تو سنا تھا اور اندازہ تھا کہ وہ چالیس سال سے زائد عمر کے ہونگے لیکن یہ تو بچہ نکلا۔ میرے ساتھ دوبارہ مصافحہ کیا اور خوشی و مسرت کا اظہار کیا۔ یہ ان کا بڑا پن تھا ورنہ من آنم کہ من دانم۔ اس کے بعد بارہا ان سے ملاقات ہوتی رہی۔ کبھی میاں فضل حق کے ہاں۔ کبھی ایبٹ روڈ والے دفتر میں۔ میاں فضل حق صاحب ان پر مکمل اعتماد کرتے تھے۔ اور ضروری کاموں میں ان سے مشورہ لیتے، بھٹی صاحب بھی میاں صاحب کے ساتھ پر خلوص محبت کرتے اور کہتے کہ ان میں دین

کے لئے کام کرنے کا جذبہ ہے اس لئے میں ہر ممکن تعاون کرتا ہوں۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ عراق نے جب کویت پر حملہ کیا تو پاکستان میں مرکزی جمعیت اہل حدیث واحد دینی وسیاسی جماعت تھی جنہوں نے برملا سعودی حکومت کی حمایت کا اعلان کیا۔ موچی دروازے میں بڑی حرمین شریفین کانفرنس کی جبکہ ناصر باغ تک ریلی نکالی، اس موقعہ پر ہفت روزہ اہل حدیث کا خاص نمبر ''حرمین شریفین'' نکالا گیا۔ جس میں بھٹی صاحب نے خصوصی دل چسپی لی، مضمون بھی لکھا ہفت روزہ اہل حدیث ایڈیٹر تھے۔ غالباً اے این پی کے سربراہ خان عبدالغفار خان کی رحلت پر ان کی تعریف میں اداریہ لکھا چونکہ وہ اول تا آخر کانگرسی تھا اور مرکر بھی پاکستان میں دفن ہونا پسند نہ کیا۔ بلکہ قندھار افغانستان میں دفن ہوئے۔ لہٰذا اس پر اعتراضات ہوئے اور بھٹی صاحب نے مجلہ اہل حدیث چھوڑ دیا لیکن میاں فضل حق کے ساتھ احترام کا رشتہ قائم رکھا اور اکثر میاں صاحب کے ہاں آتے جاتے۔ میاں فضل حق کی اچانک وفات پر انہوں نے ان کی دینی، تعلیمی، رفاہی، جماعتی خدمات پر مفصل کتاب شائع کی۔ جس میں میاں صاحب کے خاندان، ان کے والد میاں حسن اور چچا رانا امان اللہ کا تذکرہ کیا۔ ان کی خدمات جامعہ سلفیہ کے لئے محنت کا بھی بھرپور انداز میں ذکر خیر کیا۔

میاں نعیم الرحمٰن مرحوم بھی بھٹی صاحب کا بڑا احترام کرتے، ان سے خوب گپ شپ ہوتی اور خدمت بھی کرتے۔ اللہ تعالیٰ سب مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ متعدد بار میاں نعیم الرحمٰن کے ہمراہ جامعہ سلفیہ میں تشریف لائے۔ اچھے مشورے دیتے اور اس بات پر ہمیشہ افسوس کا اظہار کرتے کہ جامعہ سلفیہ میں تخصص کا آغاز ہونا چاہئے۔ یہی بانیان جامعہ کا مقصد تھا۔ اپنے بعض مضامین میں بھی انہوں نے جامعہ سلفیہ کی انتظامیہ کو مخاطب کر کے تجاویز دیں ہیں۔ جامعہ سلفیہ کے ساتھ جذباتی تعلق تھا جب بھی بلاتے بڑی محبت سے تشریف لاتے تھے

گزشتہ تعلیمی سال کے اختتام پر جامعہ کے تمام اساتذہ اور طلبہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی ریلی میں شرکت کے لئے لاہور آئے تو مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی نے کہا کہ میں نے اولیٰ عالی کے طلبہ سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں مولانا محمد اسحاق بھٹی کے ہاں لے چلوں گا تا کہ یہ ان کو مل سکیں اور مجھ سے اجازت مانگی۔ میں نے یزدانی صاحب سے کہا: کہ ایک تو مولانا کی رہائش

سانده میں ہے گلیاں تنگ ہیں اوپر سے اتنے طلبہ کیسے ان کے گھر میں جائیں گے، بہتر ہے آپ ان سے وقت لے لیں، ہم جامعہ میں ان کے اعزاز میں استقبالیہ رکھ لیتے ہیں جامعہ کے تمام اساتذہ اور طلبہ ان سے ملاقات کرلیں گے اور وہ ناصحانہ گفتگو بھی کرلیں گے۔ اس تجویز پر اتفاق ہوا۔ اور مولانا بھٹی صاحب نے کمال مہربانی سے وقت دے دیا۔ وہ وقت مقررہ پر اپنے بھائی کے ہمراہ جامعہ میں تشریف لے آئے۔ مسجد جامعہ میں شاندار تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں تمام اساتذہ کے علاوہ مولانا محمد یوسف انور اور مولانا ارشاد الحق اثری بھی شامل تھے۔ میں نے تقریب کی غرض وغایت بیان کی اور کہا کہ آج ہمارے لئے سعادت کا دن ہے کہ مؤرخ اسلام ہمارے درمیان موجود ہیں۔ ان کی تمام کتابوں کی نمائش بھی لگائی گئی۔ تمام علماء نے بھی مولانا مرحوم کو زبردست خراج تحسین پیش کیا۔ آخر میں بھٹی صاحب نے پرنم آنکھوں سے خطاب کیا۔ تقریب کے اختتام پر انہیں جامعہ کی جانب سے یادگار شیلڈ اور مبلغ ایک لاکھ روپے نقد بطور ایوارڈ پیش کیا گیا۔ یہ ایک روح پرور تقریب تھی جسکی لذت آج بھی محسوس ہوتی ہے۔ اس دن وہ شام تک جامعہ میں رہے اور طلبہ ان سے استفادہ کرتے رہے۔

ان کی رحلت سے ایک مشفق مہربان اور خیر خواہ عالم دین سے محروم ہوئے۔ وہ مایہ ناز ادیب اور قلم کار تھے۔ یادگار تصانیف چھوڑ کر گئے ہیں، جنہیں مدتوں پڑھا جاتا رہے گا۔

آپ بہت خلیق، ملنسار اور خوش مزاج تھے۔ بڑوں کا ادب تو کرتے ہی تھے لیکن چھوٹوں کے ساتھ بھی بڑی شفقت کرتے۔ اٹھ کر گلے لگاتے اور کام کی حوصلہ افزائی کرتے۔ آپ کو بھی تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگوں سے بڑی محبت ملی۔ لوگ بڑے احترام سے ان کا نام لیتے اور ان کی خدمات کی تحسین کرتے تھے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کا مولانا عارف جاوید محمدی صاحب (کویت والے) کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ گزشتہ دو سال قبل جب مولانا عارف جاوید صاحب نے اپنے بچوں کی شادیاں کیں سب کے نکاح مولانا محمد اسحاق بھٹی سے پڑھوائے اور دعا بھی کرائی۔ یقیناً یہ خاص تعلق اور محبت کے بغیر ممکن نہ تھا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین

ذہبی دوراں مؤرخ العصر علامہ محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

حافظ عبدالعزیز علوی حفظہ اللہ تعالیٰ شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ

نام:۔ محمد اسحٰق بھٹی

لقب:۔ ذہبی دوراں، مؤرخ اہلحدیث

ولدیت ونسب:۔ محمد اسحٰق بن عبدالمجید بن محمد بن دوست محمد

ددھیال:۔ بھٹی صاحب کے دادا محمد بن دوست محمد چار بھائی تھے۔ بڑے محمد ان سے چھوٹے محمد شریف ان سے چھوٹے محمد رمضان یہ تینوں بھائی حکیم تھے ان سے چھوٹے حافظ محمد کریم جونابینا تھے۔ اور حافظ قرآن تھے۔

ننھیال ''ڈھانیں'' کے باشندے بابا امام دین تھے۔ ان کے تین بیٹے میاں نور جمال، میاں جلال دین اور میاں عنایت اللہ تھے۔ اور تین بیٹیاں مراد بی بی، نور بھری اور راج بی بی تھیں۔

مراد بی بی کی شادی حکیم محمد رمضان سے ہوئی جو بھٹی صاحب کے دادا محمد کے بھائی تھے۔ اور بھٹی صاحب کے والد عبدالمجید کی شادی ان کے چچا حکیم محمد رمضان کی بیٹی فاطمہ سے ہوئی۔ اور یہ ہنڈائیہ وسابق ریاست پٹیالہ مشرقی پنجاب میں رہتے تھے۔

مراد بی بی کی ہمشیرہ نور بھری کی شادی مولانا کریم بخش سے ہوئی جو بڈھیمال میں رہتے تھے اور ان کے بیٹے شیخ الشیوخ استاذ الاساتذہ حافظ عبداللہ بڈھیمالوی ہیں۔ اس طرح حضرت حافظ صاحب رحمہ اللہ بھٹی صاحب کی والدہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ اور میاں جلال دین جو مراد بی بی کے بھائی ہیں۔ ان کے بیٹے مولوی عبدالعزیز ہیں جن کے لخت جگر معروف ومشہور شیخ الحدیث مولانا عبداللہ امجد چھتوی ہیں۔

تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش

بھٹی صاحب 15 مارچ 1925ء بمطابق 19 شعبان 1343 بروز اتوار اپنے ننھیال ہنڈائیہ میں پیدا ہوئے کیونکہ عام رسم و رواج کے مطابق پہلا بچہ اپنے ننھیال کے ہاں پیدا ہوتا ہے۔ ان کے نانا حکیم محمد رمضان نے ان کا نام عبدالرشید رکھا۔ اور جب اپنے ددھیال آئے تو ان کے دادا حکیم محمد نے نام محمد اسحٰق رکھا اور یہی معروف ہوا۔

تعلیم و تربیت

تعلیم کا آغاز بہت چھوٹی عمر میں اپنے دادا حکیم محمد سے کیا جو انتہائی متقی' پرہیز گار' دیانت و ذہانت سے متصف' متدین انسان تھے۔ گھر میں پڑھنا شروع کیا ناظرہ قرآن مجید پڑھا آخری پارہ کی چند سورتیں یاد کیں۔ مولانا رحیم بخش کی کتاب جو چودہ حصوں پر مشتمل ہے ابتدائی چار حصے' حافظ محمد لکھوی کی انواع محمدی' زینت الاسلام اور احوال الاخرت ان سے پڑھیں۔ اس طرح شہاب الدین نامی پٹواری سے تختی پر لکھنے کی مشق کر لی' اس تعلیم سے انہیں اردو عبارت لکھنی پڑھنی آ گئی تو انہیں 1933ء میں جبکہ ان کی عمر آٹھ سال تھی سرکاری مڈل سکول کی چوتھی جماعت میں داخل مل گیا اور 1934ء میں پانچویں جماعت کر لی۔

مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کی کوٹ کپورہ میں آمد

مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کے بڑے بھائی قاری حافظ محمد عبداللہ بھوجیانی رحمہ اللہ کوٹ کپورہ کی مسجد اہلحدیث کے امام تھے۔ اس لئے وہاں کی انجمن اصلاح المسلمین نے 1933ء کو مولانا عطاء اللہ کو بطور خطیب اور مدرس بلا لیا۔ اس وقت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی بھی کوٹ کپورہ کی ایک مسجد میں جو حاجی نورالدین کی مسجد کہلاتی تھی۔ درس نظامی کی تعلیم دیتے جو بھٹی صاحب کی والدہ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ بھٹی صاحب کے والد انہیں جبکہ وہ چوتھی جماعت میں پڑھتے تھے۔ صبح صبح حافظ صاحب کے پاس لے گئے کہ سکول جانے سے پہلے اور واپسی پر شام تک ان کے پاس پڑھا کرو۔ اس وقت بھٹی صاحب کی والدہ کے ماموں زاد بھائی عبدالرشید بھی وہاں پڑھتے جو مولانا عبداللہ امجد چھتوی کے چچا ہیں۔

حافظ صاحب نے بھٹی صاحب کو فارسی قواعد کی ابتدائی کتاب فیوض نامہ شروع کرائی اور فرمایا مجھے قرآن مجید کے دور کو روزانہ سنایا کرو تھوڑے عرصے کے بعد ان کے گھر کی قریب کی مسجد میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی آ گئے تو پھر وہاں جانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ حافظ صاحب والی

مسجد گھر سے دو ڈھائی فرلانگ کے فاصلہ پر تھی۔

بھوجیانی صاحب جنوری 1933ء میں کوٹ کپورہ آئے تھے جو فرید کوٹ ریاست کا ایک قصبہ تھا فرید کوٹ ریاست پنجاب کی آٹھ ریاستوں میں ایک تھی جو پنجاب کے قلب میں واقع تھی۔ بھٹی صاحب کے دادا' ان کو مولانا بھوجیانی کی خدمت میں لے گئے اور کہا اس کو پڑھا دیا کریں' مولانا بھوجیانی وہاں 1933ء سے 1936ء تک چار سال رہے اس دوران انہوں نے ترجمہ القرآن' رحمۃ للعالمین سنن نسائی۔ قدوری شرح نخبۃ الفکر۔ نورالانوار' شرح مائۃ عامل' ہدایۃ النحو' فصول اکبری' مقامات اور مرقاۃ کا درس لیا۔

1935ء میں ریاست فرید کوٹ کے نواب نے ایک مسجد پر قبضہ کر کے اسے شہر کی میونسپل کمیٹی کا دفتر بنا دیا اس واقعہ پر مسلمانوں کی طرف سے شدید احتجاج ہوا اور مولانا بھوجیانی نے کوٹ کپورہ کی جامع مسجد اہلحدیث کے خطیب کی حیثیت سے جمعہ کے خطبات میں والئی ریاست کے اس اقدام کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ جس پر حکومت نے انہیں گرفتار کر لیا اور انہیں جیل میں بند کر دیا۔ لیکن مسلمانوں کے شدید احتجاج کی بنا پر چار دن کے بعد ان کو رہا کرنا پڑا۔ لیکن اب ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ ان کا وہاں رہنا بہت مشکل ہو گیا۔ 1936ء کے آخری دنوں میں مولانا محمد علی لکھوی کوٹ کپورہ تشریف لائے اور انجمن اہلحدیث کے افراد و ارکان سے گفتگو کی کہ اب مولانا بھوجیانی کا یہاں رہنا ممکن نہیں ہے اس لئے آپ اجازت دیں میں انہیں اپنے مرکز الاسلام لے جاؤں اور یہ مرکز لکھوکی سے کچھ فاصلہ پر بنایا گیا تھا۔ ان سے میرے بیٹے محی الدین اور معین الدین کسب فیض کریں گے۔ اور دوسرے طلبہ کو بھی استفادہ کا موقعہ میسر آئے گا' اراکین جمعیت (انجمن) نے اس شرط پر اجازت دے دی کہ ان کے دو شاگرد محمد اسحٰق اور محمد رفیق بھی ان کے ساتھ جائیں گے اس طرح یہ تینوں حضرات یکم جنوری 1937ء کو مرکز الاسلام پہنچ گئے۔

جب تک بھٹی صاحب کوٹ کپورہ میں رہے تو ان کی دادی رمضان خاتون جن کو وہ انبو کا نام دیتے تھے ان کی والدہ سے کہتیں فاطمہ منڈا پڑھ کے آیا ہے۔ اس کو چھنے میں دودھ پلاؤ اور اس میں گھی اور کھانڈ بھی ڈال دو بھٹی صاحب کانسی کے چھنے میں بڑے مزے سے دودھ سے لطف

اندوز ہوتے اور فراغت کے بعد ماں اور دادی سے لپٹ جاتے' ان کی دادی ان کے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی نابینا ہو گئی تھی' سردیوں کے موسم میں وہ سب بہن بھائیوں کو اپنے لحاف میں اپنے ساتھ سلاتیں اور اس دور کے رواج کے مطابق انہیں عجیب وغریب قصے اور کہانیاں سناتیں' وہ چونکہ انتہائی سستا زمانہ تھا دمڑی' دھیلہ کے پیسے کا سکہ رائج الوقت تھا ان کے والد جنہیں یہ میاں جی کہتے تھے سکول جاتے وقت انہیں ایک پیسہ دیتے تھے جس کی یہ دو قسطوں میں مختلف چیزیں خرید لیتے۔

1937ء میں جب یہ مرکز الاسلام چلے گئے اور وہاں مولانا محمد علی لکھوی کے دونوں بیٹوں کے ساتھ سنن نسائی کے درس میں شریک ہو گئے اس طرح دونوں بھائیوں کے ساتھ دوستانہ مراسم قائم ہو گئے اور وہاں ایک سال رہے اور مولانا بھوجیانی سے مختلف کتابیں پڑھیں 1937ء کے آخر میں فیروز پور شہر کی جماعت اہلحدیث کے چند افراد مولانا محمد علی لکھوی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے درخواست کی فیروز پور ضلع کا مرکزی شہر ہے اور وہاں گنبداں والی مسجد جس کا کوئی مستقل خطیب نہیں ہے۔اور نہ ہی کوئی دینی مدرسہ ہے فیروز پور چھاؤنی کی صورت حال بھی یہی ہے آپ از راہ کرم مولانا بھوجیانی کو وہاں جانے کی اجازت مرحمت فرمائیں تا کہ دونوں کام ہو سکیں اس طرح مولانا بھوجیانی 1938ء میں فیروز پور گنبداں والی مسجد تشریف لے آئے اور وہاں دارالحدیث نذیریہ کے نام سے مدرسہ شروع کیا جس کا افتتاح حافظ عبداللہ بڈھیمالوی نے کیا

ایک خواب اور اس کی تعبیر

کوٹ کپورہ میں مولانا بھوجیانی سے حصول تعلیم کے دوران بھٹی صاحب کے ایک طالب علم ساتھی کو خواب آیا کہ بھٹی صاحب کنویں میں گر گئے ہیں اس کی تعبیر کوٹ کپورہ کے ایک انتہائی نیک بلکہ ولی اللہ حاجی نور الدین نے یہ بتائی کہ یہ بچہ تعلیم حاصل کرے گا اور ایسے ہی ہوا۔

مدرسہ دارالحدیث نذیریہ میں تعلیم مولانا بھوجیانی سے 1938ء تا 1940ء تین سال میں مندرجہ ذیل کتب پڑھیں کتب تفسیر میں جامع البیان اور تفسیر جلالین کا کچھ حصہ' کتب حدیث میں بلوغ المرام اور صحاح ستہ' کتب فقہ میں حنفی فقہ کی شرح الوقایہ اور کنز الدقائق' اصول فقہ میں نور الانوار' توضیح تلویح' اصول حدیث میں مقدمہ ابن الصلاح' صرف ونحو میں کافیہ' شرح

جامی، شافیہ، مراح الارواح، زنجانی، ادب میں سبعہ معلقہ اور دیوان متنبی، علم المعانی والبیان میں مختصر المعانی، مطول، علم العروض میں محیط الدیرہ منطق میں، شرح تہذیب قطبی، میر قطبی، سلم العلوم اور رسالہ میر زاہد فلسفہ میں ہدیہ سعیدیہ، علم الفرائض میں سراجی، علم المناظرہ میں رشیدیہ، اور فنون کی بعض کتابیں مولانا محمد شفیع ہوشیاری اور مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری سے پڑھیں۔ مولانا ثناء اللہ کافی عرصہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں استاد رہے اور یہیں ان کی وفات ہوئی۔

ایک حادثہ فاجعہ

1937ء میں جبکہ بھٹی صاحب مرکز الاسلام لکھوکے میں پڑھنے چلے گئے تو ان کی والدہ بیمار ہو گئیں مرض استسقا تھا بھٹی صاحب کے دادا خود حکیم تھے جڑی بوٹیوں سے ہر طرح علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ اور وہ مئی 1937ء میں وفات پا گئیں۔ یہ چار بھائی بہن تھے سب سے بڑے بھٹی صاحب تھے جن کی عمر اس وقت بارہ سال تھی، ان سے چھوٹی بہن کی عمر نو سال اس کے چھوٹی چھ سال اور چھوٹا بھائی محمد حسین بہت کم عمر تھا جسے فوت ہوئے عرصہ دراز گزر چکا ہے۔ دادا بوڑھا تھا اور دادی بوڑھی اور نابینا تھی۔ اور والد کی عمر چھتیس سینتیس سال تھی۔ اس لئے دادے کو بیٹے کی دوسری شادی کی فکر لاحق ہوئی تاکہ گھر کا نظم و نسق صحیح طور پر چل سکے۔ بچوں کی پرورش اور تربیت ہو سکے۔ ان کے دادا نے اپنے بھائی حکیم محمد رمضان سے اپنی خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی چھوٹی بیٹی آسیہ کا رشتہ دے کیونکہ خالہ ماں کی طرح ہی بچوں سے پیار و محبت کرتی ہے۔ لیکن اس نے معذرت کی کہ میری بیٹی اپنے بھانجے، بھانجیوں کو سنبھال نہیں سکے گی۔

بھٹی صاحب کی ذہانت وفطانت

بھٹی صاحب نے دادا سے درخواست کی کہ آپ مجھے نانا جان سے بات کرنے کی اجازت دیں اجازت ملنے کے بعد وہ اپنے نانا کے ہاں گئے اور ان سے انتہائی موثر انداز سے انتہائی مؤدبانہ طریقہ سے گفتگو کی کہ نانا جان آپ جانتے ہیں میں بڑا ہوں باہر ساتھیوں سے گھل مل کر وقت گذار لوں گا، لیکن بچیاں کیسے گذارہ کریں گی ان کو تکلیف اور پریشانی لاحق ہوگی تو آپ ہی کو صدمہ ہوگا، اس لئے آپ دیکھ لیں یہ صدمہ برداشت کر لیں گے تو اس طرح ان کے نانا رشتہ دینے کیلئے آمادہ ہو گئے کہ جس طرح بچہ کہتا ہے اسی طرح

کرلو۔ اس طرح 1938ء میں ان کی خالہ آسیہ سے ان کے والد کی دوسری شادی ہوگئی اور گھر کے حالات استوار ہوگئے۔ ان کے دادا نماز فجر سے قبل مسجد میں جاتے اور بھٹی صاحب کو بھی جگا کر اپنے ساتھ لے جاتے۔ اور بسا اوقات فجر کی اذان بھٹی صاحب سے کہلواتے اس طرح بھٹی صاحب کو فجر سے پہلے جاگنے کی عادت پڑ گئی۔

گوجرانوالہ میں داخلہ

1940ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی نے بھٹی صاحب کو گوجرانوالہ میں حضرت شیخ الشیوخ اور محدث العصر حافظ محمد گوندلوی اور حضرت علامہ مولانا محمد اسماعیل سلفی سے تحصیل علم کرنے کا مشورہ دیا اور حضرت سلفی کے نام رقعہ بھی دیا اس طرح وہ گوجرانوالہ آگئے اور مولانا محی الدین لکھوی بھی مزید علم کی پیاس بجھانے چلے آئے اس طرح حضرت الاستاذ الشیخ الفاضل حافظ محمد گوندلوی صاحب سے دوبارہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ترمذی، اور موطا، امام مالک پڑھیں اور حضرت مولانا اسماعیل سلفی سے دوبارہ تفسیر بیضاوی اور تفسیر جلالین کا سبق لیا اور ان کے ساتھ حضرت شیخ الجلیل مولانا محی الدین لکھوی بھی شریک تھے۔ مولانا اسماعیل سلفی سے حماسہ، متنبی ہدایہ۔ میر قطبی وغیرہ بھی پڑھیں۔

ملازمت

1942ء میں بھٹی صاحب درس نظامی کی تکمیل کر کے گھر واپس آگئے تو ان کے محترم و مشفق چودھری برکت علی جو ہیڈ سلیمان کی میں بہ حیثیت اکاؤنٹس آفیسر خدمات سرانجام دیتے تھے۔ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور کہا آج سے تم یہاں ملازم ہو اور دفتر میں بطور کلرک کام کروگے'' اسی طرح چودھری صاحب نے ان کے مزاج کے مطابق ایسی جگہ ڈیوٹی لگائی جہاں وہ پورے شوق و ذوق سے مطالعہ کا شغل جاری رکھ سکیں، اسی طرح ان کو مختلف موضوعات کی کتابوں کے مطالعہ کا وافر وقت میسر آجاتا وہاں کی اونچے گنبد والی شان دار مسجد کے قریب ایک بہترین رہائش بھی مل گئی جہاں وہ پانچوں نمازوں کی امامت کرواتے اور جمعہ پڑھاتے اور نماز فجر کے بعد درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کر دیا۔ درس اور خطبہ جمعہ میں انہوں نے انتہائی مثبت انداز اختیار کیا جس سے نمازی بہت متاثر ہوئے اور ان کے کہے بغیر بہت سے نمازیوں نے رفع الیدین اور آمین بالجہر کہنا شروع کر دیا لیکن بھٹی صاحب وہاں بمشکل ایک سال

ہی گزار سکے حالانکہ وہاں ان کا شوق مطالعہ بھی پورا ہو رہا تھا اور ہر طرح عزت و احترام بھی میسر تھا۔

دہلی آگرہ اور دیگر مقامات کی سیر و تفریح

ملازمت چھوڑ کر بھٹی صاحب اپنے گھر چلے گئے۔ ان کی برادری کے بہت سے لوگ ٹرانسپورٹ کے شعبہ سے منسلک تھے اور آپ کے والد محترم کا تعلق بھی اس شعبہ سے تھا۔ لہٰذا بھٹی صاحب نے بھی یہی شعبہ اختیار کر لیا۔ محترم قاضی محمد اسلم سیف رحمہ اللہ کے پھوپھا حاجی محمد علی صاحب بھٹی صاحب کو اپنے ساتھ بس پر لے جاتے اس طرح چند دنوں کے بعد وہ اسٹیرنگ پر بیٹھ گئے اور ڈرائیور بن گئے اور چار ماہ تک ان کے ساتھ رہے اور ٹرک کی ڈرائیوری بھی آنے لگی۔ اس ڈرائیوری کے دوران مختلف علاقوں کی سیر و تفریح بھی کر لی۔ لیکن بعض لوگوں نے سمجھایا کہ تمہیں اتنا عرصہ تعلیم حاصل کرنے کا کیا فائدہ یہ کام تو جاہل بھی کر لیتے ہیں تو انہوں نے یہ کام چھوڑ دیا۔ سیر و تفریح کی تفصیلات اپنی کتاب ''گزر گئی گزران'' کے ساتویں باب میں بیان کی ہیں۔

مرکز الاسلام میں تدریس کے فرائض

یکم مارچ 1943ء میں اپنے استاد محترم مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کو ملنے فیروز پور کی مسجد گنبداں والی میں گئے جہاں وہ خطابت و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے تھے۔ وہ بھٹی صاحب کی صلاحیت و استعداد کے معترف اور شناسا تھے۔ اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ اچھا ہوا تم آ گئے ہو کل ہی مولانا معین الدین تشریف لائے تھے۔ اور تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے فوراً مرکز الاسلام پہنچ جاؤ اور وہاں تدریس کا فریضہ سرانجام دو' لکھوی خاندان سے بھٹی صاحب کے بزرگوں کے عرصہ دراز سے عقیدت و ارادت کے تعلقات تھے اور بھٹی صاحب بھی چونکہ ایک سال مرکز الاسلام میں تحصیل علم کیلئے گزار چکے تھے اس لئے مولانا معین الدین لکھوی رحمہ اللہ سے دوستانہ روابط و مراسم تھے۔ اس لئے چند روز کے بعد مرکز الاسلام پہنچ گئے اور 1943ء 1947ء جولائی تک وہاں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے

شادی خانہ آبادی

تدریس کے دوران 1945ء یا 1947ء میں ہوئی ان کی شادی

بڑھیمال میں حضرت حافظ عبداللہ بڈھیمالوی کے چچا محی الدین کی لڑکی سے ہوئی جو محترم مولانا عبداللہ چھتوی حفظہ اللہ کے والد محترم مولوی عبدالعزیز رحمہ اللہ کی بیوی کی بہن تھی لہٰذا بھٹی صاحب مولانا چھتوی حفظہ اللہ تعالیٰ کے والد کے ہم زلف بن گئے اور مولانا صاحب کے خالو ٹھہرے۔ ہندوستان میں ان کے ہاں ایک بیٹی پیدا ہوئی جو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے پوتوں اور نواسوں والی ہے۔

سیاست اور قید و بند بھٹی صاحب چونکہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت متاثر تھے۔ ان کے ہفتہ وار' الھلال اور ابلاغ کی فائلیں پڑھ چکے تھے اور ان کے علی پور جیل کے تحریری بیان' ''قول فیصل'' سے بہت متاثر ہوئے اور مولانا کانگریس کے صدر تھے اس لئے ابتدا میں بھٹی صاحب لباس اور داڑھی کی تراش خراش میں انہی کی تقلید کرتے تھے۔ اور ان کے استاد مولانا بھوجیانی بھی کانگریسی تھے۔ اس سے بھٹی صاحب بھی کوٹ کپورہ کی سیاسی جماعت پرجا منڈل یعنی عوامی جماعت میں حصہ لینے لگے جس کے جنرل سیکرٹری ان کے عزیز قاضی عبید اللہ تھے۔ پھر ان کی جگہ یہ جنرل سیکرٹری بن گئے۔ اس طرح انہیں جیل کی یاترا کرنی پڑی۔

قیام پاکستان 15 اگست 1947ء 27 رمضان المبارک 1366ھ قیام پاکستان عمل میں آیا۔

بھٹی صاحب 21 اگست کو اپنے ایک سوتیس عزیز واقارب کے ساتھ صبح کوٹ کپورہ سے قصور روانہ ہوئے اور رات آٹھ بجے پہنچے ان لوگوں کے پاس نہ کوئی برتن تھا اور نہ کوئی اور چیز صرف وہ کپڑے تھے جو پہنے ہوئے تھے وہ مولانا محمد علی قصوری ایم اے کینٹب سے ملے ان سے اپنی حال احوال بیان کئے انہوں نے انہیں شہباز روڈ پر کھتونی والی حویلی'' جو دو منزلہ تھی اور بارہ تیرہ کمروں پر مشتمل تھی دے دی اور انہیں کھانے پینے کی ضروریات مہیا کیں' کچھ دنوں کے بعد یہ قصور سے لاہور آ گئے اور چار پانچ دن وہاں ٹھہرنے کے بعد جڑانوالہ کے قریب چک نمبر 53 گ ب منصور پور ڈھیسیاں آ گئے۔ اس طرح کوٹ کپورہ سے یہاں تک پہنچنے میں تقریباً ڈھائی ماہ لگ گئے۔

ایک عجیب واقعہ جب یہ لوگ لاہور سے جڑانوالہ کیلئے روانہ ہوئے تو بھٹی صاحب کے والد کے پاس پانچ سو روپے تھے اور بھٹی صاحب کے پاس بیس روپے بھٹی صاحب کے والد کی رقم کسی نے لاہور ریلوے اسٹیشن پر نکال لی' جس کی بنا پر انہیں نہایت مشکل حالات میں گزارہ کرنا پڑا۔

جمعہ کا خطبہ پاکستان آ کر بھٹی صاحب نے جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا۔ چونکہ یہ لوگ ایک شہر سے آئے تھے۔ سب ایک دوسرے سے شناسا تھے۔ لیکن بھٹی صاحب کا یہاں دل نہیں لگ رہا تھا۔ ہر وقت بے چین رہتے تھے۔ ایک دن انہیں پتہ چلا کہ مولانا معین الدین لکھوی اپنے خاندان سمیت اوکاڑہ سے آ گئے ہیں۔

اوکاڑہ روانگی چونکہ مولانا لکھوی سے دوستانہ مراسم تھے۔ اور اوکاڑہ شہر تھا' اس لئے بھٹی صاحب اوکاڑہ تشریف لے گئے اور کچھ دن وہاں رہنے کے بعد واپس اپنے گاؤں آ گئے۔

گاؤں واپسی کے بعد معمول انہوں نے حکومت کی طرف سے الاٹ کردہ زرعی زمین میں ایک کٹیا یا جھگی بنالی اور وہاں چارپائی پر بستر بچھالیا۔ وہاں قرآن مجید اور ہیر وارث شاہ رکھ لی۔ اپنے پرانے معمول کے مطابق صبح اٹھ کر قرآن مجید کی تلاوت کرتے' پھر تھوڑا بہت کھیت کا کام کرتے تھک جانے کے بعد یہ ہیر وارث شاہ سے دل بہلاتے' آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا' اس کے باوجود مطالعہ کا چسکا پورا کرنے کیلئے جڑانوالہ سے دو آنے کا اخبار امروز منگوا کر اسے دو دن پڑھتے۔

برف کا کاروبار آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے سخت پریشانی میں مبتلا ہو کر اپنے پھوپھی زاد عزیز احمد کے ساتھ مل کر جڑانوالہ سے برف لا کر بیچنی شروع کر دی' بھٹی صاحب روزانہ سائیکل پر ایک من برف لاتے اور اس کو فروخت کرتے۔

گندم کا کاروبار بیس پچیس دن برف کا کاروبار کیا' پھر کسی نے یہ مشورہ دیا مختلف دیہات سے گندم لا کر گاؤں میں فروخت کی جائے تو زیادہ نفع حاصل ہوگا گدھے ایک دوست کے پاس تھے۔ اس طرح کچھ عرصہ گندم کی خرید و فروخت میں کچھ عرصہ بھوسے کی خرید و فروخت میں گزار دیا اس طرح یہ عسرت کا دور انتہائی خودداری حمیت اور غیرت سے بسر کیا۔ پھر

گندم کی کٹائی کے موسم میں اپنی زرعی زمین سے وافر گندم میسر آ گئی اپنی ضرورت کی گندم گھر رکھ کر باقی جڑانوالہ کی غلہ منڈی میں فروخت کر دی۔ اور اب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حالات روز بروز بہتر ہونے لگے گویا بعد عُسر یسراً کی صورت حال پیدا ہو گئی۔

مرکزی جمعیت اہلحدیث سے وابستگی

24 جولائی 1941ء کو حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی احمد رحمہ اللہ کی صدارت میں مغربی پاکستان کے تقریباً اڑھائی سو علماء کا اجلاس ہوا جس میں مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے قائم کرنے کا فیصلہ ہوا۔ اس اجلاس میں جن لوگوں کو ضلع لائل پور (موجودہ فیصل آباد) سے دعوت شرکت دی گئی۔ ان میں بھٹی صاحب بھی شریک تھے۔

لاہور روانگی

اکتوبر 1948ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف چک نمبر 53 گ ب میں تشریف لائے اور بھٹی صاحب سے کہا' مجھے مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی نے بھیجا ہے کہ مغربی پاکستان کے مختلف مقامات کی جماعتوں سے خط و کتابت کے ذریعے رابطہ رکھنے کیلئے مرکزی جمعیت کے دفتر میں آفس سیکرٹری کی ضرورت ہے تاکہ جماعت کے نظم و نسق کو مربوط کیا جائے' اس سے جماعت مضبوط ہوگی' تم میرے ساتھ لاہور چلو مولانا غزنوی' اس سلسلہ میں بات کریں گے۔ اس طرح تیسرے دن رات کو وہ نئی منزل کی طرف روانہ ہو گئے اور ان کا کاروان حیات نئی منزل یعنی گاؤں سے نکل کر شہر میں داخل ہو گیا۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی خدمت میں حاضری

جب بھٹی صاحب مولانا غزنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے چند سوالات کیے بھٹی صاحب نے جوابات دیئے۔ مولانا بھوجیانی بھی موجود تھے۔ جب بھٹی صاحب اجازت لے کر کمرے سے نکلے تو غزنوی صاحب نے مولانا بھوجیانی سے فرمایا' معقول نوجوان ہے' محنت سے کام کرے گا۔ اسے بطور آفس سیکرٹری رکھ لینا چاہئے' اب مولانا بھوجیانی سید صاحب کے فرمان کے مطابق بھٹی صاحب کو مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ پروفیسر عبدالقیوم کے پاس لے گئے انہوں نے فرمایا میں ایک بجے کالج سے فارغ ہو کر آپ کے پاس جمعیت کے

دفتر پہنچوں گا۔ چنانچہ وہ ایک بجے دفتر تشریف لائے۔ علیک سلیک اور خیر و عافیت پوچھنے کے بعد دفتر کی تمام اشیاء بھٹی صاحب کے حوالے کر دیں۔ اور نوے روپے تنخواہ مقرر ہوئی جو اس زمانے کے لحاظ سے بہت معقول اور مناسب تھی۔

کام کی رفتار

بھٹی صاحب چند دن گھر رہ کر واپس آئے اور باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ کام بہت محنت اور انہماک سے شروع کیا' تمام ذیلی جمعیتوں سے بذریعہ خط و کتابت رابطہ قائم کیا' سب لوگ ان کے طریق کار پر مطمئن تھے۔

مرکزی جمعیت کی پہلی کانفرنس

1949ء کے مئی کے آخر میں لاہور میں ہوئی تو اس کیلئے بھٹی صاحب نے بہت بھاگ دوڑ کی۔ کچھ مدت کے بعد جمعیت کی رکن سازی کا مرحلہ پیش آ گیا' تو اس کے انتظامات اور نشر و اشاعت کیلئے بڑی تگ و دو کی اور بھٹی صاحب نے یہ کام انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ نہایت سلیقے سے سرانجام دیا اور اس زمانے کی مختلف مقامات کی انجمنوں اور جمعیتوں سے مرکز کی طرف سے رابطہ رکھا۔ مرکزی جمعیت کے ابتدائی دور میں کام کی کثرت تھی اور جمعیت کے سربراہ بھی اونچے مرتبہ کے حامل لوگ تھے۔ جو کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اس لئے بھٹی صاحب ہمہ وقت مصروفیت میں رہ کر خوش رہتے تھے۔ اور ہمیشہ کی مصروفیت ان کی عادت ثانیہ بن گئی جو زندگی کے آخری ایام تک برقرار رہی۔

ہفتہ وار الاعتصام سے وابستگی

19 اگست 1949ء کو گوجرانوالہ سے ہفت روزہ الاعتصام جاری ہوا۔ جس کا ڈیکلریشن مولانا عطاء اللہ حنیف نے لیا تھا۔ اس کا مدیر مولانا محمد حنیف ندوی کو مقرر کیا گیا اور اخراجات کی ذمہ داری گوجرانوالہ کی انجمن اہلحدیث نے قبول کی اور اخبار لاہور سے چھپتا تھا۔ چونکہ بھٹی صاحب میں لکھنے پڑھنے کا شوق و ولولہ 1937ء میں مرکز الاسلام میں مولانا عبدالحلیم شرر کے چند ناول اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریریں پڑھنے سے پیدا ہو چکا تھا خاص کر ان کے مضمون ''قول فیصل'' جو ادب و انشاء اور معلومات کا شاہکار تھے۔ اس سے بہت متاثر ہوئے تھے اس طرح مختلف قسم کی کتابوں اور اخبارات کے مطالعہ کا چسکا بھی پیدا ہو گیا تھا تو وہ الاعتصام میں کبھی کبھار لکھنے کا شوق پورا کر لیتے تھے۔ چار پانچ ماہ گزرنے کے بعد

انہیں الاعتصام کا معاون مدیر بنا دیا گیا اس طرح فروری 1950ء سے چار دن گوجرانوالہ جانے لگے اور تین دن لاہور میں نظامت دفتر کے فرائض سرانجام دیئے۔

کام کرنے کا سلیقہ جب گوجرانوالہ اخبار کے دفتر میں گئے تو وہاں نہ خریداری کیلئے رجسٹر تھا نہ ہی اخبارات و جرائد سے تبادلوں کا نہ ان لوگوں کا جن کو اخبار اعزازی طور پر بھیجا جاتا تھا۔ بھٹی صاحب نے دن رات محنت کر کے یہ تینوں رجسٹر الگ الگ بنائے اور سب کے نام اور پتوں کا اندراج کیا اور انہیں اخبار کے ایڈیٹر ندوی صاحب' ناظم اعلیٰ سلفی صاحب اور دفتر میں کام کرنے والے قاضی عبدالرحیم کو دکھایا۔ سب نے اس خدمت کی خوب تحسین فرمائی۔ اور بھٹی صاحب خاکروب' چپڑاسی' کلرک' منیجر' نائب مدیر اور مدیر سب عہدوں پر فائز تھے۔ بقول بھٹی صاحب' فرد واحد پورے دفتر پر قابض تھا۔ اور یہ تمام کام میرے لئے نہایت خوشی کا باعث تھے' نہ میں کام سے گھبراتا تھا نہ اکتاتا تھا۔ نہ تھکاوٹ کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے کچھ سیکھنے کا لالچ تھا اور اس لالچ کا مجھ پر اتنا غلبہ تھا کہ جی چاہتا تھا میرے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی اخبار کے چھوٹے بڑے ہر کام کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دیں۔ خود کچھ نہ کریں۔ مجھے ہدایات دیتے رہیں۔ اور میں ان کی ہدایات کے مطابق کام کرتا رہوں۔

مولانا ندوی اور بھٹی صاحب مولانا ندوی صاحب نے تحریری معاملہ میں بھٹی صاحب کی بہت رہنمائی کی اور انہیں بہت کچھ سکھایا۔ ندوی صاحب کے فرمان کے مطابق سید نواب صدیق حسن' رحمہ اللہ کی کتاب ''اتحاف النبلاء'' سے متعدد محدثین وفقہاء کرام کے حالات فارسی سے اردو میں منتقل کئے مختلف اہل علم کے حالات بھی لکھنا اور چھاپنا شروع کئے۔ ادارتی شذرات بھی بنام اور بلا نام لکھے' مولانا ندوی بھٹی صاحب کا ہر چھوٹا بڑا مضمون دیکھتے اور ضروری ہدایات دیتے' اللہ تعالیٰ نے ان کو وافر علم سے نوازا تھا۔ اور الفاظ کا بے پناہ ذخیرہ عطا فرمایا تھا۔ الفاظ کے محل استعمال سے خوب آگاہی بخشی تھی اور جو شخص ان سے کچھ سیکھنا چاہتا۔ اس کے ساتھ وہ نہایت ہمدردی سے پیش آتے تھے۔

نقد و تبصرہ بھٹی صاحب الاعتصام میں اپنے مضامین اور شذرات تو لکھتے تھے لیکن

ابھی تک کسی رسالے یا کتاب پر تبصرہ نہ کیا تھا' تنقید و تبصرہ کا اپنا ایک الگ اسلوب اور انداز ہے اور یہ مستقل فن ہے جب پہلی دفعہ ایک ہندوستانی رسالہ ''الہدیٰ'' دربھنگا پر تبصرہ کرنا پڑا جو مسلک اہلحدیث کا ترجمان تھا۔ بھٹی صاحب نے بار بار تبصرہ لکھا اور پھاڑا اور آخر کار چار گھنٹوں کی محنت شاقہ سے پندرہ سولہ سطریں لکھیں اور مولانا سلفی اور مولانا ندوی کو دکھانے کے بعد انہیں چھاپا' اس طرح انہیں اس کام کا ڈھنگ اور انداز آ گیا اور قلم رواں ہو گیا۔

اہل علم و فضل اور اصحاب خطبہ و تدریس کیلئے ایک انتہائی عبرت انگیز تبصرہ مولانا مسعود عالم ندوی جو عربی زبان کے انتہائی فاضل ادیب تھے۔ اور گوجرانوالہ میں انہوں نے دارالعروبہ کے نام سے عربی پڑھانے کیلئے ایک ادارہ قائم کر رکھا تھا۔ وہ مولانا محمد حنیف ندوی کے دیرینہ دوست تھے۔ اور ظہر اور عصر کی نماز عام طور پر جامع مسجد اہلحدیث میں پڑھتے تھے۔ اور بھٹی صاحب پر بزرگانہ شفقت کا اظہار کرتے تھے' انہوں نے ایک مرتبہ اسلامی ممالک کا دورہ کیا اور اس دورے کے تاثرات ''دیارِ عرب میں'' کے نام سے شائع کئے۔ دیارِ عرب کے طویل سفر میں انہیں سب سے زیادہ پذیرائی سعودی عرب میں ملی۔ اہل علم کے علاوہ اصحاب اقتدار نے بھی انہیں احترام کا مستحق جانا۔ لیکن انہوں نے سعودی عرب اور وہاں کی حکومت کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ بھٹی صاحب نے فاضل مصنف کے حسن تحریر کا تذکرہ کیا۔ ان کی تصنیفی خدمات کو اجاگر کیا اور ان کی علمی سرگرمیوں کی تفصیل بیان کی زیر تبصرہ کتاب کے مشمولات کی وضاحت کی اس کے بعد مصنف کو بتا کر اور اجازت لے کر سعودی عرب کے بارے میں انہوں نے جو لکھا تھا۔ اس کی نشان دہی کی لیکن مولانا کے خلاف کچھ نہ لکھا نہ ان پر تنقید کی' صرف اتنا لکھا کہ جن لوگوں نے ان کی سب سے زیادہ پذیرائی کی اور ان کو احترام دیا انہوں نے انہی کو ہدف تنقید بنایا۔ محترم مصنف یہ تبصرہ پڑھ کر بہت خوش ہوئے اور تبصرہ کو صحیح قرار دیا لیکن چند دن بعد ان کا رویہ بگڑ گیا اور بے رخی اور عدم توجہی کا مظاہرہ شروع ہو گیا۔ یہ 1950ء کی بات ہے بعد میں یہ عقدہ کھلا کہ جماعت اسلامی کے دفتر اچھرہ کے کسی عہدہ دار نے انہیں بھڑکایا۔ اب بھٹی صاحب نے ایک دن نماز کے بعد حسب معمول سلام کیا اور انہوں نے بے دلی سے جواب دیا۔ تو بھٹی صاحب نے آگے بڑھ کر ادب سے

عرض کیا مجھے مصنفوں اور مقالہ نگاروں کی نفسیات کا علم نہیں۔ لیکن میرے خیال میں کتاب جب چھپ کر قاری تک پہنچ جاتی ہے تو اس کے متعلق قاری کو اپنی رائے ظاہر کرنے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اگر خود مصنف کسی کو تبصرے کیلئے کتاب دے تو تبصرہ نگار کو اس پر مصنف کی طرف سے اظہار رائے کی باقاعدہ سند مل جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ اگر مصنف کسی پر تنقید اور اظہار رائے کا حق رکھتا ہے تو اسے بھی اپنی کسی تحریر اور تحقیق پر کسی اور کی طرف سے اظہار رائے کا خوش دلی سے سامنا کرنا چاہئے۔ یہ تو انصاف نہیں کہ مصنف خود تو جس پر جی چاہے اور جس انداز سے چاہے تنقید کرے لیکن کسی سلسلے پر اس کے متعلق کچھ کہا جائے تو خفگی کا اظہار کرنے لگے۔ یہ لینے اور دینے کے دو پیمانے آخر کیوں؟۔ مصنف کو کمزور دل نہیں ہونا چاہئے۔ اس میں قوت برداشت ہونی چاہئے۔

لیکن آج کا سکہ رائج الوقت یہ دوہرا معیار ہی ہے ہر کوئی دوسرے پر نقد و تبصرہ کرتا ہے لیکن اپنے اندر قوت برداشت نہیں رکھتا۔ اس پر مولانا ندوی مسکرائے اور بھٹی صاحب سے بغل گیر ہوئے۔ اور اعتراف حقیقت کرتے ہوئے فرمایا۔ تم نے بالکل ٹھیک بات کی' پھر پہلے والا رویہ بحال ہو گیا۔

الاعتصام کی توسیع اشاعت کے سلسلہ میں تگ ودو جون 1950 میں مولانا سلفی اور مولانا ندوی کے حکم پر الاعتصام کی اشاعت کی توسیع کیلئے جنوبی پنجاب کے مختلف علاقوں کی موثر شخصیات سے جون کے مہینے کی شدید گرمی کے موسم میں رابطے کیے اور کئی سو سالانہ خریدار بنائے اور یہ اس دور کی بات ہے جب سڑکوں کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ بلکہ تصور بھی نہ تھا۔ اس وقت کچے راستوں پر پیدل چلنا پڑتا تھا۔ پھر جنوبی پنجاب کے علاقوں کے علاوہ بہت سے دوسرے شہروں کا بھی سفر کیا اور حسن نیت اور اخلاص کی دولت کے باعث جہاں بھی گئے اللہ تعالی نے کامیابی سے نوازا۔

نائب مدیر سے مدیر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم نے حکومت کی اعانت سے لاہور میں کلب روڈ پر ادارہ ثقافت اسلامیہ کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا تھا 15 مئی 1951ء کو مولانا محمد

حنیف ندوی ریسرچ فیلو کی حیثیت سے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے وابستہ ہو گئے' تو ادارے سے وابستگی کے بعد وہ کچھ عرصہ تک الاعتصام کے مدیر بھی رہے نیز الاعتصام کا ڈیکلیریشن بھی گوجرانوالہ سے ختم کر کے لاہور کا لے لیا گیا تھا اور بھٹی صاحب کو اس کا مدیر بنا دیا گیا۔ اس طرح ان کی خدمات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور ذمہ داریاں بڑھ گئیں مضامین'' کیلئے اہل علم سے رابطہ رکھنا اشاعت کیلئے اخبار کی پالیسی کے مطابق ان میں ردوبدل کرنا' اور زبان کی تصحیح کرنا' اداریہ لکھنا ادارتی شذرات لکھنا' کتابوں پر تبصرے کرنا' سیاسی نقطہ نظر سے جماعت کی پالیسی کی وضاحت کرنا اپنے مسلک کی اشاعت کیلئے کوشاں رہنا اور کسی سلسلے میں دوسروں سے اختلاف یا اتفاق کے دائرے کا تعین کرنا اور قلم کو ان حدود کے اندر رکھنا یہ سب انتہائی اہم امور تھے۔ جن کو بھٹی صاحب کو پیش نگاہ رکھنا پڑتا تھا۔ یہ سب کام بھٹی صاحب اکیلے سرانجام دیتے تھے۔ ان فرائض کی ادائیگی میں کوئی ان کا معاون نہ تھا۔ کام کی کثرت کے باوجود وہ یہ سب امور انتہائی مسرت سے سرانجام دیتے تھے۔ پندرہ سال سے کچھ زیادہ عرصہ وہ الاعتصام کے مدیر رہے۔ اس عرصہ میں ہر فقہی ہر مسلک اور ہر نقطہ نظر کے اصحاب علم سے میل جول کے مواقع میسر آئے اور بہت سے لوگوں سے مسلکی اور سیاسی بحثیں ہوئیں لیکن بحث وتمحیص میں انہوں نے کبھی راہ اعتدال کو نہیں چھوڑا' ذہن وفکر کا رجحان ہمیشہ ایسا رہا کہ جس سے بھی بحث ہوئی اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھا۔ اور اسے عالم ثابت کرنے کی کوشش کی' کیونکہ جن لوگوں سے انہوں نے تربیت لی تھی یعنی مولانا عطاء اللہ حنیف' مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا سید داؤد غزنوی' مولانا سلفی رحمہ اللہ اجمعین یہ حضرات جب کسی کے متعلق اظہار رائے کرتے تو اس کے مقام ومرتبہ کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے لیکن آج عجیب دور آ گیا ہے کہ رسائل وجرائد اور اخبارات اور زبانی بیانوں میں نہ سیاست دان اپنے سے اختلاف کرنے والوں کا احترام کرتے ہیں اور نہ ہی مجموعی طور پر دینی اور مذہبی علماء کرام اسے کوئی اہمیت دیتے ہیں۔ زبان اور قلم کا انتہائی بے رحمی اور بے دردی سے استعمال کرتے ہیں۔

الاعتصام کے خصوصی نمبر

بھٹی صاحب کے زمانہ ادارت میں الاعتصام کے کئی خاص نمبر چھپے جن میں ایک حجیت حدیث نمبر ہے جو بڑے سائز کے ایک سو صفحات پر مشتمل تھا' حجیت

حدیث نہایت نازک اور اہم موضوع ہے یہ بھی بھٹی صاحب نے ترتیب دیا۔ بہت سے اصحاب سے مضامین لیے اور ہر مضمون کے آغاز پر فاضل مضمون نگار کا تعارف کروایا یہ نمبر فروری 1956ء میں شائع ہوا۔ اس کے چودہ ماہ بعد مئی 1957 میں 1957ء کی جنگ آزادی کی مناسبت سے ''1957ء نمبر'' شائع کیا جو خاصہ ضخیم تھا۔ جو برصغیر کے متعدد اہل علم کے مضامین پر محیط تھا۔ اور اکیلے بھٹی صاحب نے مرتب کیا تھا جس کی اخبارات میں بہت تحسین کی گئی تھی۔

الاعتصام سے علیحدگی دسمبر 1949ء تا 1963ء تک بھٹی صاحب کا واسطہ حضرت سید غزنوی کے ساتھ رہا۔ 16 دسمبر 1965ء کو ان کا انتقال ہو گیا تو حالات بدل گئے۔ اور بھٹی صاحب کے اخبار کی انتظامیہ سے حالات کشیدہ ہو گئے۔ آہستہ آہستہ حالات شدت اختیار کرتے گئے تو بھٹی صاحب نے 3 مئی 1965ء کو الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا۔ مجموعی طور پر وہ تقریباً سترہ سال الاعتصام سے منسلک رہے چونکہ انہوں نے الاعتصام کے ابتدائی دور سے لے کر اپنے زمانہ ادارت کے اختتام تک اس کیلئے بڑی تگ و دو کی تھی۔ اس لئے مستعفی ہونے کے بعد بھی یہ اخبار ان کے دل کی گہرائیوں میں راسخ رہا۔ کیونکہ ان کے بقول انہوں نے اسی اخبار میں قلم پکڑنا سیکھا اور یہ ان کی اولین درسگاہ تھا۔ اس لئے وہ اس کو اپنا بڑا محسن سمجھتے تھے۔ اب تو یہ اخبار ان کے محسن استاد مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے لخت جگر حافظ احمد شاکر حفظہ اللہ کی ادارت میں آ چکا ہے۔ اور وہی اس کے مالک ہیں۔ اس لئے بھٹی صاحب اس کی مجلس ادارت کے اہم رکن تھے......

سہ روزہ منہاج جنوری 1958ء میں چند دوستوں کے ساتھ مل کر بھٹی صاحب نے سہ روزہ منہاج کا تجربہ کیا جو کامیاب نہ ہو سکا۔ اور اپریل 1959ء کو وہ بند ہو گیا اتنا عرصہ وہ الاعتصام کی ادارت سے علیحدہ رہے اور پھر واپس آ گئے۔

جولائی 1965ء میں الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ کے بعد بھٹی صاحب نے مولانا سید داؤد غزنوی کے گرامی قدر صاحبزادہ پروفیسر سید ابوبکر غزنوی کے ساتھ مل کر لاہور سے ہفت روزہ توحید جاری کیا' لیکن ڈھائی ماہ کے دوران ہی حالات نے ایسا رخ اختیار کیا کہ ستمبر

1965ء کو انہوں نے اس اخبار سے علیحدگی اختیار کر لی۔ ادارت کے دوران بھٹی صاحب کئی سال تک روزنامہ ''امروز'' میں مضمون نویسی اور کالم نگاری کرتے رہے اسی طرح مجیب الرحمٰن شامی کے زیر ادارت شائع ہونے والے ماہنامہ ''قومی ڈائجسٹ'' میں ایک عرصہ تک شخصیات پر لکھتے رہے اور کچھ عرصہ روزنامہ پاکستان میں بھی لکھتے رہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے انسلاک

20 اکتوبر 1965ء کو مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا محمد رئیس احمد اور اسماعیل ضیاء بھٹی صاحب کے گھر آئے لیکن وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کے چھوٹے بھائی سعید احمد جو ایک اسکول کے طالب علم تھے گھر پر موجود اور ان کی دوسری اہلیہ جو ان کے سگے ماموں میاں عبدالغنی کی صاحبزادی تھی چند دن کیلئے گاؤں گئی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ حضرات گھر پر نہیں ٹھہرے کھڑے کھڑے یہ کہہ کر چلے گئے کہ کل سے آپ کے بھائی ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ملازم ہو گئے ہیں۔ ان سے کہیں کہ کل نو بجے صبح آپ رئیس احمد جعفری سے ان کے گھر مل لیں۔ اس طرح بغیر ان کی رغبت و چاہت اور بلا کسی درخواست کے گھر پر بیٹھے بیٹھے 21 اکتوبر 1965ء سے ادارہ کے ریسرچ فیلو بن گئے۔ یہ ایوب خاں کا دور حکومت تھا۔ وزیر قانون ایس ایم ظفر تھے اور اس نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ماتحت ایک لیگل کمیٹی بنائی تھی جس کا مقصد قانونی نوعیت کے بعض اسلامی مسائل پر غور کرنا تھا۔ اور جس کے چیئرمین شاہ محمد جعفر پھلواری تھے۔ اور دو ارکان اور تھے۔ اور ادارہ کے اکیڈمک ڈائریکٹر میاں محمد شریف تھے۔ جو ایک طویل عرصہ تک علی گڑھ یونیورسٹی میں فلسفے کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے تھے۔ انہوں نے بھٹی صاحب سے کہا ہمیں لیگل کمیٹی کیلئے ایک رکن کی ضرورت تھی۔ میں نے اس کا تذکرہ اپنے رفقائے کار مولانا محمد حنیف ندوی' شاہ محمد جعفر پھلواری اور رئیس احمد جعفری سے کیا تو ان سب نے آپ کا نام لیا۔ آپ میری گذارش قبول فرمائیں۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ چونکہ یہ علمی کام تھا اور بھٹی صاحب کے ذوق کے مطابق تھا۔ اس لئے انہوں نے شوق سے قبول کر لیا۔ تو میاں صاحب نے شکریہ کے ساتھ دفتر کے ہیڈ کلرک کو بلا کر پروانہ تقرری دے دیا۔ اس طرح 21 اکتوبر 1965ء کو ادارہ میں ان کی تقرری ہوئی۔ لیگل کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے انہیں

بہت فائدہ پہنچا۔ لائبریری اس وقت تقریباً چودہ ہزار کتابوں پر مشتمل تھی تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ ادبیات اور لغت وغیرہ کی تمام کتب موجود تھیں۔ بھٹی صاحب نے تمام سے استفادہ کیا اور انہیں لائبریری سے اس قدر تعلق اور انس پیدا ہوگیا۔ کہ اتنی کتابوں میں سے کوئی ریکارڈ دیکھے بغیر اپنی ضرورت کی کتاب الماری سے نکال دیتے اور دوسرے ساتھیوں کو بھی اس تعلق اور انس کا علم تھا۔ اس لئے ادارے کے نئے ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام جس نے لیگل کمیٹی ختم کر دی تھی۔ اور دونوں بیرسٹروں کو جواب دے دیا، اور مولانا محمد حنیف ندوی رئیس احمد جعفری، شاہ محمد جعفر پھلواری اپنی دلچسپی کے موضوع کی کتاب لانے کا بھٹی صاحب کو کہتے۔ اور وہ نہ صرف متعلقہ کتاب بڑی مسرت سے لا کر دیتے بلکہ موضوع کی اصل عبارت بھی نکال کر دیتے۔ ظاہر ہے اس سے انہیں فائدہ پہنچتا اور ان کی معلومات میں اضافہ ہوتا۔ اس طرح ان کی علمیت کے جواہر حقیقت میں یہیں آ کر کھلے اور ان کے اشہب نے خوب چوکڑیاں بھریں۔ اور ان کے عطر بیز قلم سے بے شمار کتابیں نکلیں، آغاز الفہرست ابن ندیم کے ترجمہ اور علمی حواشی اور تعلیقات سے ہوا۔

مجلہ ثقافت سے المعارف تک

بھٹی صاحب جب ادارے سے وابستہ ہوئے اس وقت (اکتوبر 1965ء) اس کا مجلہ ثقافت کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ جس کے ایڈیٹر رئیس احمد جعفری تھے۔ 1967ء میں اس کا نام ادارے کے ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام کی تجویز سے المعارف رکھا گیا اس کے مختلف ایڈیٹر رہے۔ پھر بھٹی صاحب کو اس کا ایڈیٹر بنا دیا گیا اور ایڈیٹری کی مدت بائیس سال پر مشتمل ہے وہ پہلے ثقافت اور المعارف میں مضمون لکھتے رہے اور اب مضامین کے ساتھ اداریہ، کتابوں پر تبصرہ اور ایک حدیث کے عنوان سے ہر ماہ ایک مضمون باقاعدگی سے لکھنا شروع کر دیا۔ اس طرح المعارف میں چھپنے والے خالص تحقیقی مقالات کم از کم تین ہزار صفحات پر مشتمل ہوں گے۔

المعارف جنوری 1968ء کو جاری ہوا۔ اور اس کا پہلا شمارہ بیس سالہ نمبر تھا۔ کیونکہ پاکستان کو بنے ہوئے بیس سال ہو گئے۔ اس کیلئے مضامین جمع کرنا، مقالہ نگاروں سے رابطہ کرنا، اور اس شمارے کو مرتب کرنے کی ذمہ داری بھٹی صاحب کے سپرد تھی جو اس بات کی بین دلیل ہے

کہ ڈائریکٹر شیخ محمد اکرام اور دوسرے احباب کو آپ کی صلاحیتوں اور قوت کار پر مکمل اعتماد تھا اور بھٹی صاحب نے یہ شمارہ نہایت محنت سے مرتب کیا اور محنت کرنا ان کی عادت ثانیہ تھی۔

اس کے علاوہ پانچ کتابوں کی ایڈیٹنگ کی جو ادارہ کی طرف سے شائع ہوئیں سب کے شروع میں وقیع مقدمات تحریر کئے اور بھٹی صاحب کے دور میں ادارہ کے چھ ڈائریکٹر بنے اور آپ نے سب کے دور میں بطور ریسرچ فیلو تصنیفی خدمات سرانجام دیں اور ان سب کے ساتھ ان کے تعلقات نہایت خوش گوار رہے۔ اس طرح ادارے میں جن سکالروں اور مصنفوں کے ساتھ تصنیفی خدمات سرانجام دیتے رہے سب کے ساتھ اچھے مراسم رہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے علیحدگی ادارہ؛ میں بھٹی صاحب نے بہت سے علمی اور تحقیقی کام کرتے ہوئے تیس سال ادارے میں رہے اور آخر کار 16 مارچ 1996ء کو ادارے سے علیحدگی اختیار کر لی۔

ادارہ سے علیحدگی کے بعد بھی اللہ کے فضل و کرم سے بھٹی صاحب کا سیال قلم بڑھاپے کے باوجود جواں سال رہا۔ اور انہوں نے بے شمار تحریری کام کئے جس کی تفصیل ہمارے نوجوان فاضل دوست مولانا فاروق الرحمان یزدانی حفظہ اللہ لکھ رہے ہیں۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ملازمت کے دوران مختلف روزناموں اور ماہناموں میں لکھتے رہے 1978ء سیرت کمیٹی بنائی گئی تو اس کا رکن بھی انہیں بنایا گیا سیرت کے طریق تعلیم کے لیے ہر رکن کو اپنی تحریری رپورٹ پیش کرنی تھی۔ بھٹی صاحب نے اپنی تفصیلی رپورٹ مقررہ مدت کے اندر کمیٹی کے صدر ڈاکٹر سید عبداللہ کو پیش کر دی۔ تو کمیٹی کے صدر نے کمیٹی کے اجلاس میں اس کا خصوصی طور پر تذکرہ کیا اور انتہائی تعریفی کلمات کہے جو بھٹی صاحب کیلئے انتہائی حوصلہ افزا تھے۔

اس طرح اسی دوران 88-1987ء میں گیارہ ماہ ہفتہ روزہ اہلحدیث کی ادارت کا فریضہ سرانجام دیا اور اخبار کا اڑھائی سو صفحات کا حرمین شریفین نمبر ''ترتیب دیا جو متعدد مشہور اہل قلم کے مضامین کا ایسا تحقیقی اور تاریخی دستاویز پر مبنی مجموعہ ہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریریں ریڈیو پاکستان پر پہلی تقریر یکم رمضان 1385ھ

بمطابق 25 دسمبر 1960ء کو ہوئی سحری کے پروگرام کے تین منٹ کے دورانیہ میں جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ اس کے بعد ریڈیوں کی تقریروں کا طویل سلسلہ چلا ایک ایک دن میں تین تین تقریریں ہوئیں کبھی پنجابی کی سوہنی دھرتی کا پروگرام' کبھی صراط مستقیم' کبھی آیات بینات' کبھی فوجی بھائیوں کا پروگرام کبھی کتابوں پر تبصرے' کبھی کسی صحابی رسولؐ کے حالات' کبھی کسی مذاکرے میں شمولیت' ان تقریروں کا سلسلہ 1997 کے آخر تک جاری رہا۔ اس کے بعد بھٹی صاحب نے معذرت کرلی۔

ریڈیو پروگرام کے بارے میں تین باتیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ (1) ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان لاہور کی طرف سے ہفتہ حدیث منایا گیا اس کیلئے ارباب انتظام نے مختلف سات موضوعات کا انتخاب کیا اور اس کیلئے سات مقرر منتخب کئے گئے۔ ہر تقریر کا دورانیہ 35 منٹ تھا بھٹی کا موضوع حدیث اور اسماء الرجال تھا۔ بھٹی صاحب نے کہا میں اپنی بات 35 منٹ میں مکمل نہیں کرسکتا تو پروڈیوسر نے کہا کہ آپ زیادہ وقت لے لیں تو بھٹی صاحب نے ایک گھنٹہ تقریر کی جو متعدد بار ریڈیو سے نشر ہوتی رہی۔ (2) ایک مرتبہ ربیع الاول کے مہینہ میں ریڈیو پاکستان کی فرمائش پر علامہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تصنیف رحمۃ اللعالمین کی تین جلدوں کی تلخیص پندرہ دنوں میں پیش کی ہر روز کا دورانیہ پندرہ منٹ تھا۔ پھر یہ تلخیص ربیع الاول کے مہینہ میں کئی سال نشر ہوتی رہی۔ پھر کچھ عرصہ اس طرح کی تلخیص ریڈیو کے پروگرام میں پنجابی زبان میں بیان کی۔

(3) ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان سے ''زندہ تابندہ'' کے عنوان سے ایک پروگرام شروع ہوا جس میں فوت شدہ اہل علم کے علمی' عملی' تدریسی اور تصنیفی کارنامے بیان کئے جاتے۔ جن کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے ریڈیو کے اصحاب انتظام نے کہا۔ آپ اس عنوان پر ہر ماہ پندرہ تقریر کیا کریں۔ انہوں نے اپنی تصنیفی مصروفیات کی وجہ سے اس سے معذرت کی۔ ریڈیو والوں کے اصرار پر یہ سلسلہ شروع کیا اور ریڈیو پر 45 علمائے کرام پر تقریریں کیں۔ جن کا تعلق برصغیر کے علمائے اہلحدیث سے تھا۔ ریڈیو پر دیوبندی' بریلوی' شیعہ اہل علم کے کوائف حیات تو بیان

ہوتے تھے لیکن اہلحدیث اہل علم کا اس کثرت تذکرہ سے پہلی دفعہ ہوا۔
ٹیلی ویژن پر پہلا پروگرام ؛۔ 27 جولائی 1973ء میں ہوا اور یہ بصیرت کے نام سے تھا جس کا دورانیہ پانچ منٹ تھا۔ اس کے بعد مختلف موضوعات پر بہت سے پروگرام کیے بھٹی صاحب نے اپنی تحریروں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں ہمیشہ اپنے مسلک کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اور کبھی بھی مداہنت سے کام لیتے ہوئے لچک نہیں دکھائی' اور پوری جرات وبسالت سے اپنے اہلحدیث ہونے کا تذکرہ کیا بھٹی صاحب نے اپنی تحریری خدمات کی تلخیص کرتے ہوئے لکھا۔ (1) تصانیف وتراجم (2) اخباری مضامین ومقالات (3) اخباری اداریے اور شذرات (4) بے شمار کتابوں پر تبصرہ' (5) بہت سی کتابوں پر مقدمات (6) ریڈیو اور ٹی وی' پر تقریریں

تصنیف وتالیف اور اخبارات وجرائد کے مضامین ومقالات کے علاوہ بے شمار طلبہ اور طالبات کو ایم۔ اے۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالات لکھنے میں مدد دی۔ بھٹی صاحب نے اپنے ساٹھ سال سے زائد عرصہ سے قلم وقرطاس کے شعبے سے تعلق کا خلاصہ یوں بیان کیا ہے۔ میں نے پندرہ سال ہفتہ روزہ الاعتصام پر خدمت ادارت سرانجام دی۔ بتیس سال ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیف وتالیف میں مصروف رہا۔ متعدد جماعتی اور غیر جماعتی رسائل وجرائد میں لکھا۔ طویل عرصے تک اپنے دور کے مشہور اخبار روزنامہ امروز میں کالم نگاری اور مضمون نویسی کی لیکن اس طویل مدت میں ایک لفظ بھی میں نے کسی اہل حدیث عالم یا مصنف کے خلاف نہیں لکھا کبھی کسی صاحب علم اہل حدیث پر تنقید نہیں کی۔ میرے قلم کی تربیت اور طرز نگارش کی پرورش اللہ کے فضل سے ایسے ماحول میں ہوئی ہے کہ اپنی جماعت کے کسی عالم اور مصنف کی مخالفت وتنقید کے مکروہ فعل میں نہ کبھی ملوث ہوا۔ اور نہ ان شاء اللہ ہوگا۔ بعض اوقات البتہ لطیفے ہو جاتے ہیں اور لطیفہ بیانی ہر صاحب ذوق کی ذہنی غذا ہے لطیفے کو لطیفہ ہی سمجھنا چاہیے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کسی غیر اہلحدیث نے میرے مسلک' میری جماعت یا میری جماعت کے کسی عالم کو ہدف تنقید ٹھہرایا یا کسی اسلوب پر نشانہ طنز کیا تو میں نے اسے ہرگز معاف نہیں کیا ایسے موقع پر خاموش رہنا میری ذہنی افتاد اور میرے قلم کی فطرت کے خلاف ہے۔ لیکن یہاں بھی میں نے اپنے مخاطب کا پورا احترام کیا

اور اس کے علم و تحقیق کے ہر پہلو کو ملحوظ رکھا“۔

بھٹی صاحب نے ہمیشہ اپنے لکھنے پڑھنے کے مشاغل کو ہر کام پر ترجیح دی۔ ایک مرتبہ ان سے پوچھے بغیر ہائی کورٹ کے ایک دوست جج نے ان کا نام عدالت کے مشیر کے طور پر لکھا اور اس کی تقرری کی اطلاع ان تک پہنچ گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد جج صاحب کا ٹیلیفون بھی آ گیا۔ بھٹی صاحب نے اس کی کرم نوازی پر شکریہ ادا کیا اور کہا میں تصنیف و تالیف کے کاموں میں مصروف ہوں اور وہ کسی اور کام کی طرف توجہ نہیں ہونے دیتے انہوں نے سمجھانے کی بہت کوشش کی۔ اور یہ بھی کہا یہ آمدنی کا ایک ذریعہ ہے لیکن بھٹی صاحب نے متعلقہ دفتر میں شکریہ کا خط لکھ کر معذرت کر لی۔ اس طرح ایک دفعہ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور بھٹو دور کے وفاقی وزیر مولانا کوثر نیازی مرحوم جو بھٹی صاحب کے دیرینہ دوست تھے۔ نے اس کی رکنیت قبول کرنے کیلئے ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ان کے دفتر میں آ کر اصرار کیا۔ تو بھٹی صاحب نے جواب دیا میں آپ کا شکر گزار ہوں لیکن یہ خدمت میرے اصل کام میں رکاوٹ کا باعث ہوگی مجھے دینی کام کرنا چاہئے جو میں کر رہا ہوں علاوہ ازیں نظریاتی کونسل کے کاروبار سے مجھے زیادہ اتفاق ہی نہیں۔ وہ یہ سن کر مسکرائے اور خاموش ہو گئے۔

ذوق مطالعہ بھٹی صاحب کو مطالعہ کا شوق زندگی کے ابتدائی دور سے ہی ہو گیا تھا۔ اور یہ شوق دن بدن ترقی کرتا گیا۔ وہ 1948ء میں جب لاہور آئے تو ان کی تنخواہ 90 روپے تھی۔ وہ سستا زمانہ تھا اور کتابوں کی قیمتیں بہت کم تھیں کسی کی چار آنے کسی کی آٹھ آنے زیادہ سے زیادہ روپیہ ڈیڑھ روپیہ۔ بھٹی صاحب ہر ماہ پانچ چھ روپے کی کتابیں خریدتے جن کی تعداد پندرہ سولہ تک پہنچ جاتی۔ پھر جب تنخواہ ایک سو پچیس روپے ہوئی تو دس بارہ روپے کی ماہانہ خریداری ہونے لگی کبھی پندرہ بیس کی بھی ہو جاتی ۔تبصرے کے لئے آنے والی کتابیں بھی ملتیں۔ پھر جیسے جیسے تنخواہ بڑھتی گئی کتابوں کی خریداری بھی بڑھتی گئی اور یہ سلسلہ زندگی کے آخر تک رہا۔ بعض دفعہ 6 ہزار تک کی خریداری کی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ مختلف بڑی لائبریریوں سے استفادہ جاری رہا۔ جب تک ادارہ ثقافت اسلامیہ رہے اس کی کتابوں سے بھرپور فائدہ اٹھاتے رہے۔ جب وہاں سے الگ ہو گئے تو پنجاب یونیورسٹی لائبریری جانے لگے اور وہاں کے عملے کے تمام ارکان

سے دوستانہ مراسم قائم ہو گئے۔ اس لائبریری میں کئی لاکھ مطبوعہ اور تیس پینتیس ہزار غیر مطبوعہ کتب موجود ہیں دوسری لائبریری جہاں ان کی آمد و رفت رہی۔ وہ پنجاب لائبریری ہے۔ یہاں بعض ایسی قلمی کتب ہیں جو پنجاب یونیورسٹی میں نہ تھیں۔

تیسری لائبریری دیال سنگھ لائبریری ہے جہاں ان کا آنا جانا رہا۔ اور جہاں انہیں متعدد حوالے کی کتابوں کے مطالعہ کا موقع ملا۔ چوتھی لائبریری' عجائب گھر کی ہے۔ جہاں لاہور کے دو مشہور سکالروں اور ممتاز مصنفوں کی لائبریریاں منتقل ہوئیں ہیں مولانا غلام رسول مہر اور ڈاکٹر خواجہ عبدالرشید اس سے بھی انہوں نے فائدہ اٹھایا۔

پانچویں لائبریری جو حضرت مولانا عطاء اللہ حیف بھوجیانی کی لائبریری ہے جو دارالدعوۃ السّلفیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اور شیش محل چوک روڈ لاہور پر واقع ہے بعض نے اس کو مولانا عطاء اللہ حنیف لائبریری کا نام دیا ہے جہاں بھٹی صاحب کو ہر کتاب ہر وقت مل سکتی تھی۔ اس میں پرانے ماہانہ اور ہفت روزہ رسائل بھی موجود ہیں جو کم و بیش بیس ہزار صفحات علمی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

چھٹی لائبریری جناب محمد عالم مختار حق کی انفرادی لائبریری ہے ان سے بھی اپنی ضرورت کی کتاب جب چاہتے ٹیلی فون کر کے منگوا لیتے۔ عالم صاحب خود کتاب بھجوا دیتے یا خود ہی لے کر حاضر ہو جاتے۔ اگر بھٹی صاحب ان کی لائبریری میں جانا چاہتے تو وہ لینے کیلئے اپنی گاڑی بھجوا دیتے۔

ساتویں لائبریری محترم و مکرم پروفیسر عبدالجبار شاکر کی بیت الحکمت ہے جو بہت بڑی لائبریری ہے جو عربی' فارسی' اردو' انگریزی اور دیگر متعدد زبانوں کی ایک لاکھ سے زیادہ مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب پر مشتمل ہے۔ اس سے بھی بوقت ضرورت استفادہ کیا۔ اسی طرح گوجرانوالہ میں جناب ضیاء اللہ کھوکھر صاحب کی لائبریری لاکھوں کتب اور رسائل و جرائد کا احاطہ کیے ہوئے۔ ان سے بھی بوقت ضرورت منگوائیں اور آپ نے اپنی ضرورت کے مطابق تقریباً تین ہزار کتابیں جمع کیں۔ ان انتہائی وقیع اور متنوع لائبریریوں سے استفادہ کرنے کی وجہ سے ان کا مطالعہ غیر

معمولی طور پر وسیع اور متنوع تھا۔ عربی فارسی' اردو اور پنجابی کے اشعار' محاورے' ضرب الامثال اور کہاوتیں یاد تھیں اور ان سے فائدہ اٹھاتے اور ان کے پاس جو کتب' رسائل و جرائد اور اخبارات تھے روز نامے' سہ روزہ' ہفتہ وار' سہ ماہی' شش ماہی اور سالانہ سب کا مطالعہ کرتے اور واقف کاروں کو بھی مطالعہ کرنے کا شوق دلاتے اسی طرح بھٹی صاحب نے پڑھا' خوب پڑھا اور متنوع اور گوناں گوں پڑھا۔

دعوت دین اور اس کا انداز و اسلوب بھٹی صاحب نے اپنی ملازمت کے آغاز کے ساتھ 1944ء میں خطبہ جمعہ اور نماز فجر کے بعد درس قرآن شروع کیا تھا۔ اور اس کا انداز مثبت تھا۔ کیونکہ ان کے بقول ''میری تربیت جن علماء کرام میں ہوئی نہایت اونچی شخصیات اور بے حد معتدل مزاج تھے۔ اور اپنی بات مثبت انداز میں کرتے تھے۔ منفی نقطہ نظر سے کوسوں دور تھے۔ ان میں سے کسی نے کفر و شرک' اور بے دینی کے فتویٰ جاری نہیں کیے وہ لوگوں کو مسلمان بنانے کے خواہاں تھے اور اس کیلئے کوشاں رہتے تھے۔ ان میں سے کسی نے نہ الحاد کی دکان لگائی نہ کفر کی' نہ کفر کی تقسیم کیلئے کوشاں ہوئے۔ نہ لوگوں کو مشرک بنانے کا دھندہ کیا' نہ کسی کو جنت سے نکالنے اور جہنم میں داخل کرنے کی کوشش کی''۔

تقسیم ہندوستان کے بعد پاکستان کے قیام کے شروع میں ہجرت کر کے چک نمبر 53 گ ب میں آ بسے تو یہاں بھی خطبہ جمعہ اور درس قرآن مجید شروع کر دیا۔ جب یہ لاہور آئے تو پھر کچھ عرصہ مسجد دار السلام باغ جناح میں مستقل خطبہ دیا۔ پھر گاہے بگاہے خطبہ دیتے رہے۔

سحر خیزی اور تلاوت قرآن:۔ بھٹی صاحب کے دادا نے ان کی اپنی تربیت اپنی نگرانی میں انتہائی اخلاص اور پورے اہتمام سے کی تھی۔ وہ انہیں نماز فجر سے پہلے جگا دیتے اور انہیں اپنے ساتھ لے جاتے اور اس طرح یہ ان کا مستقل معمول بن گیا کہ گرمی ہو یا سردی' سفر ہو یا حضر کیسی بھی حالت اور کیسا بھی موسم ہو وہ بالعموم فجر کی اذان سے پہلے اٹھتے' پھر دو چار رکعتیں پڑھنے کے بعد قرآن مجید کا آدھا پارہ بالالتزام پڑھتے۔ اگر کسی وجہ سے نہ پڑھ سکتے تو اندیشہ رہتا کہ معلوم نہیں دن کیسا گزرے گا۔

پھر دن کو جب بھی موقعہ ملتا تلاوت کر لیتے۔ تاہم وہ اطمینان قلب نہ مل سکتا جو نماز فجر سے پہلے تلاوت کرنے سے ملتا اس طرح انہیں قرآن سے انتہائی انس پیدا ہو گیا۔ اورانہوں نے بہت سے مرد اور عورتوں کو ترجمہ قرآن پڑھایا۔

صلہ رحمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے من احب ان یبسط له فی رزقه وان ینساله فی اثره فیلصل رحمه......

بھٹی صاحب اس کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ انہوں نے واقعی صلہ رحمی کا صحیح حق ادا کیا حتیٰ المقدور سب بھائیوں اور بہنوں کا خیال رکھا۔ ان کی تعلیم وتربیت اور کاروبار یا ملازمت کا انتظام کیا۔ اور اپنی دولت وثروت کو ان پر نچھاور کیا۔ ان کی والدہ سے یہ دو بھائی اور دو بہنیں تھیں۔ سب سے بڑے بھٹی صاحب تھے اور سب سے چھوٹے محمد حسین صاحب تھے۔ اس بھائی کی تعلیم کا بھی انتظام اور کاروبار کیلئے معقول رقم دی۔

27 اگست 2007ء کو فوت ہوا تو اس پر بہت رنجیدہ ہوئے۔ اور زندگی کے آخر تک اس کے اثرات ان کے قلب وذہن سے محو نہ ہو سکے۔ اس کی وفات پر الاعتصام کے دو شماروں میں طویل مضمون لکھا۔ پھر اس کے بیٹے سلطان ناصر محمود کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔ لیکن وہ بھی ان کی زندگی میں زندگی کی بازی ہار گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی دونوں بہنیں بھی ان کی زندگی میں وفات پا گئیں۔ دوسری والدہ جو ان کی حقیقی خالہ ہیں اس کے چار بیٹے اور ایک بیٹی ہے' طارق محمود اس کو بھی میٹرک کے بعد اپنے پاس لے آئے۔ B.A کے بعد ان کے ایک دوست نے جو واپڈا کے ایک شعبہ کے ڈائریکٹر تھے اسے کلرک بھرتی کروا دیا اب وہ اپنے شعبے کا سپرنٹنڈنٹ ہے دوسرا محمد حنیف' تیسرا محمد سعید ہے جس کو چار سال کی عمر میں ہی اپنے پاس لے آئے تھے میٹرک کے بعد اس کو بھی

کاروبار کروایا۔ اور چوتھا سب سے چھوٹا حکیم محمود ہے اور جڑانوالہ میں اپنی حکمت کا دواخانہ چلاتا ہے اللہ کے فضل سے یہ سب زندہ ہیں

بھٹی صاحب عزیز و اقارب کی غمی خوشی میں شریک رہے‘ وفات شدگان کی نماز جنازہ میں حتی الوسع شرکت کی۔ سب پر احسان تو کیا لیکن کسی کے احسان مند نہیں ہوئے اس صلہ رحمی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے طویل زندگی دی اور آخر تک اپنی علمی مصروفیات میں مگن رہے اور اپنے کام سے جنون کی حد تک وابستہ رہے۔

خودداری اور غیرت

آپ انتہائی خوددار اور باغیرت انسان تھے۔ اپنے کام سے کام رکھا کسی کی چاپلوسی نہیں کی نہ کسی کے رعب دبدبے کو برداشت کیا کسی نے دھونس جمانے کی کوشش کی تو اسے قبول نہیں کیا اس کی خاطر ملازمت سے الگ ہونا پڑا تو بلا پس و پیش الگ ہو گئے۔ اور ضرورت و حاجت کے وقت بھی کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کیا حتی کہ اپنے بھائیوں سے بھی کبھی ادھار بھی نہیں مانگا۔ ان کو دیا ضرور لیکن کسی صورت میں لیا نہیں‘ گویا وہ ایک سایہ دار شجر تھے جو خود دھوپ جھیل کر دوسروں کو سایہ فراہم کرتا ہے۔ تحمل و برداشت عجز و انکسار‘ فروتنی اور تواضع کا پتلا تھے تکبر و غرور اور گھمنڈ ان سے کوسوں دور تھا۔

ہر ایک چھوٹے بڑے سے انتہائی محبت و پیار سے پیش آتے اور ہر ملنے والا یوں سمجھتا وہ مجھے ہی پیار کرتے ہیں اگر کسی نے ان پر طعن و تشنیع کے تیر برسائے تو انہیں برداشت کیا اور اس کا جواب تک نہیں دیا۔

روابط و تعلقات

ان کے ہر طبقہ کے لوگوں سے تعلقات تھے غریب سے غریب تر سے لے کر امیر سے امیر تک‘ سیاست دان‘ صحافی‘ تجار‘ وکیل جج‘ وزراء‘ حکمران لیکن کسی سے ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا نہ ان کے سامنے جی حضوری کی نہ ان سے مرعوب ہوئے لیکن ہر ایک کا اس کی حیثیت کے مطابق احترام ملحوظ خاطر رکھا۔

مقبولیت وشہرت اللہ تعالیٰ نے انہیں انتہائی مقبولیت اور شہرت ناموری سے نوازا اور دنیا کے ہر بڑے ملک میں ان کے چاہنے والے اور عقیدت مند موجود تھے۔ اوران کی موت پر ہر جگہ سوگ منایا گیا اور ہر جگہ سے تعزیتی پیغامات آئے۔

اور ہر جگہ ان کی زندگی پر مضمون لکھے جا رہے ہیں' بلکہ ان کی زندگی میں ہی لکھے گئے اور انہیں ان کی خدمات کے اعتراف میں اعزازات سے نوازا گیا۔ ہر جگہ انہیں بلایا گیا ان سے انٹرویو کیے گئے اوران کی زندگی کے مختلف گوشوں کو نمایاں کیا گیا اسی سلسلہ میں ان کے اعزاز میں مورخہ 3 مئی 2015 کو جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں ایک استقبالیہ ترتیب دیا گیا جس میں انہیں شیلڈ اور گراں قدر اعزازیہ سے ان کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

وفات اور جنازہ كل نفس ذائقة الموت ۔ایک ہمہ گیر اور دائمی اٹل ضابطہ ہے جس سے کسی کو مفر نہیں ہے یہ دنیا تو عارضی ٹھکانہ ہے اصل جگہ تو آخرت ہے جس کی پہلی سیڑھی موت ہے۔ اس لئے آپ بھی چند روز بیمار رہ کر عالم جاوداں کو سدھار گئے۔ اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں برسائے اوران کی بشری لغزشوں سے صرف نظر فرمائے۔ آمین صد بار آمین۔

آپ 22 دسمبر 2015ء بمطابق 10 ربیع الاول 1437ھ بروز منگل صبح کو فوت ہوئے پہلا جنازہ لاہور ناصر باغ میں محترم ڈاکٹر حماد لکھوی نے دوبارہ مکرم حافظ احمد شاکر نے پڑھایا۔ تیسرا جنازہ ان کے آبائی گاؤں چک نمبر 53 گ ب ڈھیسیاں میں نماز عشاء کے بعد ساڑھے آٹھ بجے شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم نے پڑھایا' ہر جگہ' ایک جم غفیر نماز جنازہ میں شریک ہوا اور ہر جگہ اہل علم اور دیندار طبقہ کی کثرت تھی۔

اللهم اغفر له وارحمه

مولانا محمد اسحاق بھٹی اور ان کی تصانیف

محمد رمضان یوسف سلفی (رکن مجلس ادارت صحیفہ اہل حدیث کراچی)

مولانا محمد اسحاق بھٹی' برصغیر پاک و ہند کے مشاہیر اہل قلم سے تھے۔ انہوں نے تصنیف و تالیف' تاریخ' صحافت اور شخصی خاکہ نگاری میں نام پیدا کیا اور شہرت دوام حاصل کی ہے۔ وہ بلا شرکت غیرے عصر حاضر کے عظیم مؤرخ' بلند پایہ مصنف اور خاکہ نویس تھے 70 سال اپنے قلم سے دین اسلام اور اردو زبان و ادب کی خدمت کی۔ مختلف موضوعات پر ان کی کئی دینی' علمی' تاریخی اور سیر و سوانح پر کتب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر منصہ شہود پر آ کر لوگوں سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

شخصیت نگاری بھٹی صاحب کا من پسند موضوع تھا۔ اس پر ان کے گوہر بار قلم نے خوب جوہر دکھائے ہیں بھٹی صاحب کی تصنیفی خدمات کا دائرہ دور تک پھیلا نظر آتا ہے' جس خوب صورت اور دل کش پیرائے میں انہوں نے مقتدر شخصیات کے ''شخصی خاکے'' تحریر کیے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے ہم انہیں اس فن کا امام کہہ سکتے ہیں ان کی تحریروں میں حد درجے کی شگفتگی اور سلاست پائی جاتی ہے' ان کا اسلوب نگارش دل نشیں ہے۔ ان کے لکھے ہوئے سوانحی خاکے پڑھ کر ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے وہ شخصیات میدان زندگی میں متحرک اور سرگرم عمل ہیں اور ہم ان سے ہمکلام ہیں۔ عظیم ادیب و مصنف محترم مشفق خواجہ (وفات 20 فروری 2005ء) کے الفاظ میں......

''شخصیات پر لکھنے والا آپ سے بہتر اس وقت کوئی نہیں ہے آپ لکھتے نہیں' کار مسیحائی فرماتے ہیں۔ جسے مُردوں کو چلتے پھرتے دیکھنا ہو وہ آپ کے مضامین پڑھ لے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ نے کیسی کیسی منتخب روزگار شخصیات کو دیکھا' وہ لوگ بھی کچھ کم خوش نصیب نہیں جو آپ کے توسط سے یعنی آپ کے مضامین پڑھ کر ان شخصیات کو قریب سے دیکھتے ہیں میں بھی ایسے خوش نصیبوں میں شامل ہوں''

بلا شبہ اللہ رب العزت نے بھٹی صاحب کو علم و فضل اور عمل و کردار کی بہت سی خوبیوں سے مالا مال کیا تھا۔ ان کا علم پختہ اور حافظہ قوی تھا۔ جو بات پڑھ لی یا کسی سے سن لی وہ ان کے حافظے کی گرفت میں مضبوطی سے آ گئی ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں لوگوں اور جماعتی تاریخ کے بے شمار واقعات ان کی لوح ذہن پر نقش تھے۔ جب وہ ان واقعات کو اپنی تحریروں میں مناسب مواقع پر درج کرتے تو قاری ان کو پڑھ کر بے اختیار داد دینے لگتا۔

مولانا اسحاق بھٹی صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ اخلاق و عادات' محبت و خلوص' انسان دوستی' ملنساری' مہمان نوازی' سادگی اور مروت میں مثالی اور بہت ہی پیارے انسان تھے۔ ان کی خوش طبعی' بذلہ سنجی' لطیفہ گوئی اور باغ و بہار شخصیت دوسرے کو متاثر کرتی۔ ان کی دلآویز شخصیت کا یہی رنگ ان کی تحریروں میں بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی 15 مارچ 1925ء کو کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ) میں پیدا ہوئے انکے والد کا نام میاں عبد المجید بھٹی اور دادا کا اسم گرامی میاں محمد تھا۔ میاں محمد نہایت نیک اور متورع انسان تھے' دین داری' تقویٰ' صالحیت اور ورع وعفاف کے زیور سے آراستہ تھے ان کے قلب و ذہن پر اسلامی تعلیمات کے گہرے نقوش ثبت تھے۔ وہ اپنے دل میں اسلام کی سچی محبت اور جذبہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس پوتے محمد اسحاق کو شروع دن سے ہی علم و عمل کی راہ پر ڈال دیا تھا اور اسلامی تقاضوں کے مطابق اس کی تربیت کرنا شروع کر دی تھی۔ نماز کے لئے وہ انہیں ساتھ لے کر مسجد جاتے' آٹھ سال کے تھے کہ دادا نے گھر میں ہی ان کو قرآن مجید پڑھانا شروع کر دیا۔ تیسویں پارے کی دس بارہ سورتیں حفظ کروائیں اور اردو کی چند کتب بھی پڑھا دیں مولوی رحیم بخش کی ''اسلام کی کتاب'' اول تا چہارم بھی پڑھا دی اور حافظ محمد لکھوی مرحوم کی پنجابی شعروں پر مشتمل منظوم کتب' انوارِ محمدی' زینت الاسلام اور احوال الآخرت بھی پڑھا دی تھیں۔ 1934ء میں مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب جب چوتھی جماعت کے طالب علم تھے تو ایک دن ان کے دادا محترم انہیں لے کر مولانا عطاء اللہ حنیف رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ از راہ کرم اسے قرآن مجید کا ترجمہ اور تاریخ اسلام کے علاوہ اس کے فہم کے مطابق

دینی مسائل کی کتب پڑھادیا کریں۔

مولانا عطاء اللہ حنیف اس وقت کوٹ کپورہ کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ اورانہوں نے یہیں درس وتدریس کا سلسلہ بھی شروع کررکھا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے مولانا عطاء اللہ حنیف سے ترجمۃ القرآن اور قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی شہرہ آفاق کتاب ''رحمۃ للعالمین'' پڑھنے لگے اور انہوں نے اڑھائی تین ماہ میں رحمۃ للعالمین کو پڑھ لیا۔ آپ ذہین طباع طالب علم تھے' حافظ قوی تھا' جو سبق پڑھتے مستحضر ہوجاتا۔ ان کے استاد گرامی مولانا عطاء اللہ اپنے اس ہونہار اور لائق شاگرد سے بہت خوش تھے۔ مولانا عطاء اللہ حنیف کی خدمت عالیہ میں رہ کر بھٹی صاحب نے مروجہ علوم وفنون اور تفاسیر واحادیث کی کتب پڑھیں اور درس نظامی کی تکمیل کی۔ تحصیل علم کے لئے بھٹی صاحب مرکز الاسلام لکھوکے میں بھی مولانا عطاء اللہ مرحوم کی خدمت میں رہے اور دو سال جامع مسجد گنبد والی فیروز پور میں بھی زیر تعلیم رہے۔ 1940ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کے حکم پر گوجرانوالہ کا رخ کیا اور دو سال مولانا حافظ محمد گوندلوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کی خدمت میں رہ کر صحیح بخاری' صحیح مسلم اور بعض دوسری کتب پڑھ کر سند فراغ حاصل کی۔

تحصیل علم کے بعد مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ایک سال محکمہ انہار ہیڈ سلیمان کی میں کلرک رہے۔ پھر مارچ 1943ء سے 1947ء تک مدرسہ مرکز الاسلام میں فریضہ تدریس انجام دیتے رہے۔ اس دوران انہوں نے آزادی کی تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا اور فرید کوٹ جیل میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ 1946ء سے 1947ء تک ریاست فرید کوٹ کی پرجامنڈل کے سیکرٹری رہے۔ ریاستی پرجامنڈل پنجاب ریاستوں میں کانگرس کی بدل تھی۔ اس کے صدر گیانی ذیل سنگھ تھے جو بعد میں ہندوستان کے صدر بنے۔

تقسیم ملک کے بعد مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب 21 اگست 1947ء کو چھوٹے بڑے ایک سو تیں افراد کے ساتھ کوٹ کپورہ سے قصور پہنچے اور اکتوبر 1947ء میں اپنے خاندان کے ہمراہ چک نمبر 53 گ ب منصور پور ڈھیسیاں (تحصیل جڑانوالہ' ضلع فیصل آباد) آگئے اور انہوں نے اس گاؤں میں سکونت اختیار کرلی۔

جولائی 1948ء میں بھٹی صاحب کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا اور وہ 24 جولائی 1948ء کو دارالعلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں منعقدہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے تاسیسی اجلاس میں شریک ہوئے۔ پھر کچھ عرصہ بعد انہیں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کے ذریعے مستقل لاہور بلوا کر انہیں مرکزی جمعیت اہل حدیث کا ناظم دفتر بنا دیا گیا اور آپ پندرہ سال مرکزی جمعیت کے صدر مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہے اور انہوں نے مولانا غزنوی مرحوم کے ساتھ مل کر جماعت کی تعمیر وترقی کے لئے بہت کام کیا۔

19 اگست 1949ء کو گوجراں والا سے ہفت روزہ الاعتصام کا اجراء ہوا۔ مولانا محمد حنیف ندوی اس کے مدیر بنائے گئے۔ کچھ عرصے بعد مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کو ان کا معاون مدیر بنا کر گوجرانوالہ بھیج دیا گیا۔ اس دور میں جمعیت کے ناظم دفتر اور الاعتصام کے معاون مدیر کی ذمہ داری بھٹی صاحب پر تھی۔ بھٹی صاحب پہلے الاعتصام کے معاون مدیر اور پھر مدیر بنائے گئے اور انہوں نے سولہ سال الاعتصام کے ادارتی فرائض انجام دیئے۔ مولانا بھٹی صاحب نے معاون ایڈیٹر کی تشریح اپنے اسلوب خاص میں ایک مضمون میں کچھ اس طرح کی ہے۔ لکھتے ہیں...... ''معاون ایڈیٹر کا لفظ تو میں نے لکھ دیا ہے لیکن بات یہ ہے کہ میں اخبار میں خاکروب بھی تھا' چپڑاسی بھی تھا' کلرک بھی تھا' منیجر بھی تھا۔ اس سے آگے عرض کروں کہ بعض دفعہ اداریے اور شذرات بھی لکھا کرتا تھا۔ کتنے ہی شماروں میں ایسا ہوتا کہ مولانا حنیف ندوی' وزیر بے محکمہ'' کی طرح پورے پرچے میں ''مدیر بے تحریر'' ہوتے اور ہر سطر ہر پیرے اور ہر صفحے پر ہمارا سکہ چلتا تھا۔''

15 مئی 1951ء کو مولانا حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے تو مرکزی جمعیت اہل حدیث کی طرف سے ''الاعتصام'' کی تمام تر ذمہ داری مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے سپرد کر دی گئی۔ اور آپ 30 مئی 1965ء تک اس سے منسلک رہے۔ اس دوران جنوری 1958ء میں آپ نے سہ روزہ منہاج جاری کیا۔ یہ اخبار چودہ مہینے جاری رہا۔ اس کے مضامین بڑے معیاری' علمی اور تحقیقی ہوتے تھے۔ موقع کی مناسبت سے حالات حاضرہ پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی جاتی تھی۔ اپنے دور کا یہ ایک معیاری اخبار تھا۔ اس اخبار کو جماعت اہل حدیث کے

حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی لیکن بعض ناگزیر حالات اور مالی مشکلات کے باعث کافی خسارہ اٹھانے کے بعد بالآخر اپریل 1959ء میں اس اخبار کو بند کر دیا گیا اور بھٹی صاحب نے اخبار نکالنے کے شوق سے ہمیشہ کے لئے توبہ کر لی۔ الاعتصام کی سولہ سال ادارت سے علیحدگی کے بعد بھٹی صاحب نے پروفیسر سید ابوبکر غزنوی کے اصرار پر ماہنامہ ''توحید'' کی ادارت قبول کی۔ یہ اخبار جولائی 1965ء میں بڑی شان سے چھپا پہلا صفحہ رنگین گیٹ اپ' کاغذ' مضامین' ہر اعتبار سے دیدہ زیب اور دلکش' لیکن کچھ عرصہ بعد بھٹی صاحب اخبار ''توحید'' سے بھی الگ ہو گئے۔ اور ان کے علیحدہ ہونے کے تھوڑے عرصے بعد ''توحید'' اپنی اشاعت کے چار پانچ ماہ پورے کر کے بند ہو گیا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے قیام 24 جولائی 1948ء سے 30 مئی 1965ء تک باقاعدہ مرکزی جمعیت اہل حدیث سے وابستہ رہے۔ ابتداء میں ناظم دفتر اور پھر الاعتصام کے معاون مدیر اور پھر ایڈیٹر کی حیثیت سے۔ اس طویل عرصے میں انہیں اکابرین جماعت کے ساتھ مل کر جماعتی کام کرنے کا خوب موقع ملا۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے صدر مولانا سید محمد داؤد غزنوی مرحوم ان پر بے پناہ اعتماد کرتے تھے۔ اور جمعیت کے ناظم اعلیٰ مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم کو بھی اپنے اس شاگرد رشید پر ناز تھا۔ مولانا محمد حنیف ندوی بھی ان کی علمی و ادبی صلاحیتوں سے بہت خوش تھے اور مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم بھی اپنے اس لائق شاگرد کی تحقیقی کارکردگی پر فخر کرتے تھے۔ بھٹی صاحب نے ان عالی قدر بزرگوں کے سایہ شفقت میں رہ کر ان سے علمی و عملی طور پر مستفید ہونے کی سعادت حاصل کی۔ ہماری جماعتی تاریخ کا بہت سا حصہ ایسا ہے جس کے عینی شاہد فقط بھٹی صاحب ہیں۔ جماعت اہل حدیث کی تاریخ اور اکابر علماء کے بہت سے واقعات ان کی لوح ذہن پر نقش ہیں اور ان میں اکثر واقعات کو انہوں نے اپنی تحریروں میں صفحۂ قرطاس پر مرتسم کیا ہے۔ یہ بہت بڑی خدمت ہے جو انہوں نے اکابرین جماعت کے حالات وواقعات کو تحریری صورت میں لا کر انجام دی ہے۔

گذشتہ سطور میں میں نے مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے مختصر حالات

زندگی اوران کی صحافتی خدمات کا اجمالی سا تذکرہ کیا ہے۔ جو قارئین اس کی تفصیل جاننا چاہیں وہ راقم کی کتاب ''مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی، حیات وخدمات' کا مطالعہ فرمائیں یہ کتاب فروری 2011ء میں مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند گرامی مولانا عبدالحنان جانباز حفظہ اللہ نے جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ کی طرف سے شائع کی تھی۔

اکتوبر 1965ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ سے انسلاک کے بعد بھٹی صاحب کی زندگی کا ایک اور دور شروع ہوتا ہے۔ اس دور میں بھٹی صاحب نے تصانیف وتراجم کا جو سلسلہ شروع کیا تھا وہ دور تک پھیلا دکھائی دیتا ہے۔ بھٹی صاحب نے اب تک جو تحریری کام کیا ہے اس کی نوعیت کچھ اس طرح ہے (1) تصانیف وتراجم (2) اخباری مضامین ومقالات (3) اخباری اداریے اور شذرات (4) کتابوں پر تبصرے (5) بہت سی کتابوں پر مقدمات۔ یہ تمام تحریریں اگر کتابی سائز میں منتقل کی جائیں تو چالیس ہزار سے زائد صفحات پر مشتمل ہوں گی۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی 34۔35 سال کی تقریروں کے بے شمار صفحات اس کے علاوہ ہیں متعدد کتابوں کی ایڈیٹنگ (ادارت) بھی اس میں شامل نہیں۔

یہ بہت بڑی تحریری خدمت ہے جو بھٹی صاحب نے سرانجام دی ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیے مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی علمی وتحقیقی تصانیف کا تعارف اس کا آغاز ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ہوتا ہے۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ 1950ء میں ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے قائم کیا تھا۔ انھوں نے ادارے کے لیے تھوڑے عرصے میں ہی بہت سی علمی اور نابغہ عصر شخصیات کی خدمات حاصل کر لی تھیں۔ خلیفہ صاحب نے 1959ء میں وفات پائی۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے اکتوبر 1965ء سے 16 مارچ 1996ء تک ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔ بائیس سال ادارے کے ماہنامہ ''المعارف'' کے ایڈیٹر رہے۔ یہ خالص علمی اور تحقیقی مجلہ تھا' جس میں بے شمار مضامین ومقالات لکھے۔ ادارے کی طرف سے شائع ہونے والے مجلّہ ''ثقافت'' میں (جو بعد میں المعارف کے نام سے موسوم کر دیا گیا) بھٹی صاحب لکھتے رہے۔ المعارف میں

ان کے لکھے ہوئے اداریے اور علمی و تحقیقی مضامین اہل علم دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ بھٹی صاحب تیس سال ادارے سے وابستہ رہے۔

ادارے کی طرف سے شائع ہونے والی ان کی کتب اہل علم اور تحقیقی ذوق رکھنے والوں کے ہاں سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ اپنے موضوع پر وہ انوکھے انداز کی کتابیں ہیں۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں رہ کر بھٹی صاحب نے جو تصنیفی خدمات سرانجام دیں اس کی تفصیل یہ ہے:

تصانیف وتراجم

الفہرست ابن الندیم محمد بن اسحاق ابن الندیم بغدادی چوتھی صدی ہجری کے نامور محقق اور مؤرخ تھے۔ انھوں نے اپنی اس کتاب ''الفہرست'' میں چوتھی صدی ہجری تک تمام علوم وفنون سے متعلق معلومات جمع کر دی ہیں۔ یہ ضخیم کتاب معلومات کا بحرِ زخار ہے اور تاریخ ورجال کے فن اور دیگر علوم وفنون کے بارے یہ مستند بنیادی حوالے کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ بھٹی صاحب نے اس اہم کتاب کو عربی سے اردو کے قالب میں ڈھالا اور اس کے بہت سے مقامات پر مفید حواشی لکھے۔ ترجمہ رواں، شگفتہ اور سلیس ہے۔ 914 صفحات پر پھیلا ہوا یہ ترجمہ تحشیہ بلاشبہ بھٹی صاحب کا عظیم کارنامہ اور مطالعہ کے شائقین کے لیے انمول تحفہ ہے۔ یہ ترجمہ 1969ء میں پہلی بار طبع ہوا اور کسی بھی زبان میں کیا جانے والا ''الفہرست'' کا یہ اولین ترجمہ ہے جو عربی سے اردو میں ہوا۔ اس کتاب کے شروع میں ایک مشہور شعر ہے

ببکاء الاقلام تتبسم الکتب
قلموں کے رونے سے کتابیں مسکراتی ہیں

برصغیر پاک وہند میں علم فقہ اپنے موضوع کی یہ پہلی کتاب ہے جو اردو زبان میں تحریر ہوئی۔ اس میں سلطان غیاث الدین بلبن (686ھ) کے عہد سے لے کر سلطان اورنگ زیب عالم گیر (1118ھ) تک کے دور تک کی فقہی کاوشوں کو ضبطِ کتابت میں لایا گیا ہے اور تفصیل کے ساتھ اِس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ برصغیر علم فقہ سے کیسے آشنا ہوا۔ نیز اس کتاب میں اس خطہ ارض

میں تالیف کی جانے والی فقہی کتب، فتاویٰ غیاثیہ، فتاویٰ قراخانی، فوائد فیروز شاہی ، فتاویٰ تاتارخانیہ، فتاویٰ حمادیہ، فتاویٰ ابراہیم شاہی (حصہ فارسی) فتاویٰ امینیہ، فتاویٰ بابری اور فتاویٰ عالم گیری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے مؤلفین کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ بھٹی صاحب نے کتاب کے مقدمے میں فقہ کی تعریف، اس کی ضرورت واہمیت اور قرآن وحدیث سے اس کے بنیادی تعلق کو بھی بیان کیا ہے۔

کتاب کا مقدمہ بڑا وقیع اور معلومات کا خزینہ ہے جس میں علم فقہ سے متعلق بہت سی باتیں آ گئی ہیں۔ یہ کتاب چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی بار جون 1973ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہوئی۔

فقہائے ہند

یہ کتاب دس جلدوں میں ہے۔ اس میں پہلی صدی سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے برصغیر کے ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور شیعہ علمائے کرام اور فقہائے عظام کے حالات وواقعات نہایت ادب واحترام سے حیطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔

ہر بزرگ کے تذکرے میں بتایا گیا ہے کہ وہ کس مسلک، فقہ اور عقیدے کے حامل تھے اور علمی وعملی طور پر انھوں نے کیا کارنامے سرانجام دیے۔ یہ اپنے موضوع کی ایک نہایت تحقیقی کتاب ہے جو سینکڑوں فقہا کی زندگی کے علمی کارناموں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ پہلی صدی ہجری سے لے کر تیرھویں صدی ہجری تک کے بہت سے فقہاء کے حالات بھٹی صاحب نے بڑی محنت اور جاں فشانی سے صفحہ قرطاس پر مرتسم کیے ہیں۔ ہر جلد کے شروع میں لائق مصنف نے ایک جامع مقدمہ لکھا ہے جو اس دور کی علمی، ادبی، سیاسی اور مذہبی صورت حال کی عکاسی کرتا ہے۔ اس عظیم کتاب کے مقدمات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ کتاب

اپنے موضوع پر منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ فقہائے ہند کی دس جلدوں کی تفصیل یہ ہے:

(1) فقہائے ہند جلد اول: پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک صفحات 328 طبع 1974ء

(2) فقہائے ہند جلد دوم: نویں صدی ہجری صفحات 264 طبع 1975ء

(3) فقہائے ہند جلد سوم: دسویں صدی ہجری صفحات 400 طبع 1976ء

(4) فقہائے ہند جلد چہارم حصہ اول: گیارھویں صدی ہجری صفحات 280 طبع 1977ء

(5) فقہائے ہند جلد چہارم حصہ دوم: گیارھویں صدی ہجری صفحات 416 طبع 1978ء

(6) فقہائے ہند جلد پنجم حصہ اول: بارھویں صدی ہجری صفحات 352 طبع 1979ء

(7) فقہائے ہند جلد پنجم حصہ دوم: بارھویں صدی ہجری صفحات 428 طبع 1981ء

(8) فقہائے پاک و ہند جلد اول: تیرھویں صدی ہجری صفحات 344 طبع 1982ء

(9) فقہائے پاک و ہند جلد دوم: تیرھویں صدی ہجری صفحات 270 طبع 1984ء

(10) فقہائے پاک و ہند جلد سوم: تیرھویں صدی ہجری صفحات 452 طبع 1989ء

برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش

اس کتاب میں ان پچیس (25) صحابہ کرام، 42 تابعین اور 18 تبع تابعین کے حالات شرح و تفصیل سے بیان ہوئے ہیں جو اشاعت اسلام یا کسی دوسرے سلسلے میں برصغیر میں وارد ہوئے۔ کتاب کے شروع میں ایک جامع مقدمہ ہے جس میں عرب و ہند کے باہمی تعلقات اور بعض ہندوستانی قوموں کے عرب علاقوں میں جا کر آباد ہونے کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے صفحات کی تعداد 224 ہے۔ طبع 1989ء لاہور۔

ارمغان حنیف

مولانا محمد حنیف ندوی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑی علمی شخصیت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو

بہت سی علمی خوبیوں سے نوازا تھا۔ وہ مصنف و محقق، فلسفہ اسلامی کے اونچے درجے کے اسکالر اور قرآن حکیم کے بلند پایہ مفسر تھے۔ قدیم وجدید اسلامی علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔ اس کتاب میں مولانا حنیف ندوی کی علمی خدمات اور حالات زندگی کو خوبصورت اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ کتاب 371 صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کتاب کا ایک باب ندوی صاحب کے لطائف و واقعات پر مشتمل ہے جو بھٹی صاحب کے بلند ادبی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔ طبع 1989ء

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں ان کتب کی تالیف و تصنیف اور تراجم کے علاوہ بھٹی صاحب نے جن کتب کو ایڈٹ کیا ان میں (1) اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ از ڈاکٹر محمد ایوب قادری (2) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات از ڈاکٹر ثریا ڈار (3) شروح صحیح بخاری از غزالہ حامد (4) پیغمبر انسانیت از مولانا شاہ جعفر پھلواری (5) فقہ عمر، مترجم ابو یحییٰ خان نوشہروی۔ ان کتابوں کو بھٹی صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے ایڈٹ کیا۔ ان پر جامع مقدمات لکھے اور شائع کرنے کا اہتمام کیا۔

ان کے علاوہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کے لیے ''جمع و تدوین قرآن، فضائل قرآن، مضامین قرآن، واقعات و قصص قرآن اور اعجاز قرآن کے نام سے مفصل مقالات لکھے۔ علاوہ ازیں متعدد دیگر موضوعات پر بھی تیس بتیس مقالات لکھے جو تمام کے تمام اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی کی مختلف جلدوں میں شائع ہوئے۔

شخصی خاکہ نگاری

اب ان کتب کی تفصیل بیان کی جاتی ہے جو بھٹی صاحب نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کے علاوہ تصنیف کیں۔ کئی سال پہلے بھٹی صاحب نے ''قومی ڈائجسٹ'' لاہور میں نامور شخصیات کے سوانحی خاکے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ سب سے پہلا شخصی خاکہ گیانی ذیل سنگھ پر لکھا جس کا عنوان تھا ''کچے گھر سے قصر صدارت تک۔'' علی ارشد صاحب نے اس مضمون کو فیصل آباد سے کتابت کروایا۔ محترم بھٹی صاحب کی خواہش پر وہ کتابی صورت میں شائع کر کے ہندوستان لے

جانا چاہتے تھے۔اس کتابت شدہ مضمون کو مجیب الرحمٰن شامی صاحب نے دیکھا تو انہوں نے اصرار کیا کہ اسے قومی ڈائجسٹ میں شائع کیا جائے۔اس کے لئے انہوں نے ''قومی ڈائجسٹ'' کے معاون مدیر جناب تنویر قیصر شاہد کو بھٹی صاحب کے پاس بھیجا اور ادارتی نوٹ کے ساتھ مضمون شائع کیا۔

تنویر قیصر شاہد آج کل روزنامہ ''ایکسپریس'' اسلام آباد کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر ہیں اور ان کا کالم ''تعاقب'' کے عنوان سے اس اخبار میں چھپتا ہے۔بھٹی صاحب سے طویل عرصے سے ان کا یارانہ قائم ہے۔

اس مضمون کو بے حد پذیرائی حاصل ہوئی لوگوں نے بھٹی صاحب کے منفرد انداز تحریر کو بڑا پسند کیا۔ پھر یہ سلسلہ چل نکلا اور قومی ڈائجسٹ میں عرصہ دراز تک بھٹی صاحب کے لکھے ہوئے شخصی خاکے اشاعت پذیر ہوتے رہے۔ پھر ان میں کچھ اضافے کیے گئے اور کچھ نئے خاکے لکھے گئے۔ 1997ء میں یہ خاکے مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہوئے۔

اب تک بھٹی صاحب کے لکھے ہوئے خاکوں کے چار مجموعے ''نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، کاروان سلف اور قافلہ حدیث اشاعت پذیر ہو کر منصۂ شہود پر آ چکے ہیں۔ ان چار مجموعوں کے تعارف سے پہلے بھٹی صاحب کے اسلوب نگارش پر نامور اصحاب قلم کی رائے کا اظہار ضروری ہے۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

''مولانا محمد اسحاق بھٹی اردو کے صاحب طرز ادیب اور انشاپرداز ہیں۔ وہ بہت سی کتابوں کے مصنف و مؤلف اور بلند پایہ محقق ہیں۔ وہ مستند عالم دین بھی ہیں، ان کی زندگی کا طویل حصہ صحافت میں بسر ہوا۔ انھوں نے ہر طرح کے مسائل پر لکھا ہے، ان کے موضوعات و مباحث کا دائرہ ادب وسیاست، تاریخ وتعلیم، سیرت وسوانح، مذہب وصحافت اور اس کے مختلف گوشوں تک پھیلا ہوا ہے۔ان کی تحریروں میں معلومات اور علمی نکات کی فراوانی ہوتی ہے۔ان

کے قلم اور زبان، دونوں سے لطائف کے پھول جھڑتے ہیں۔ وہ تحریر میں افکار کے موتی پروتے ہیں۔ ان کی تحریرات متن کے حسن اور اسلوب نگارش کی رنگینی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ افکار و معانی کا طلسم قاری کے احساسات پر چھا جاتا ہے۔ ان کے گلشن زار الفاظ و مضامین کا زائر و سائر ایک بار دیکھا، دوبارہ دیکھنے کی ہوس کا نعرہ لگاتا ہے اور اس کے سحر حلال سے باہر نہیں نکل سکتا۔ وہ مختصر اور مفصل دونوں طرح کی تحریریں لکھنے پر قادر ہیں۔ ان کے اختصار میں اعجاز اور تفصیل میں دل کشی کی خوبی موجود ہوتی ہے۔ وہ بات سے بات پیدا کرتے اور مضامین و مباحث کو پھیلاتے چلے جاتے ہیں، لیکن تحریر و نگارش کی رنگینی، بیان کی طوالت اور واقعات کی تفصیل کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ ان کی تحریر و نگارش کی سحر انگیزیاں اور افکار و معانی کی قیامت خیزیاں ان کی تمام تحریروں اور تصنیفوں میں موجود ہیں۔''

نوائے وقت لاہور کے ایک معروف کالم نگار، ادیب وصحافی صاحب زادہ خورشید گیلانی تھے جو وفات پا چکے ہیں۔ مسلکی اعتبار سے بریلوی حنفی تھے۔ گیلانی مرحوم نے اپنی کتاب ''رشک زمانہ لوگ'' میں ''گم نام مگر بلند مقام'' کے عنوان سے بھٹی صاحب سے متعلق لکھا ہے:

''نقوش عظمت رفتہ'' اور ''بزم ارجمنداں'' دراصل مولانا محمد اسحاق بھٹی کی شگفتہ، شائستہ اور ان کے منفرد اسلوب نگارش کی نمائندہ کتابیں ہیں، جنھیں پڑھتے ہوئے نہ دماغ تھکتا ہے اور نہ دل بھرتا ہے۔ سبک لہجہ اور رواں اسلوب۔

جنھوں نے بھٹی صاحب کو دیکھا ہے یا ان سے ملاقات کی ہے ان کی تین باتیں انھیں ورطہ حیرت میں ڈالتی ہیں، ایک یہ کہ وہ ریاست فرید کوٹ کے سکہ بند ''پنجابی'' ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ ''مولانا'' ہیں اور تیسری یہ کہ وہ مسلک کے اعتبار سے باعمل ''اہل حدیث'' ہیں لیکن اردو اتنی صاف اور سلیس لکھتے ہیں کہ ان پر اہل زبان ہونے کا گمان گزرتا ہے۔ کہیں گرہ نہیں، اغلاق نہیں، آورد نہیں اور عیب نہیں اور اس سے بڑھ کر حیران کن بات یہ ہے کہ وہ ''مولانا'' تو پکے ہیں یعنی صحیح معنوں میں عالم، قرآن و حدیث، سیرت، تاریخ و فقہ پر مکمل عبور مگر عبا پوش ہیں، نہ دستار

بند۔ نہ تسبیح بدست اور نہ صافہ بداماں۔ نہ لوٹا ساتھ رکھتے ہیں اور نہ عصا ہاتھ میں تھامتے ہیں۔ مناسب اور موزوں داڑھی، عام شہریوں جیسا لباس اور سانده میں دوسرے محلے داروں کی طرح رہائش اور بود و باش۔ ان کے ماتھے پر علم کی خشونت نام کو نہیں۔ آواز بھاری ضرور ہے مگر اس پر درشتی طاری نہیں ہونے دیتے۔ ہر لاحقے سابقے کے بغیر صرف اپنے نام پر اکتفا کرتے ہیں۔

اور تیسری بات ان کا اہل حدیث ہونا، وہ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں، آمین بالجہر کہتے ہیں اور فاتحہ خلف الامام پڑھتے ہیں مگر نہ کسی حنفی سے الجھتے ہیں اور نہ لڑتے ہیں۔ وہ اپنے مشرب کے پابند ہیں' کسی منصب کے دعوے دار نہیں، انھیں مل کر ہر ایک کو یہی احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک وضع دار، بردبار، روادار شخص سے ملے ہیں۔ نہ تکبر، نہ غرور اور نہ تصنع، نہ نفور، ورنہ جتنا علمی کام وہ کر چکے ہیں اگر کوئی اس کا بیسواں حصہ بھی کرلے تو وہ رازی و غزالی کو اپنے پاس بیٹھنے تو کجا پھٹکنے بھی نہ دے اور ایک جہازی سائز کا اشتہار صرف اپنے القاب و خطابات کے لیے وقف کر دے۔ مولانا اسحاق بھٹی بلند مقام تو ہیں مگر رہے گمنام کہ یہی اچھے لوگوں کا خاصہ ہے۔''

پروفیسر عبدالجبار شاکر وفات 13 اکتوبر 2009 بھٹی صاحب سے متعلق ان کی کتاب ''قاضی محمد سلیمان منصور پوری'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''انھوں اسحاق بھٹی نے تن تنہا تحقیق کے جو ہفت خواں طے کیے، یہ ان کی شخصیت کے جوہر کو نمایاں کرتے ہیں۔ قدرت نے انھیں ایک ایسا اسلوب عطا کیا ہے جو اردو زبان و ادب کے اسالیب میں ایک انفرادیت کا حامل ہے۔ ان کے ہاں معروف ادیبوں اور دانشوروں کی طرح نہ تو حکمائے مغرب کی کتابوں کے اقتباسات ہیں اور نہ وہ اپنے مطالب کے اظہار کے لیے مشکل تراکیب اور ادق اصطلاحات کا سہارا لیتے ہیں۔ ان کے ہاں اسلوب میں ابلاغ کی حد درجہ خوبی دکھائی دیتی ہے۔ ان کا قلم شستہ اور پیرایہ شگفتہ ہے۔ سادگی میں پرکاری کے نقوش ان کی تحریر کا خاصہ ہے۔ انھوں نے نصف صدی تک جو علمی جواہر پیدا کیے ہیں، ان میں ابوالکلام کی نثری بلاغت، شبلی کی مؤرخانہ بصیرت، سید سلیمان ندوی کا اسلوب تحقیق، مولانا مودودی کا دعوتی انداز، رشید احمد صدیقی کی سی شگفتہ نگاری، مولوی عبدالحق کی سی سادہ بیانی، مولانا ثناء اللہ امرتسری کی

جامعیت، مولانا محمد حنیف ندوی کا حکیمانہ اسلوب' مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی سادگی اور کتاب دوستی اور علامہ احسان الٰہی ظہیر کی طلاقت لسانی کی جھلکیاں ان کی تحریروں کے مختلف صفحات پر نمایاں دکھائی دیتی ہیں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر بھٹی صاحب کی کتاب ''میاں عبدالعزیز مالواڈہ'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

ان کا اشہب قلم نئے سے نئے میدانوں میں شہسواری کے کمالات دکھا رہا ہے۔ بھٹی صاحب کی شخصیت عجیب دلآویزیوں کا مجموعہ ہے۔ ان کے مطالعے میں بے پناہ وسعت ہے۔ ان کے حافظے اور استحضار پر ایک عالم کو رشک ہے۔ ان کے اسلوب کی چاشنی دیدنی ہے۔ ان کی گفتگو وہ کہیں اور سنا کرے کوئی، کے مصداق ہے۔ اسلوب اگر اعلیٰ ابلاغ کے تقاضوں کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ اس دور کے صاحب طرز ادیب ہیں۔ زبان کی سادگی اور شگفتگی نے ان کے طرز نگارش کو ایک انفرادیت عطا کی ہے۔ قلم کی شستگی اور اسلوب کی شگفتگی نے ان کی ہر کتاب میں ایک عجیب جادو جگا رکھا ہے۔ مگر ان کے اسلوب کی اصل رنگت، ان کے خاکوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ ذرا ''نقوش عظمت رفتہ'' کے صفحات کو دیکھیے۔ ''بزم ارجمنداں'' کے اوراق الٹیے۔ ''کاروان سلف' کی شخصیات کا مطالعہ کیجیے۔ ''محفل دانشمنداں'' میں بیٹھیے اور ''قافلہ حدیث'' کے ہم رکاب چلیے، کیا کیا اور کیسے کیسے اسالیب کے طلسمات کی کرشمہ سازی ہے۔ ع

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

مولانا محمد ادریس ہاشمی وفات 25 مئی 2010ء جماعت غرباء اہل حدیث پنجاب کے جنرل سیکریٹری تھے۔ وہ معروف صاحب علم اور نہایت وسیع النظر انسان تھے۔ وہ مولانا اسحاق بھٹی صاحب کی کتاب ''کاروان سلف'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنے ماہنامہ ''صدائے ہوش'' لاہور اگست 2000ء کی اشاعت میں ادارتی صفحات پر لکھتے ہیں:

''مشہور عالم دین، صاحب طرز ادیب، مورخ وسوانح نگار، سیرت نگاری کے بے تاج بادشاہ اور سابق ڈپٹی ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی قلم کاری کا

تازہ شاہکار ''کاروان سلف'' شائع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچ چکا اور بلا مبالغہ یہ حسین شاہکار ہے۔ موصوف کے قلم سے اس سے قبل ماضی قریب میں برصغیر پاک و ہند کی نامور شخصیات کے سوانحی خاکوں پر مشتمل دو مجموعے موسومہ ''نقوش عظمت رفتہ'' اور ''بزم ارجمنداں'' شائع ہو کر عوام وخواص سے خراج تحسین وصول پا چکے ہیں۔ ان میں موصوف نے اہل حدیث حضرات کے علاوہ دیوبندی، بریلوی، شیعہ اور بعض غیر مسلم شخصیات پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ اگر چہ بعض کم فہم ''وہابیوں'' نے اس پر ناک بھوں بھی چڑھایا' مگر ہمارے نزدیک ان کتب کا یہی حسن ہے جس کی بنا پر اسے سب پڑھیں اور اس طرح بھٹی صاحب نے اہل حدیث اکابرین کے کام کو دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں تک پہنچا دیا۔ مولانا اسحاق بھٹی عرف عام میں ہمارے ذہنوں میں موجود ''مولانا'' کے تصور پر شاید پورے نہ اتریں اور انہیں پہلی مرتبہ دیکھنے والا قاری شاید انہیں مولانا محمد اسحاق بھٹی تسلیم کرنے سے انکار کر دے۔ بالکل سادہ مزاج، صوفی منش، درویش صفت اور صوفی مشرب بھٹی صاحب سب سے پیار کرنے والے اور سلفیوں کے لیے شفیق و مہربان ہیں۔

''کاروان سلف'' کے نام سے شائع ہونے والا حسین شاہکار ان بعض ''ناراض اہل حدیث حضرات کو خاموش جواب ہے، جو پہلے مجموعوں پر چیں بر چیں تھے۔ اس مجموعے میں 20 کی تعداد میں اپنے وقت کے نابغہ روزگار مشاہیر کے تذکرے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بڑی جماعتوں، تنظیموں، میدان جہاد کے شاہسواروں، شاہوں، ملک و بیرون ملک یونیورسٹیوں کے سند یافتہ صاحب جبہ و دستار سے جو کام نہ ہو سکا وہ اکیلے بھٹی صاحب نے کر دیا، سچ ہے ۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ہفت روزہ الاعتصام کے مدیر مسئول اور مکتبہ سلفیہ لاہور کے مالک و مدیر مولانا حافظ احمد شاکر صاحب بھٹی صاحب کی تصنیف دلپذیر ''قاضی محمد سلیمان منصور پوری'' کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''مولانا بھٹی کا انداز تحریر بہت جاذب، رواں دواں، شستہ اور سلیس ہے۔ واقعات

نگاری اس طرح کرتے ہیں کہ قاری ان کے طرزِ بیان میں خود کو بہتا ہوا محسوس کرتا ہے۔موصوف کا حافظہ اللہ تعالیٰ کی خاص عطا ہے اور اس میں محفوظ واقعات کا خوبصورت اظہار ان کا کمال ہے۔ ان کا قلم اگرچہ کبھی کبھی مؤرخ کے قلم کی طرح ''بے رحم'' بھی ہو جاتا ہے لیکن اکثر تذکروں میں ان کے الفاظ عقیدت کے میلان ورجحان کے غماز ہوتے ہیں۔ ان کے قلم سے تذکار وتراجم رجال کا ڈھیر لگ جانے کے باعث بعض اصحابِ علم وقلم انھیں دورِ حاضر کا امام ذہبی کہتے ہیں، جو صحیح معلوم ہوتا ہے۔''

اصحابِ علم وفضل کی ان آرا کے بعد اب بھٹی صاحب کے شخصی خاکوں کے مجموعوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

نقوشِ عظمتِ رفتہ

اس کتاب میں 21 مقتدر شخصیات کے حالاتِ زندگی ان کی تمام عادات واطوار، علمی وادبی، سیاسی اور مذہبی خدمات کے ساتھ صفحہ قرطاس پر مرتسم کیے گئے ہیں۔ اس مجموعے میں بلا امتیازِ مسلک تمام فقہی مسالک، اہلِ حدیث، حنفی، دیوبندی، بریلوی احباب کے اکابر علماء کو جگہ دی گئی ہے۔ بھٹی صاحب کی وسیع النظری ملاحظہ کیجیے کہ انھوں نے تعصب اور تنگ نظری سے بالاتر ہو کر قلم کاری کی ہے۔

انھوں نے ہندوستان کے سابق صدر اور اپنے جگری یار گیانی ذیل سنگھ پر بھی طویل مضمون لکھ کر اس کتاب میں شامل اشاعت کیا ہے۔ اس کتاب کا سب سے طویل خاکہ مولانا سید محمد داود غزنوی پر ہے جو 112 صفحات پر محیط ہے۔ بھٹی صاحب نے مولانا غزنوی مرحوم کے ساتھ اپنی 15 سالہ رفاقت کے واقعات کو تفصیل کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف، مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا احمد علی لاہوری، حمید نظامی (نوائے وقت) سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا کوثر نیازی اور قاضی حبیب الرحمان منصور پوری کے علاوہ کتاب میں شامل دیگر حضرات کے سوانحی خاکے اردو زبان وادب

میں ندرت کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ 640 صفحات پر مشتمل یہ کتاب عہد رفتہ کی نادر معلوماتی دستاویز ہے۔ یہ کتاب 1997ء میں مکتبہ قدوسیہ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

بزم ارجمنداں

سوانحی خاکوں کا یہ دوسرا مجموعہ ہے۔ جو محترم بھٹی صاحب کے گوہر بار قلم سے معرض وجود میں آیا۔ اس میں مولانا ابوالکلام آزاد، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرت سری، حافظ عبداللہ روپڑی، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، رئیس احمد جعفری، مولانا محمد علی لکھوی، شاہ محمد جعفر پھلواروی، مولانا محمد صدیق لائل پوری، مفتی جعفر حسین، مولانا معین الدین لکھوی، مولانا عبداللہ گورداس پوری، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری اور ڈاکٹر اسرار احمد جیسی شخصیات کے خاکے شامل ہیں۔ اس کتاب کا سب سے طویل مضمون مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم پر ہے جو سوا سو صفحات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دیگر عالی قدر حضرات کے سوانحی خاکے بھی نہایت تکریم سے لکھے گئے ہیں۔ یہ کتاب معلوماتی، ادبی اور علمی خوبیوں سے مزین ہے اور گزشتہ دور میں ان عالی قدر بزرگوں کی طرف سے آزادی کے لیے کی گئی کوششوں کا پتا دیتی ہے اور ان کے ملی و علمی کارناموں سے آگاہ کرتی ہے۔ اس کتاب کے صفحات کی تعداد 629 ہے اور یہ کتاب مارچ 1999ء میں مکتبہ قدوسیہ لاہور کی طرف سے طبع ہوئی۔

کاروان سلف

اس کتاب میں بیسویں صدی عیسوی کے بیس فحول علمائے اہل حدیث کے حالات زندگی حیطہ تحریر میں لائے گئے ہیں۔ ان تاریخ ساز اور نامور علمائے کرام میں، مولانا عبدالوہاب دہلوی، مولانا سید محمد شریف گھڑیالوی، مولانا عطاء اللہ شہید، مولانا نیک محمد، حکیم نورالدین لائل پوری، مولانا عبدالستار دہلوی، مولانا عبداللہ اوڈ، مولانا سید محب اللہ شاہ راشدی، مولانا عبداللہ لائل پوری، مولانا سید بدیع الدین راشدی، مولانا محمد رفیق خاں پسروری اور حافظ محمد عبداللہ بہاول

پوری کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں۔ کاروان سلف کا ہر معزز رکن اپنی ذات میں ایک انجمن تھا۔ بلاشبہ یہ نیک طینت لوگ قول کے سچے، عمل میں پختہ اور کردار کے مثالی تھے۔ انھوں نے ہندوستان کے صنم کدہ ظلمت میں توحید وسنت کی اشاعت کی۔ قرآن وحدیث کی دعوت وتبلیغ کے ذریعے لوگوں میں اسلامی تعلیم کو پھیلایا اور احکام نبوت کی اہمیت اجاگر کر کے عمل بالحدیث کو فروغ دیا۔ بھٹی صاحب نے داعیان حق کے ان تابندہ ستاروں کی کہکشاں سجا کر جماعت پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کاروان سلف ہماری گزشتہ صد سالہ دعوتی، تبلیغی، تصنیفی، تدریسی اور دینی سرگرمیوں کا آئینہ پیش کرتی ہے۔ اس خوبصورت کتاب کو ہمارے فاضل دوست مولانا محمد سرور عاصم صاحب نے اپنے اشاعتی ادارے مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد کی طرف سے 1999ء میں شائع کیا۔ صفحات کی تعداد 516 ہے۔

قافلہ حدیث

26 علمائے اہل حدیث کے حالات وواقعات پر مشتمل شخصی خاکوں کا یہ چوتھا مجموعہ ہے۔ اس میں دل چسپ پیرائے میں ان عظیم المرتبت علمائے اہل حدیث کے حالات زندگی احاطہ تسوید میں لائے گئے ہیں۔ اس مجموعے میں شامل ہندوستان اور پاکستان کی چند معروف شخصیات کے نام یہ ہیں: مولانا سید امیر علی ملیح آبادی، مولانا محمد سلیمان روڑی والے، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، صوفی نذیر احمد کاشمیری، مولانا شمس الحق سلفی، حافظ عبداللہ بڈھیمالوی، مولانا محمد حنیف ندوی، پروفیسر عبدالقیوم، مولانا نور حسین گھرجاکھی، مولانا محی الدین لکھوی، حافظ عبدالقادر روپڑی، مولانا عبدالعظیم انصاری، مولانا محمد صادق خلیل، ڈاکٹر محمد لقمان سلفی، ڈاکٹر وصی اللہ اور مولانا محمد عزیر شمس۔

یہ کتاب پہلی بار جنوری 2003 میں مکتبہ قدوسیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔ کتاب کے صفحات 645 ہیں۔

اب بھٹی صاحب کی دیگر تاریخی وسوانحی کتب اور تراجم کا تعارف پیش کیا جاتا ہے:

قصوری خاندان

مولانا عبدالقادر قصوری اس خطہ ارض کی ممتاز شخصیت اور عظیم سیاسی رہنما تھے۔انھوں نے آزادی برصغیر کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور دامے درمے، قدمے سخنے اس تحریک میں شامل رہے۔ان کے صاحب زادوں مولانا محی الدین احمد قصوری، مولانا محمد علی ایم اے کینٹب قصوری، مولوی احمد علی اور میاں محمود علی قصوری بار ایٹ لا نے بھی اپنی بساط کے مطابق آزادی کے لیے کام کیا۔ان کے علاوہ مولانا عبدالقادر قصوری کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالحق وکیل اور مولانا عبداللہ قصوری بھی دینی وملی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

مذکورہ کتاب میں قصوری خاندان کے ان لائق صد احترام بزرگوں کے حالات تفصیل کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور ان کی علمی، سیاسی، سماجی اور ملی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔کتاب بہت سی نادر معلومات کا خزینہ ہے اور ہماری سیاسی اور جماعتی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔208 صفحات کی کتاب یہ 1994ء میں مکتبہ تعلیمات اسلامیہ ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد) کی طرف سے شائع کی گئی۔

میاں فضل حق اور ان کی خدمات

یہ کتاب جماعت اہل حدیث کے بہی خواہ اور محسن میاں فضل حق مرحوم (سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان اور صدر جامعہ سلفیہ فیصل آباد) کی خدمات جلیلہ کے ضمن میں تحریر کی گئی ہے۔اس کتاب میں میاں صاحب اور ان کے خاندانی حالات کو تفصیل سے ضبط تحریر میں لایا گیا ہے اور ساتھ ہی برصغیر پاک وہند میں بیسویں صدی کی اہل حدیث کی تاریخ بھی بیان کردی گئی ہے۔

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تنظیمی وسیاسی تاریخ پر یہ کتاب دستاویز کی حامل ہے۔صفحات 240۔طبع اگست 1997ء ہے۔

برصغیر میں اہل حدیث کی آمد

اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ برصغیر میں اہل حدیث کب آئے اور انھوں نے کس

طرح کتاب وسنت کو فروغ دیا۔کتاب بیس ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں تحقیق سے مستند مواد جمع کیا گیا ہے۔مسلک اہل حدیث کو سمجھنے اور اس گروہ باصفا کے عقائد ونظریات اور دعوتی وتبلیغی سرگرمیوں سے آگاہی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بے حد مفید ہے۔اس کتاب میں برصغیر میں تشریف لانے والے صحابہ کرام،تابعین عظام اور مبلغین دین کا تعارف بھی کرایا گیا ہے او مختلف فقہی مسالک کے متعلق بھی بہت سی معلومات دی گئی ہیں۔اس موضوع پر یہ اولیں کتاب ہے۔348 صفحات پر مشتمل یہ کتاب 2004ء میں مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے طبع ہوئی۔

صوفی محمد عبداللہ

صوفی محمد عبداللہؒ ولی کامل تھے،وہ اصلاً ضلع گوجراں والا کے شہر وزیر آباد سے تعلق رکھتے تھے۔چھوٹی عمر میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی جماعت مجاہدین سے منسلک ہو گئے تھے۔آزادی کی تحریک میں انھوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

انگریز کے مظالم برداشت کیے۔1922 کے لگ بھگ انھوں نے ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد) کے نواح میں چک نمبر493اوڈاں والا میں ایک دارالعلوم قائم کیا اور 1965 میں جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن میں تعمیر کیا۔دونوں مقامات کے مدارس میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہے۔حضرت صوفی صاحب28اپریل1975ءکو فوت ہوئے۔اس کتاب میں محترم بھٹی صاحب نے حضرت صوفی صاحب کے حالات،خدمات اور آثار کو خوبصورتی سے اجاگر کیا ہے اور اس مردحق آگاہ کی تحریکی،تنظیمی اور دینی زندگی کے مختلف گوشوں کی نقاب کشائی کی ہے۔اس کتاب میں جماعت مجاہدین کی تاریخ،لائل پور کی تاریخ،حضرت صوفی صاحب کے معتقدین کا مفصل تذکرہ آ گیا ہے۔اس کتاب کا ایک اہم باب صوفی صاحب کی قبولیت دعا کے واقعات پر مشتمل ہے۔اور آخر میں صوفی صاحب کے معمولات اور اوراد وظائف بھی لکھے گئے ہیں۔کتاب دلچسپ اور تاریخی معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔اس کتاب کا مقدمہ مولانا

حافظ احمد شاکر صاحب نے لکھا ہے۔ کتاب کے صفحات کی تعداد 446 ہے۔ فروری 2006 میں یہ کتاب مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

میاں عبدالعزیز مالواڈہ

میاں صاحب مرحوم برصغیر کی عظیم شخصیت تھے۔ سیاست، وکالت اور دینی و مذہبی اعتبار سے ان کا بڑا نام تھا۔ انھوں نے سرزمین پاک وہند میں ملک وملت کے لیے بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے میاں عبدالعزیز مالواڈہ بار ایٹ لا مرحوم کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی ہے۔ نیز ان کے خاندانی حالات، شگفتہ پیرائے میں تحریر کیے ہیں۔ یہ کتاب برصغیر میں مسلمانوں کی صد سالہ جدوجہد آزادی کا ایک درخشاں باب ہے۔

اس میں ارائیں برادری کی تاریخ بیان ہوئی ہے اور مسلم لیگ کی تنظیم کا تذکرہ بھی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مالواڈہ مرحوم کے 16 بڑے مقدمات کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔ ان مقدمات میں مولانا ظفر علی خاں کا مقدمہ، غازی محمود دھرم پال کا مقدمہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری کا مقدمہ، غازی علم الدین شہید کا مقدمہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمے خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ مالواڈہ مرحوم کا سفرنامہ حج 1966 بھی شامل کتاب کیا گیا ہے جو بڑا دلچسپ ہے۔ غرض یہ کتاب بہت سے سیاسی پہلوؤں اور تاریخی واقعات پر محیط ہے۔ چھ سو صفحات کی یہ کتاب دسمبر 2006 میں کتاب سرائے اردو بازار، لاہور نے شائع کی۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

قاضی صاحب مرحوم (سابق سیشن جج ریاست پٹیالہ) اپنے علم وعمل، گفتار وکردار، عدل وانصاف، تقویٰ پرہیزگاری اور قرآن وسنت اور سیرت مصطفیٰ ﷺ سے حد درجے شیفتگی کے لحاظ سے اونچے مرتبے کے حامل تھے۔ ان کے فضل وکمال اور اوصاف حمیدہ کا ایک زمانہ معترف

ہے۔سیرت النبی پر ''رحمۃ للعالمین'' ان کی نہایت لائق تحسین اور شہرہ آفاق کتاب ہے۔

محترم بھٹی صاحب نے اپنی اس تصنیف میں قاضی صاحب کی خدمات بوقلموں اور اوصاف وکمالات نہایت صراحت سے بیان کیے ہیں اوران کی مسلکی، ملی، علمی، دینی، تصنیفی اور تفسیری خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے جہاں قاضی صاحب اوران کے خاندان کے عالی قدر افراد کی خدمات کا پتا چلتا ہے' وہاں یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ قاضی صاحب قانون دان، ماہر حدیث رسول، بلند پایہ مفسر قرآن اور مصنف وسیرت نگار کی حیثیت سے کس درجہ بلند مقام پر فائز تھے۔

یہ کتاب تاریخی وسوانحی ادب میں گراں قدر اضافہ ہے۔محترم بھٹی صاحب نے قاضی صاحب مرحوم کے حالات وواقعات نہایت محبت وخلوص اور عقیدت سے تحریر کیے ہیں۔ پانچ سو صفحات کی یہ کتاب فروری 2007ء میں مکتبہ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے زیور طبع سے آراستہ ہوئی۔

مولانا ابوالکلام آزاد، ایک نابغہ روزگار شخصیت

مولانا ابوالکلام آزاد کے نام اور کام سے ایک دنیا آگاہ ہے۔ان سے متعلق بہت سے لوگوں نے لکھا اور خوب لکھا۔مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے بھی اپنی کتاب بزم ارجمنداں میں مولانا آزاد پر طویل مضمون حوالہ قرطاس کیا۔اس مضمون میں جہاں مولانا آزاد سے اپنی بے پناہ محبت و عقیدت کا اظہار کیا وہیں ان کی زندگی کے مختلف گوشوں کو بھی اجاگر کیا۔ بلاشبہ یہ مضمون اپنے منفرد اسلوب کے باعث ''شخصی خاکہ نگاری'' میں انفرادیت کا حامل ہے۔اس کی وقعت کے پیش نظر خدابخش اورنٹیل پبلک لائبریری پٹنہ (ہندوستان) کی طرف سے 2001 میں اسے خوبصورت کمپوزنگ، عمدہ کاغذ اور بہترین طباعت کے ساتھ کتابی سائز کے 132 صفحات پر شائع کیا ہے۔اب اس مضمون کو مولانا آزاد پر لکھی جانے والی کتب میں ایک مستقل کتاب کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔

برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن

اس کتاب میں پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کے علمائے اہل حدیث کی قرآنی خدمات پر تفصیل سے معلومات دی گئی ہیں اور ان علمائے کرام نے قرآن مجید سے متعلق جس نوعیت کا کام کیا ہے اسے وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں لائق مصنف نے 185 علمائے اہل حدیث اور 2 عالمات کی قرآنی خدمات کا تذکرہ کیا ہے اور اپنے اسلوب نگارش کو ایک نئی جہت دی ہے۔ خدام قرآن لکھ کر بھٹی صاحب نے جماعت اہل حدیث پر احسان عظیم کیا ہے۔ یہ پہلی اور اپنی طرز کی منفرد کتاب ہے جس میں اتنے علمائے اہل حدیث کے مختصر حالات اور قرآنی خدمات کو مجموعے کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ کتاب کے صفحات سات سو ہیں۔ طبع 2006 مکتبہ قدوسیہ لاہور۔

ریاض الصالحین اردو ترجمہ

حدیث کی یہ کتاب امام ابوزکریا یحییٰ﷫ کی تالیف ہے۔ اس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات، تقویٰ، اخلاص اور حقوق و معاملات پر مشتمل احادیث ہیں۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے اس کتاب کا عربی سے اردو میں سلیس ترجمہ کیا ہے اور بعض جگہ مفید حواشی لکھے ہیں۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ دو جلدوں میں مشتاق بک کارنر اردو بازار لاہور نے شائع کیا۔

ابوبکر صدیق ﷛

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق﷛ کے حالات و واقعات پر یہ کتاب معروف مصری مصنف محمد حسین ہیکل کی عربی تصنیف کا شگفتہ اور سلیس اردو ترجمہ ہے۔ ترجمہ پڑھ کر اصل کا گمان ہوتا ہے۔ بھٹی صاحب نے عربی و اردو زبان کی نزاکتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے اور کتاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ 620 صفحات کی یہ کتاب مئی 1998ء میں فیصل ناشران و تاجران کتب اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع کی گئی۔

لشکر اسامہ کی روانگی

ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب کی اس قابل قدر عربی تصنیف کا اردو ترجمہ کرنے کا اعزاز بھی بھٹی صاحب کو حاصل ہے۔ دسمبر 1999ء میں یہ کتاب مکتبہ قدوسیہ کی طرف سے شائع ہوئی۔

لسان القرآن (جلد سوم)

مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم قرآن مجید سے بے پناہ شغف رکھتے تھے۔ ندوۃ العلماء لکھنو سے انھوں نے تفسیر قرآن میں درجہ تخصص کیا تھا۔ بلند پایہ مفسر تھے۔ ''سراج البیان'' کے نام سے انھوں نے قرآن کی تفسیر لکھی۔ 1979ء میں انھوں نے لسان القرآن کے نام سے حروف تہجی کی ترتیب سے قرآن مجید کا توضیحی لغت لکھنا شروع کیا تھا۔ الف سے دال تک ان کے تحریر فرمودہ آٹھ حروف دو ضخیم جلدوں کا احاطہ کر گئے۔ ابھی یہ کام جاری تھا کہ مولانا چل بسے۔ ان کے بعد اس کام کو بھٹی صاحب نے آگے بڑھایا اور ذال، را، زا تین حروف لکھے اور ان کی تشریح کی۔ 342 صفحات کی کتاب مکمل ہوگئی۔ یہ کتاب 1999ء میں مکتبہ علم و عرفان لاہور سے طبع ہوئی۔ افسوس کہ بھٹی صاحب بھی اس دار فانی سے کوچ کر گئے اب دیکھیں اللہ تعالیٰ کس عالم دین کو یہ سعادت بخشتا ہے کہ وہ اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیں۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

چہرہ نبوت

سیرت رسول ﷺ کے موضوع پر اپنی طرز کی اس منفرد کتاب میں قرآنی آیات کی روشنی میں نبی ﷺ کی نبوت و رسالت کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ کتاب 30 ابواب پر مشتمل ہے۔ ابتدائی انیس (19) ابواب مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم کے لکھے ہوئے ہیں جب کہ بقیہ گیارہ (11) ابواب بھٹی صاحب نے ندوی صاحب کے اسلوب میں لکھ کر اس کتاب کی تکمیل کی ہے۔ صفحات 326، مکتبہ علم و عرفان اردو بازار لاہور کی طرف سے 1999 میں طبع ہوئی۔

اسلام کی بیٹیاں

یہ کتاب محترم بھٹی صاحب کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو انھوں نے اسلام کی برگزیدہ خواتین کے حالات وواقعات کے ضمن میں تحریر کیے تھے اور یہ مضامین 50 سال پہلے 1965ء میں روزنامہ امروز میں اشاعت پذیر ہوئے تھے۔

بھٹی صاحب کے چھوٹے بھائی سعید احمد بھٹی نے ان مضامین کو سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ وقت آنے پر ان مضامین کو ازسرِنو نظر ثانی کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا گیا۔ کتاب کے صفحات 600۔ ناشر: مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور، طبع جنوری 2001۔

ارمغانِ حدیث

معاملات سے متعلق یہ کتاب نبی ﷺ کے ایک سو (100) فرامین کا دلآویز مجموعہ ہے۔ اس کا ترجمہ اور وضاحت 272 صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر شخص کو کرنا چاہیے تاکہ معلوم ہو کہ معاملات سے متعلق نبی ﷺ نے مسلمانوں کو کن زریں ہدایات سے نوازا ہے۔ اس موضوع پر یہ اولین کتاب ہے۔ طارق اکیڈمی فیصل آباد نے یہ کتاب اگست 2008 میں شائع کی۔

دبستانِ حدیث

یہ کتاب برصغیر کے ان اہل حدیث علمائے کرام کے بارے میں ہے جنھوں نے حدیث یا شروح حدیث یا فتاویٰ پر کام کیا یا تدریسی خدمات سرانجام دیں۔ اس میں برصغیر پاک وہند کے (60) علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث کا منفرد تذکرہ ہے۔ حضرت شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ اور ان کے (11) تلامذہ کے حالات تفصیل سے لکھے گئے ہیں اور دیگر (48) علمائے اہل حدیث کی خدمات حدیث کو اجاگر کیا گیا ہے۔ جن میں بعض موجودین بھی شامل ہیں۔ 673 صفحات پر محیط یہ کتاب دسمبر 2008 میں مکتبہ قدوسیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوئی۔

ہفت اقلیم

یہ کتاب اپنے انداز کی منفرد کتاب ہے جو اپنے دامن میں بے حد ندرت کا پہلو لیے ہوئے ہے۔ اس میں مولانا مودودی، علامہ احسان الٰہی ظہیر، حکیم عبداللہ روڑوی، غازی محمود دھرم پال، مولانا عبدالقادر رائے پوری، مولانا محمد اسحاق چیمہ اور مولانا محمد یحییٰ شرق پوری کے بارے میں لکھا گیا ہے۔ سات عظیم المرتبت شخصیات کے حالات وواقعات پر مشتمل یہ کتاب پانچ سو (500) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔

گزر گئی گزران

مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اب تک سینکڑوں رجال و شخصیات پر لکھا ہے انہوں نے اپنی تحریروں میں اپنی سرگذشت بھی بیان کی ہے جو نہایت دلچسپ ہے۔ بعض حضرات کا اصرار تھا کہ بھٹی صاحب اپنی آپ بیتی لکھیں۔ ''گزر گئی گذران'' اسی کی عملی تصویر ہے۔ کسی ادیب و مؤرخ کا اپنے بارے لکھنا پل صراط سے گزرنے کے مترادف ہے۔ اور بھٹی صاحب نے خوش اسلوبی سے اس منزل کو طے کیا ہے۔ اردو ادب میں آپ بیتی لکھنے کا آغاز انیس ویں صدی میں ہوا تھا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس صنف نے بڑی شہرت حاصل کی۔ اور بڑی بڑی نامور شخصیات نے اپنی آپ بیتیاں لکھیں۔ یہ کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک شاندار کڑی ہے۔ ''گزر گئی گزران'' ایک دلچسپ آپ بیتی ہے۔ اس میں آپ بیتی کے ساتھ جگ بیتی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ بھٹی صاحب نے نہایت شستہ پیرائے میں اپنے حالات' خاندانی پس منظر' اپنے آباؤ اجداد کا تعارف' اپنی تعلیمی و تدریسی سرگرمیوں کا احوال' ہفت روزہ الاعتصام' منہاج التوحید اور المعارف کی ادارت کی تفصیل اور مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے صدر مولانا سید داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گزرا ہوا دور' اپنے استاد گرامی مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کا ذکر خیر' پاک و ہند کی مختلف جماعتوں اور تنظیموں کا تعارف' قیام پاکستان کے بعد کی چند مذہبی اور سیاسی جماعتیں' چند شخصیات اور چند واقعات وغیرہ پر بڑی دلچسپ معلومات فراہم کی ہے۔ کتاب

ستائیس ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب کا مقدمہ معروف کتاب دوست پروفیسر عبدالجبار شاکر صاحب (وفات 13 اکتوبر 2009ء) نے لکھا ہے۔ وہ اس کتاب کے بارے لکھتے ہیں۔ "ایک درویش کی یہ سرگذشت" برصغیر کی گذشتہ ایک صدی کی جگ بیتی بھی ہے۔ اس میں زندگی اور زمانے کے سارے احوال و حوادث سمٹ آئے ہیں۔ بالخصوص برصغیر کی سیاسی تقسیم نے دنیا کی سب سے بڑی ہجرت کو جنم دیا جس کے جلو میں مصائب کا ایک سیل بے پناہ موجود تھا مسلمانوں نے آگ اور خون کے اس دریا سے گزرتے ہوئے ایک عظیم مقصد کے لئے بے پناہ قربانیاں دیں مگر اے آرزو کہ خاک شد۔ بھٹی صاحب کے قلم نے اس المیہ کی تمام تفصیلات کو مائیکروسکوپ کے منظر کی طرح پیش کر دیا ہے۔ ایسی واقعاتی تفصیلات اور جزئیات آپ کو کسی دوسری آپ بیتی میں کم دکھائی دیں گی۔ اس آپ بیتی کے جس پہلو نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ ہے کہ مصنف نے اپنی زندگی کے کسی واقعہ کے کسی پہلو کو چھپانے کی کوشش نہیں کی اور ہر بات سچائی سے لکھ دی ہے۔ یہی وہ جوہر ہے جو کسی آپ بیتی کو عظمت کا تاج اور بقائے دوام کا خلعت پہنا دیتا ہے۔ اس آپ بیتی میں برصغیر کی تاریخی، سیاسی، مذہبی، علمی، ثقافتی اور معاشرتی زندگی کے ایسے نقشے ملیں گے جو سب یک جا صورت میں کسی اور جگہ میسر نہیں آتے۔ اس میں برصغیر کے مختلف شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والی شخصیات اور اکابر کا بڑا عمدہ تذکرہ ملتا ہے۔ کسی تصنیف بالخصوص آپ بیتی میں وقائع اور اسلوب کی ایسی صفات کا جمع ہونا مصنف کے تزکیہ نفس اور مکارم اخلاق سے متصف ہونے کی دلیل ہے۔ قارئین اس دل چسپ اور خرد افروز داستان حیات کا مطالعہ کریں گے تو انہیں اس میں شعلہ و شبنم کا امتزاج ملے گا۔ بھٹی صاحب نے "گزر گئی گزران" میں تجربات کا تنوع، مشاہدات کی گہرائی، واقعات کا استحضار، مطالعے کی وسعت، حافظے کی نعمت، اظہار کی قدرت، اسلوب کی ندرت اور دین کی حمیت جیسی اقدار اور خصائص کو پیش کر کے ادبیات اردو کے دامن میں ایک مستقل معیار کی حامل آپ بیتی کا اضافہ کیا ہے۔"

اس کتاب کے صفحات 466 ہیں اور اس کی اشاعت اول کتاب سرائے اردو بازار

لاہور کی طرف سے 2011 میں ہوئی۔

برصغیر میں اہل حدیث کی اولیات

برصغیر پاک وہند میں جماعت اہل حدیث کے افراد نے دینی وسیاسی میدانوں میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ان میں کچھ کام ایسے ہیں جن کو اولیات کا درجہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ کہ وہ جماعت اہلحدیث کی خدمات کے مخفی گوشوں کو اجاگر کرنے میں ہمہ تن مستعد رہتے تھے پیش نگاہ کتاب ان کی اسی جماعتی خدمات کا خوبصورت نمونہ ہے۔ اس کتاب میں بھٹی صاحب نے برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی اولیات کو موضوع سخن بناتے ہوئے' قرآن مجید کے تراجم وتفاسیر' کتب حدیث کے تراجم وشروح' مناظرانہ سرگرمیاں' قادیانیت کے خلاف جدوجہد' آزادی برصغیر کے لئے تگ وتاز' عربی ادبیات' اردو سے عربی تراجم کی چند مثالیں' قرآن وحدیث کے ہندی تراجم اور چھوٹی چھوٹی چند فقیرانہ اولیات' ان عنوانات پر بھٹی صاحب نے اہل حدیث کی نو اولیات کا تذکرہ کیا ہے اور اس سلسلے میں معلومات کے دریا بہائے ہیں۔ کتاب کا مقدمہ ہندوستانی عالم دین فضیلۃ الشیخ صلاح الدین مقبول نے لکھا ہے جو اولیات سے متعلق بہت سی معلومات پر محیط ہے اور اس میں بھٹی صاحب کا تعارف اور انکی تصنیفی خدمات کا بھی تذکرہ آ گیا ہے۔ 182 صفحات پر مشتمل یہ کتاب مولانا عارف جاوید محمدی صاحب اور ان کے رفقاء کویت کی خواہش پر ستمبر 2012ء میں دار ابی الطیب حمید کالونی گوجرانوالہ پاکستان کی طرف سے شائع ہوئی۔

گلستان حدیث

گلستان حدیث محترم بھٹی صاحب کے سلسلہ تاریخ اہلحدیث کی چوتھی کتاب ہے۔ اس کتاب میں 84 خادمین حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ 58 مرحومین اور چھبیس موجودین کتاب کے شروع میں مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی' حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی' مولانا معین الدین انصاری سہسوانی اور مولانا غلام العلی قصوری کے حالات اور خدمات حدیث کا تذکرہ ہے۔ اس کے

بعد حضرت میاں نذیر حسین محدث دہلوی کے بیس جلیل القدر تلامذہ کے کوائف حیات کی وضاحت کی گئی ہے اور ان کی تصنیفی و تدریسی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ پھر ان چونتیس علمائے کرام کا تذکرہ ہے جنہوں نے حضرت میاں صاحب کے شاگردوں یا ان کے شاگردوں یا ان کے بعد کے علماء سے استفادہ کیا۔ آخر میں چھبیس موجودین خدام حدیث کے ضروری تراجم ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں۔ ان میں ایک خاتون غزالہ حامد بنت پروفیسر عبدالقیوم مرحوم کا بھی تذکرہ ہے۔ کتاب کے ناشر جناب ابوبکر قدوسی کے الفاظ میں۔" اس کتاب میں ایسے نامور علمائے اہل حدیث کا تذکرہ ہے کہ جنہوں نے کسی بھی اعتبار سے حدیث شریف کی خدمت کی ہے۔ چونکہ یہ علمائے اہل حدیث کا تذکرہ ہے اور ایک مرتب سلسلے کی کڑی ہے۔ اس لئے اس میں خاکہ نویسی سے زیادہ تذکرہ نگاری اور تاریخ نویسی کا رنگ غالب ہے۔ جناب بھٹی صاحب کی یہ علمی کاوش بلاشبہ تاریخ کے طالب علموں کے لئے ایک توشہء خاص ہے۔ مستقبل کا مؤرخ حضرت بھٹی صاحب کی تصانیف سے کس صورت بے نیاز نہیں رہ سکتا کیونکہ ان کتب میں معلومات کا ایک جہان آباد ہے۔"

کتاب کے آغاز میں عرض ناشر اور مصنف کے حرفے چند کے علاوہ مولانا عبدالخالق مدنی (الکویت) کا معلومات سے لبریز مقدمہ ہے جس میں حفاظت حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور اس ضمن میں ایسے خدام حدیث کے واقعات لکھے گئے ہیں جنہوں نے نبی علیہ السلام کے فرامین کے حفظ اور حفاظت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیا تھا۔ اس کتاب کے صفحات 585 ہیں اور سال اشاعت 2011ء ہے۔

استقبالیہ و صدارتی خطبات

دین اسلام کی نشر و اشاعت کا ایک بہت بڑا اور مؤثر ذریعہ دینی اجتماعات اور کانفرنسوں کا انعقاد ہے۔ جماعتوں کی بقاء اور زندگی کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔ وہی جماعتیں زندہ و جاوید رہتی ہیں جو دینی و اسلامی اجتماعات منعقد کر کے اپنی جماعتی خدمات کو اجاگر کرتی

ہیں۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان وطن عزیز کی ان قابل قدر دینی تنظیموں سے ایک ہے جو اپنے قیام جولائی 1948ء سے اب تک دین اسلام کی اشاعت' مسلک اہل حدیث کے فروغ اور قرآن و حدیث کی خالص تعلیم کو اجاگر کرنے میں پیش پیش ہے۔ اس سلسلے میں مرکزی جمعیت اہل حدیث نے بڑے بڑے دینی اجتماعات اور کانفرنسوں کا انعقاد کیا ہے اور علمائے کرام نے اپنے مواعظ عالیہ سے سامعین کو مستفید فرمایا۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے مدیر مسؤل اور المکتبۃ السلفیہ لاہور کے مالک و مدیر محترم حافظ احمد شاکر صاحب لکھتے ہیں۔ ..... ''چنانچہ مرکزی جمعیت اہل حدیث سے منسلک افراد اپنی مقامی جماعت کو جمعیت اہل حدیث کے نام سے سال بھر متعارف کرواتے' اس کے نام سے (مقامی) جلسے کرواتے اور اسی نام سے حسب توفیق مسلکی لٹریچر کی اشاعت کرتے' پھر سال یا دو سال کے بعد کسی شہر میں ایک کانفرنس کا انعقاد عمل میں لایا جاتا' جس کی میزبانی کے لئے ہر شہر کی جماعت کا ہر شخص مستعد ہوتا۔ اسے مرکزی جمعیت اہل حدیث کی سالانہ کانفرنس کا نام دیا جاتا۔''

ہر کانفرنس کا صدر استقبالیہ کانفرنس کے پہلے اجلاس میں شہر انعقاد سے متعلقہ تاریخی' جغرافیائی اور مسلکی خدمات کا تذکرہ کرتا اور اپنے رفقائے کار کی طرف سے مہمانوں کو خوش آمدید کہتا۔ کانفرنس کی صدارت کے لئے ہر دفعہ ملکی سطح کی کسی اہم علمی اور خاندانی شخصیت کو منتخب کر کے ان کی خدمت میں ''صدارت'' قبول فرمانے کی درخواست کی جاتی۔ صدارت کا اعزاز قبول کرنے والے حضرات گرامی کانفرنس کے پہلے اجلاس کی صدارت بایں انداز فرماتے کہ خطبہ صدارت ارشاد فرماتے۔ جس میں وہ مسلک کی حقانیت' محدثین سے تعلق اور انکی خدمات کا بھی تذکرہ فرماتے۔ مرکز کی افادیت' اہمیت' خدمات اور اس کے مقاصد پر سیر حاصل تبصرہ بھی کرتے اور اصلاح احوال کی تجاویز سے بھی مرکزی جمعیت اہل حدیث کو نوازتے''

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب استقبالیہ و صدارتی خطبات کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں خطبہ استقبالیہ اور خطبہ صدارت کو کانفرنس کی اصل روح قرار دیا جاتا ہے۔ خطبہ استقبالیہ میں مہمانوں کا خیر مقدم کیا جاتا ہے اور حاضرین کو مقامی طور سے جماعتی' سیاسی اور تاریخی و

معاشی حالات اور بعض دیگر کوائف سے مطلع کیا جاتا ہے۔ جبکہ خطبہ صدارت میں جماعت کی پالیسی اور گذشتہ کارکردگی پر روشنی ڈالی جاتی ہے اور عملی وحرکت کے آئندہ منصوبوں کی تفصیلات بیان کی جاتی ہیں۔ پھر وہ صدارتی تحریریں جماعت کی ایک مستقل تاریخ کی حیثیت اختیار کر لیتی ہیں، جن کی روشنی میں آئندہ نسلیں اور جماعتی ارکان اپنا لائحہ عمل تیار کرتے ہیں۔ اپنے ماضی کے بزرگوں کے کارنامے پڑھتے ہیں اور انہیں اپنے لئے مشعل راہ بناتے ہیں''

اس فکر کو ملحوظ رکھ کر جماعت اہل حدیث کے والا وشیدا اور محسن، مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم ومغفور نے پیش نظر کتاب ''استقبالیہ وصدارتی خطبات'' کو مرتب کیا ہے۔ اگرچہ کرنے کا یہ کام مرکزی جمعیت اہل حدیث کے ارباب اختیار کا تھا لیکن اس مشینی اور سیاسی دور میں کسی کے پاس اس طرح کے علمی کام کرنے کی فرصت کہاں؟ اس وقت جماعت اہل حدیث میں بڑے بڑے لکھاری اور محقق ہیں لیکن کسی نے اس طرف توجہ مبذول نہیں کی آخر یہ عظیم کام بھی محترم بھٹی صاحب نے محنت شاقہ سے سرانجام دے دیا۔ یہ کتاب تئیس اہل حدیث کانفرنسوں کے خطبات استقبالیہ اور صدارتی خطبات کا مجموعہ ہے۔ اس میں بڑے بڑے نامی علماء کے خطبات شامل ہیں جنہیں پڑھ کر جماعت اہل حدیث کی دینی، سیاسی اور فکری مساعی کی تگ وتاز کا پتا چلتا ہے۔ کتاب اپنے مندرجات کے اعتبار سے بہت عمدہ ہے۔ جماعتی اور تاریخی ذوق رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب خاصے کی چیز ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ زبانی گفتگو تو ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے اور لکھا ہوا ہمیشہ محفوظ رہتا ہے۔ محترم بھٹی صاحب نے جس محنت، خلوص اور محبت سے اس کتاب کو مرتب کیا ہے اس سے ان کی مرکزی جمعیت اہلحدیث سے بے لوث وارفتگی اور مثالی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔ کتاب کا ''کلمہ ناشر'' مولانا حافظ احمد شاکر صاحب نے لکھا ہے اور اسے شائع کرنے کا اعزاز مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمۃ اللہ علیہ کے قائم کردہ ادارہ المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور کو حاصل ہے۔ کتاب کے صفحات 368 اور سن اشاعت فروری 2012ء ہے۔

تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی

مولانا غلام رسول قلعوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اپنے دور کے فحول علمائے کرام میں ہوتا

تھا۔ وہ عالم دین بھی تھے' مبلغ اسلام بھی' توحید وسنت کے داعی بھی' تصوف وسلوک کے رمز شناس بھی' مستجاب الدعوات بزرگ بھی' ولی اللہ بھی' عابد و زاہد بھی' بلا شبہ مولانا غلام رسول اپنے اوصاف وکمالات کے اعتبار سے اونچے مقام و مرتبہ کے عالم دین اور ولی اللہ انسان تھے۔ انہوں نے گوجراں والا اوراس کے گردنواح میں اپنے وعظ کی اثر آفرینی اورتوحید وسنت کے مواعظ سے بے شمار لوگوں کے عقائد کی اصلاح کرتے ہوئے انہیں دین اسلام کی تعلیم سے آشنا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈیڑھ سو سال ہونے کو آیا ان کی تبلیغی مساعی کے اثرات آج بھی اس علاقے میں نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ قلعہ میہاں سنگھ میں ان کی پرشکوہ مسجد اوراس کے خادم حافظ حمید اللہ صاحب آج بھی ان کی باقیات الصالحات کی صورت میں لوگوں کی محبت وتوجہ کا مرکز ہیں۔

پیش نگاہ کتاب مولانا غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح اور حالات وواقعات کا خوب صورت مجموعہ ہے اسے محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے نہایت محبت وعقیدت اور جاں فشانی سے مرتب کیا ہے۔ کتاب اڑتیس ابواب پر مشتمل ہے۔ اس میں مولانا مرحوم کی ولادت' خاندانی حالات' تحصیل علم' اساتذہ کرام' تحصیل علم کے لئے دہلی روانگی' حضرت میاں صاحب نذیر حسین دہلوی کی خدمت میں' تحصیل علم کے بعد وعظ وتذکیر کی مجالس' مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں حاضری اور وفات وغیرہ پر بڑی تفصیل سے معلومات کو احاطہ تحریر میں لا کر مولانا مرحوم کی زندگی کے گوشوں کو اجاگر کر کے ان کی زندگی کا خوبصورت نقش قارئین کے سامنے لایا گیا ہے۔ کتاب میں مولانا قلعوی کی قبولیت دعا کے واقعات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ مولانا قلعوی مرحوم فارسی اور پنجابی کے قادر الکلام شاعر بھی تھے اس کتاب میں ان کے پنجابی اور فارسی کلام کو بھی نمونے کے طور پر دے دیا گیا ہے۔ ان کا ایک مشہور شعر ہے۔

ولا غافل نہ ہو یک دم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے
باغیچے چھوڑ کر خالی زمین اندر سمانا ہے

حقیقت یہ ہے کہ اس کلام کو پڑھ کر قبر وحشر کا نقشہ سامنے آجاتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں انہوں نے جو اشعار کہے تھے اس سے ان کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ

محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا قلعوی مرحوم کے اس تذکرے کو پڑھ کر روح و قلب میں ایک ایمانی حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ کتاب کے صفحات 528 ہیں اور اشاعت اول فروری 2012ء اور ناشر مولانا غلام رسول ویلفیئر سوسائٹی قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ۔

برصغیر میں اہل حدیث کی سرگزشت

تحریک عمل بالحدیث کی داعی جماعت اہل حدیث کی اس خطے میں تعلیمی' تدریسی تنظیمی اور تبلیغی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ اس جماعت نے دعوت دین کے ان محاذوں پر خوب دلجمعی سے کام کیا ہے اور نیک نامی حاصل کی ہے۔ کاروان عمل بالحدیث کی تاریخ کو احاطہ تحریر میں لانا اور جن لوگوں نے اس تحریک کے لئے اپنی زندگیاں وقف کئے رکھیں ان کے حالات و واقعات کو بیان کرنا بڑی سعادت کی بات ہے۔ بلا شبہ اسلاف کے واقعات کو بیان کرنا اور اپنے ماضی کو یاد رکھنا سعادت مند اخلاف کا شیوا ہے۔ جماعتی تاریخ کو بیان کرنے سے فکر نکھرتی' نسلیں' سنورتی' جماعتیں تشکیل پاتی اور نئی نسل میں ولولہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

جماعت اہل حدیث کے محسن و مؤرخ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب پرانے دور کے آدمی تھے وہ اپنی قدامت پسندی کے باعث ماضی کو ہمیشہ پیش نگاہ رکھتے۔ انہوں نے جو تصنیفی کام کیا ہے اس میں ان کی اسلاف سے محبت اور جماعت اہل حدیث سے والہانہ لگاؤ کی جھلک نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ اس کتاب میں بھٹی صاحب نے اچھوتے اسلوب میں برصغیر میں جماعت اہل حدیث کی تنظیمی' تبلیغی اور تدریسی خدمات کو ضبط کتابت میں لانے کی سعی کی ہے۔

یہ کتاب تیس ابواب پر مشتمل ہے اس کے مندرجات کچھ اس طرح ہیں۔ متحدہ ہند میں اہل حدیث کی تنظیم اور اس کے جلسے' تقسیم ملک سے قبل دہلی کے دینی مدارس' مشرقی پنجاب کے دینی مدارس' مشرقی پنجاب کے شہید علمائے کرام' کتب خانوں کا ضیاع' مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کا قیام' جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا قیام' آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے سالانہ جلسوں کے صدور' پاکستان کی مرکزی جمعیت اہل حدیث کی کانفرنسیں اور ان کے صدور' پاکستان

کے چند تدریسی ادارے اور ہندوستان کے چند مدارس۔اس کتاب میں بھٹی صاحب نے اپنی نگارشات کو فقط مرکزی جمعیت اہل حدیث تک محدود رکھا ہے اس ضمن میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس (جو 1957 میں مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے) نام سے موسوم کردی گئی تھی) کے قیام (1906) سے لے کر پاکستان کی مرکزی جمعیت اہل حدیث کے قیام (1948) تک کے تمام پہلوؤں کو موقع کی مناسبت سے کہیں اختصار اور کہیں تفصیل کے ساتھ بیان کردیا گیا ہے۔ پھر 1948ء سے لے کر حال تک کی پوری جماعتی تاریخ کو جو پاکستان سے تعلق رکھتی ہے۔ بیان کردی گئی ہے۔ پاکستان میں اہل حدیث مدارس کا بھی اچھا خاصہ تعارف کروادیا گیا ہے اور سب سے تفصیلی مضمون جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی تاریخ پر لکھا گیا ہے۔ اور اس سلسلے کی تمام تفصیل بیان کردی گئی ہے۔ 344 صفحات کی اس کتاب میں مرکزی جمعیت اہل حدیث کی پوری تاریخ سمیٹ دی گئی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت اول فروری 2012ء میں المکتبۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے منظر عام پر آئی۔

روپڑی علمائے حدیث

برصغیر پاک و ہند کے مذہبی اور اسلامی حلقوں میں روپڑی خاندان کے علمائے اہل حدیث کو قدر و منزلت کا مقام حاصل ہے۔ اس خاندان کے علمائے کرام نے تقسیم ملک سے پہلے اور بعد دین اسلام کی اشاعت' اسلام کے دفاع اور قرآن وسنت کی ترویج میں بڑا کام کیا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اس کتاب میں مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی' حافظ محمد اسماعیل روپڑی' سلطان المناظرین حافظ عبدالقادر روپڑی' مولانا محمد حسین روپڑی' مولانا عبدالرحمان روپڑی' مولانا محمود احمد روپڑی' حافظ عبدالوحید روپڑی' حافظ عبدالواحد روپڑی' مولانا حافظ عبدالغفار روپڑی اور مولانا حافظ عبدالوہاب روپڑی اور دیگر روپڑی علماء کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب کا سب سے طویل مضمون حضرت حافظ عبداللہ روپڑی کے حالات و واقعات پر محیط ہے۔ اس میں حافظ صاحب کے ذاتی حالات' علمی قابلیت' تدریسی و تصنیفی خدمات کو احاطہ تسوید

میں لایا گیا ہے۔ اور حضرت العلام کی بعض تحریروں اور فتاویٰ کو نقل کر کے ان کے تبحر علمی اور مجتہدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کر کے ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے دور کے بہت بڑے محدث' فقیہ' مجتہد اور مفتی تھے۔ اسی طرح حافظ محمد اسماعیل سلفی اور حافظ عبدالقادر روپڑی کے تذکار میں ان کی دینی جماعتی اور مسلکی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

روپڑی علمائے حدیث پر یہ کتاب انتیس ابواب پر مشتمل ہے اور اس میں گیارہ علماء کے حالات اور دینی خدمات کا تذکرہ ہے اس ضمن میں جماعتی تاریخ کے بیسیوں واقعات اور بہت سی نامور شخصیات کا بھی ذکر خیر آ گیا ہے۔

روپڑی علمائے حدیث پر یہ کتاب ایک انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب کے صفحات 349 ہیں اور یہ پہلی بار مارچ 2013ء میں محدث روپڑی اکیڈمی جامع القدس اہل حدیث چوک دالگراں لاہور کی طرف شائع ہوئی۔

مولانا احمد دین گکھڑوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا احمد دین گکھڑوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور کے عظیم المرتبت عالم دین' کامیاب مناظر' بہترین خطیب اور مسلکی غیرت رکھنے والے غیور عالم دین تھے۔ ان کی ساری زندگی اسلام کی نشر و ترویج' ناموس رسالت کے دفاع اور عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ میں گزری۔ انہوں نے اسلام کے دفاع کے لئے برصغیر پاک و ہند میں عیسائیوں' ہندوؤں' آریہ سماجیوں' قادیانیوں اور دیگر باطل نظریات کے حامل فرقوں سے کامیاب مجادلے' مباحثے اور مناظرے کئے' ایک زمانہ گزرنے کے باوجود ان کی حاضر جوابی' بذلہ سنجی اور علمی رسوخ کے قصے زبان زد عام ہیں۔ مناظروں اور مباحثوں کے علاوہ انہوں نے اپنے وعظ کی اثر آفرینی سے بھی ہزاروں لوگوں کے عقائد باطلہ کی اصلاح کی اور انہیں توحید و سنت کی راہ دکھائی۔ بلاشبہ مولانا احمد دین مرحوم نے بغیر کسی دنیاوی لالچ کے دور دراز علاقوں میں پہنچ کر توحید و سنت کے احیاء اور پیغمبر اسلام کی ناموس کے لئے اپنی زندگی کے شب و روز صرف کئے۔ اس نابغہ عصر عالم دین کی زندگی دلچسپ حادثات و

واقعات کا مجموعہ تھی۔ ان کے حالات و واقعات' تصنیفی خدمات' مناظروں کی دلچسپ روئیداد' انکے خاندانی پس منظر اور جماعتی خدمات کو مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں سمو دیا ہے۔

پچیس ابواب پر مشتمل اس کتاب میں مولانا احمد دین مرحوم کے متعلق نامور اہل قلم کے تاثراتی مضامین بھی شامل ہیں۔ کتاب فقط مولانا گکھڑوی مرحوم کے تذکرے پر محیط نہیں کتاب کے شروع میں متحدہ پنجاب کے بعض اضلاع کے چند علمائے کرام کا تذکرہ ہے۔ دوسرے باب میں گوجرانوالہ کے بیس جید علمائے کرام کے بارے لکھا گیا ہے ان علمائے کرام کا تعلق مختلف مکاتب فکر سے ہے۔ پھر ایک باب میں مولانا گکھڑوی کے رفقائے کرام کا بڑی تفصیل سے ذکر خیر ہے۔ تصانیف کے حوالے سے ان کی تمام مطبوعہ کتب کا تعارف دیا گیا ہے۔ دیکھنے میں تو یہ کتاب مولانا احمد دین سے متعلق ہے لیکن اس میں بیسیوں افراد کا تذکرہ اور تاریخ اہل حدیث کے کئی گوشے اجاگر ہو گئے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت اول 2011ء میں ہوئی اور اس کے صفحات کی تعداد 247 تھی اور اس کا نقش ثانی بہت سے مفید اضافوں کے ساتھ مارچ 2015ء میں دار ابی الطیب گل روڈ حمید کالونی گلی نمبر 5 گوجرانوالہ سے اشاعت پذیر ہوا اس کے صفحات 358 ہیں۔ اس کتاب کے محرک مولانا عارف جاوید محمدی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے جماعت اہل حدیث کے ایک مخلص اور محب عالم دین کے بارے مؤرخ اہل حدیث سے یہ کتاب مرتب کروائی۔

چمنستان حدیث

چند سال پہلے مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ نے اپنے رفقاء کی مشاورت سے تاریخ اہل حدیث کی ترتیب اور اشاعت کو عملی جامہ پہناتے ہوئے مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ سے ''سلسلہ تاریخ اہل حدیث'' کو مرتب کروانے کا سلسلہ شروع کروایا تھا۔ ماشاء اللہ تھوڑے عرصہ میں اس سلسلے کی چار کتابیں' برصغیر میں اہل حدیث کی آمد' برصغیر کے اہلحدیث خدام قرآن' دبستان حدیث اور گلستان حدیث زیور طباعت سے آراستہ ہو کر قارئین سے داد و تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ پیش نگاہ اس سلسلے کی پانچویں کڑی ہے۔ چمنستان حدیث سو

علمائے اہلحدیث کے حالات وواقعات پر مشتمل ایک خوبصورت چمنستان ہے۔ کتاب کے شروع میں حضرت میاں صاحب کے پندرہ نامور تلامذہ کا تذکرہ ہے جن میں سید امیر حسن سہسوانی' سید عبدالباری نقوی سہسوانی حافظ محمد لکھوی' مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی' مولانا عبدالجبار غزنوی' مولانا عبدالجبار عمر پوری' نواب وحید الزماں' قاضی محمد خان پوری' مولانا عبدالواحد غزنوی اور قاضی ابو اسماعیل یوسف حسین خان پوری کے نام نمایاں ہیں ان کے علاوہ دیگر تینتیس (33) خدام حدیث اور پچاس سے اوپر موجودین کا ذکر خیر ہے۔ مرحومین اور موجودین کا تعلق پاکستان ہندوستان اور نیپال سے ہے۔ کتاب معلومات سے بھرپور ہے۔ ہر شخصیت کا تذکرہ اس کے مقام ومرتبہ کے مطابق کیا گیا ہے۔ اکابر اور اصاغر کے تذکرے سے مزین اس کتاب کا ایک ایک لفظ بھٹی صاحب کی علمائے اہل حدیث سے محبت کی عکاسی کرتا ہے۔ معلومات کے ساتھ ساتھ بھٹی صاحب کے اسلوب نگارش کی ندرت اور لطائف وواقعات نے اس کتاب کے ادبی حسن کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ مکتبہ قدوسیہ کے مالک مولانا عمر فاروق قدوسی صاحب کے الفاظ میں اس چمنستان میں قسما قسم کے پھول مہک رہے ہیں اور اپنی سحر انگیز خوشبو سے ماحول کو معطر کر رہے ہیں اس کے باغبان جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی ہمارے خصوصی شکریے کے مستحق ہیں' چمنستان حدیث کا مقدمہ مولانا عبدالخالق المدنی الکویت نے لکھا ہے جس میں ''اسلام میں سند کی اہمیت'' کے موضوع پر بڑی عمدہ بحث کی گئی۔

کتاب کے صفحات کی تعداد 805 ہے اور اشاعت اول مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور کی طرف سے مئی 2015 میں کی گئی ہے۔

تذکرہ مولانا محی الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محی الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اوصاف وکمالات کے اعتبار سے ایک ولی اللہ انسان اور لکھوی خاندان کے گلِ سرسبد تھے۔ انہوں نے اپنے عمل وکردار سے اپنی خاندانی روایات کی خوب پاسبانی کی اور نیک نام ہوئے۔ ان کی دعوتی وتبلیغی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ جسے مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے ضبط کتابت میں لانے کی سعی کی ہے۔

اگر چہ یہ تذکرہ مولانا محی الدین لکھوی کے حالات و واقعات پر محیط ہے لیکن اس میں لکھوی خاندان کی تین سو سالہ دعوتی، تبلیغی، تصنیفی، قرآنی اور حدیثی خدمات سمٹ آئی ہیں۔ لکھوی خاندان میں بڑے بڑے نامی علماء پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں حافظ بارک اللہ لکھوی، حافظ محمد لکھوی، مولانا محی الدین عبدالرحمان لکھوی، مولانا عبدالقادر لکھوی، مولانا محمد علی لکھوی المدنی مولانا معین الدین لکھوی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں دورِ حاضر میں ڈاکٹر عظیم الدین لکھوی، ڈاکٹر حماد لکھوی اور حمود لکھوی صاحب اس خاندان کی قابل قدر اور نمایاں شخصیات ہیں اور وہ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے دعوت دین کا کام کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ کتنے ہی لکھوی علمائے کرام ہیں جو درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ میں مصروف ہیں۔ عالمی شہرت کے حامل قاری نوید الحسن لکھوی مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد کا تعلق بھی لکھوی خاندان سے ہے برصغیر پاک و ہند میں اس وقت جو اہل حدیث علمائے کرام دعوت دین میں مصروف ہیں وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ لکھوی خاندان سے فیض یافتہ ہیں۔ تقسیم ملک سے پہلے لکھو کے ضلع فیروز پور میں مدرسہ محمدیہ اہل علم کی توجہ کا مرکز تھا اور لکھوی علماء سے پڑھنا فخر و اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ بلا شبہ لکھوی خاندان پر بھٹی صاحب کی یہ کاوش بہت سے تاریخی حقائق و واقعات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کے صفحات 457 اور سن اشاعت 2015 ہے اور ناشر ہے مکتبہ اسلامیہ حادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

بھٹی صاحب کی بیماری اور وفات

مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ نے بھرپور طریقے سے زندگی کی 91 بہاریں بسر کیں۔ ان کی صحت بہت اچھی تھی جوانوں سے بڑھ کر عزم و ہمت رکھتے تھے اور ان کا قلم بڑی تیزی سے چلتا تھا اور وہ اپنی زندگی کے آخری دور میں بھی علمائے اہل حدیث کے تذکار پر کئی کتب احاطہ تحریر میں لے آئے تھے۔ کچھ عرصہ پہلے راقم کو ٹیلی فون پر کہنے لگے کہ شخصیات پر میری آخری کتاب ''بوستان حدیث'' ہوگی جو تکمیل کے بعد کمپوزنگ کے مراحل میں ہے۔ اس کے بعد غزنوی علماء پر کتاب لکھوں گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے راقم کو حکم دیا کہ میں ان کی کتاب فقہائے ہند کی تیرہویں

صدی کے حصہ دوئم سے مولانا عبداللہ غزنوی کے حالات فوٹو کاپی کروا کر بجھواؤں۔ میں نے بھٹی صاحب کے حکم کی فوری تعمیل کی اور اس کی وصول پر ان کا محبت بھرا فون آیا۔ چند روز پہلے ان کا فون آیا کہ میاں باقر کے مدرسے کا نام کیا ہے میں نے ان کو بتایا کہ "مدرسہ خادم القرآن والحدیث جھوک دادو طور" تو بڑے خوش ہوئے۔ ان سے میل ملاقات اور سلام و پیام کا سلسلہ چلتا رہتا تھا وہ راقم پر بڑی شفقت فرماتے اور گاہے گاہے تحریر و نگارش کے سلسلے میں مفید مشورے دیتے۔ انہوں نے اپنی کتاب "چمنستان حدیث" میں راقم کے بارے ایک مضمون بھی لکھا تھا جس میں میرے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ میری کتابوں کا شاندار طریقے سے تعارف کروایا تھا۔ اس کے علاوہ "چمنستان حدیث" کے کئی مقامات پر میرا تذکرہ کیا ہے۔ ان سے میری دوستی کوئی بیس برسوں پر محیط تھی اس عرصے میں میں نے ان کو نہایت قریب سے دیکھا' ان کے ساتھ اسفار بھی کئے' طویل مجالس میں بھی بیٹھا میں نے ان کو ہمیشہ مخلص پایا مجال ہے جو انہوں نے کبھی کسی دوسرے کی برائی کی ہو جس کا بھی تذکرہ کیا نہایت اچھے الفاظ میں کیا وہ جماعت اہل حدیث کے تمام گروہوں میں اکابر اور اصاغر کے ہاں مقبول اور محترم تھے۔ 21 دسمبر پیر کو مجھے ان کے برادر صغیر جناب سعید بھٹی صاحب نے ان کی بیماری کی اطلاع دی اور ساتھ ہی ان کا ہی پیغام دیا کہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب سے پوچھ کر بتاؤں کہ پیشاب کی نالی کی وجہ سے نماز کی ادائیگی کسی طرح کروں۔ میں نے اثری صاحب سے مسئلہ پوچھ کر محترم سعید بھٹی صاحب کے ذریعے بات ان تک پہنچادی۔ شام تک سعید بھٹی صاحب اور لقمان بھٹی صاحب سے کئی بار رابطہ ہوا اب ان کی حالت بہتر ہوگئی تھی۔ لیکن اگلے روز نماز فجر کے وقت برادرم حافظ فاروق الرحمان یزدانی صاحب نے ان کی وفات کی خبر سنا کر غمزدہ کردیا۔ اس طرح ایک تاریخ ساز عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی ایک نماز جنازہ ناصر باغ لاہور میں 22 دسمبر 2015ء کی دوپہر ادا کی گئی۔ جو محترم ڈاکٹر حماد لکھوی صاحب نے پڑھائی۔ جبکہ ان کے آبائی گاؤں منصور پور ڈھیسیاں جڑانوالہ میں نماز عشاء کے بعد شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ تعالیٰ کی اقتداء میں نماز جنازہ ادا کی گئی دونوں جگہ علماء عوام اور صحافتی حلقوں سے تعلق رکھنے والے سینکڑوں افراد نے شرکت کی۔ قبر پر دعا مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب مدرس جامعہ سلفیہ نے کروائی اللہ تعالیٰ بھٹی صاحب کی قبر کو جنت کا باغیچہ بنائے (آمین ثم آمین)

ترجمان الحدیث

مسلک اہل حدیث کا بے باک ترجمان

(مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ)

فاروق الرحمٰن یزدانی جامعہ سلفیہ فیصل آباد

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے کوئی چیز بھی بے کار اور فالتو پیدا نہیں کی اور پھر ہر چیز اپنی مفوضہ ذمہ داری کو مکمل اطاعت وفرمانبرداری کے ساتھ پورا کر رہی ہے اسی طرح انسانوں میں سے بھی بعض کو اللہ تعالیٰ کی خاص مقصد کے لیے پیدا فرماتے ہیں اور وہ انسان اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ اس مقصد کو کما حقہ حاصل کرنے میں کامیاب رہتے ہیں انہی معدودے شخصیات میں سے ہمارے ممدوح محسن اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جن کی زندگی کے شب وروز کو دیکھ کر سمجھ آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں برصغیر میں اہل حدیث کی خدمات کو مرتب اور محفوظ کرنے کے لیے ہی پیدا کیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور اس کے فضل وکرم سے شخص واحد نے وہ کام کیا جو بڑے وسائل رکھنے اور نظم کا دعویٰ کرنے والی جماعتیں اور تنظیمیں اس کا عشر عشیر بھی نہ کر سکیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اس فریضے کی ادائیگی کی داغ بیل بھی نہ ڈال سکیں تو کوئی مبالغہ نہ ہوگا یہ قدرت کا نظام ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کسی کام کے لیے چُن لیتا ہے تو پھر اس کے لیے منزل کے راستے آسان کر دیتا ہے اور توفیق دیتا ہے کہ وہ نامساعد حالات میں بھی فقط رب قدیر کی توفیق سے وہ کام کر گزرتا ہے۔ ہر انسان فطری طور پر کسی نہ کسی سے خصوصی طور پر محبت کے جذبات رکھتا ہے راقم السطور کو بھی اللہ کریم نے بدو شعور سے ہی ''اہل حدیث'' سے محبت ودیعت فرما دی۔ کوئی بھی شخص اہل حدیث کے مسلک' عقیدے' منہج یا خدمات وتاریخ کو تقریر کرے یا تحریر کرے وہ شخص انتہائی پسندیدہ ہو جاتا ہے۔ اس کا ایک سبب شاید یہ بھی ہے کہ راقم نے جب دینی تعلیم حاصل کرنا شروع کی تو خوش قسمتی سے استاذی المکرم حافظ عبدالرزاق سعیدی رحمۃ اللہ علیہ فاروق آبادی کی سرپرستی حاصل ہوگئی۔ حضرت حافظ صاحب کو بھی مسلک اہل حدیث اور علماء اہل حدیث سے ایک

خاص انس تھا اور علماء اہل حدیث کا تذکرہ بڑے عقیدت و احترام اور جذباتی انداز میں فرمایا کرتے تھے مجھے ان کی مجلس میں بیٹھ کر اکابرین کا تذکرہ سننے کا اکثر موقعہ ملتا رہتا تھا جب کچھ شعور حاصل ہوا اور حضرت حافظ صاحب کی سرپرستی اور امارت میں مسلک اور جماعت کی خدمت کرنے کا موقعہ اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا تو استاذی المکرّم کی خدمت میں بارہا عرض کیا کہ آپ برصغیر میں عموماً اور تحریک آزادی پاکستان میں خصوصاً اہل حدیث کی خدمات سے نا صرف واقف ہیں بلکہ عینی شاہد بھی ہیں لہٰذا آپ اس امانت کو قوم کے سپرد کرنے کے لئے اس کو تحریری شکل دے دیں۔ آپ ہر بار حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے اس فریضے سے سبکدوش ہونے کی نوید سناتے لیکن ان کی مصروفیات کی کثرت نے ہم سب کو ان کے مشاہدات کے علم سے محروم ہی رکھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون جب بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا علماء اہل حدیث کی خدمات کا تذکرہ منظر عام پر آیا تو خصوصی طور پر انہوں نے مجھے فرمایا کہ تیری خواہش کو اللہ تعالیٰ نے مولانا اسحٰق بھٹی صاحب کے ذریعے پورا کر دیا ہے۔ اور وہ جس انداز سے کام کر رہے ہیں یہ انہی کا حصہ ہے۔ اور سچی اور حقیقی بات یہ ہے کہ ایسے تمام افراد اور شخصیات جن کی مسلک اور جماعت کے لیے خدمات کی وجہ سے وہ میری محبتوں کا محور تھے۔ ان میں حضرت بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرفہرست ہی رہے۔

بھٹی صاحب سے شناسائی

23 مارچ 1987ء کو جب جماعت اہل حدیث حادثے سے دو چار ہوئی تو اس غم اور دکھ کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا اور ہر چھوٹا اور بڑا جس قدر غمزدہ اور پریشان ہوا اس غم اور پریشانی کو جانچنے کے لیے کوئی آلہ بھی ایجاد نہیں ہوا یہ بات صرف وہی حضرات سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے وہ دن دیکھے ہیں اور خود ان حالات سے گزرے ہیں کہ کس طرح اہل حدیث کا ہر چھوٹا بڑا فرد اس پر سراپا احتجاج تھا اور جذبات اس قدر تھے کہ وہ اپنی جانیں اور بچے تک قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ راقم بھی صغرسنی کے باوجود ہر ایسے پروگرام میں اہتمام کے ساتھ شریک ہوتا جس پروگرام کا مقصد یا مطالبہ شہدائے اہل حدیث کے قاتلوں کو کیفر کردار تک پہنچانا یا کم از کم ان کے خلاف نفرت کا اظہار کرنا ہوتا تھا۔ اس سلسلہ میں جماعت کی قیادت کے فیصلے کے مطابق ہر جمعرات کو مسجد شہداء لاہور میں احتجاجی جلسہ ہوتا اور جلوس نکلتا تھا۔

راقم بھی گوجرانوالہ سے لاہور آ کر اس پروگرام میں شریک ہوتا۔ شام کو اپنے ننھیال منڈی مرید کے چلا جاتا جس کے لیے عمومی طور پر لاہور ریلوے اسٹیشن کے سامنے نوری مسجد سے بس پر سوار ہوتا۔ نوری مسجد کے ساتھ ایک بہت بڑا بک سٹال ہوتا تھا جس پر نئے و پرانے رسائل و جرائد، اخبارات اور ڈائجسٹ بڑی تعداد میں موجود ہوتے تھے۔ فروری 1987ء میں قومی ڈائجسٹ لاہور نے شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک طویل ترین انٹرویو شائع کیا تھا جس میں علامہ صاحب کی ذاتی زندگی، مذہبی وسیاسی خدمات اور ان کی تحریری کاوش کا تذکرہ بڑی تفصیل سے کیا گیا تھا اور میں نے وہ ڈائجسٹ چینیانوالی مسجد لاہور سے جمعۃ المبارک کے خطبہ کے موقعہ پر 10 روپے میں خرید کیا تھا چینیانوالی مسجد میں وہ جمعہ شیر ربانی مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھایا تھا جمعہ سے فارغ ہو کر جب باہر نکلے تو مسجد کے دروازے پر ایک بڑے سے ٹوکرے میں ڈال کر وہ ڈائجسٹ رعائتی قیمت پر فروخت کیے جا رہے تھے۔ اس کے معاً بعد مارچ میں حادثہ ہو گیا تو فطری طور پر قومی ڈائجسٹ میں مزید اہل حدیث علماء کے حالات تلاش کرنے کی جستجو ہوئی۔ اسی دوران نوری مسجد ریلوے اسٹیشن لاہور پر سٹال پر تلاش کرتے ہوئے مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ کے متعلق ایک مضمون ملا جو محمد اسحٰق بھٹی نے تحریر کیا تھا۔ محمد اسحٰق بھٹی کو تو میں نہیں جانتا تھا البتہ مولانا غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت سے واقف تھا لہٰذا وہ ڈائجسٹ خرید لیا اس مضمون کا اسلوب کچھ ایسا تھا کہ مکمل کیے بغیر چین ہی نہیں آیا تھا بلکہ اس کے مندرجات کی وجہ سے یکے بعد دیگرے کئی بار اس مضمون کو پڑھا۔ اس مضمون کی وجہ سے اب میں قومی ڈائجسٹ میں ''محمد اسحٰق بھٹی'' کے مضامین تلاش کرتا جس مضمون کے ساتھ ''محمد اسحٰق بھٹی'' کا نام ہوتا وہ ڈائجسٹ خرید لیتا اس ضمن میں شاہ محمد جعفر پھلواروی، مولانا مودودی اور خواجہ عبدالحکیم وغیرہ پر مضمون پڑھے تو مجھے شبہ ہوا کہ یہ ''محمد اسحٰق بھٹی'' کوئی اہل حدیث ہے جو قومی ڈائجسٹ میں شخصیات پر لکھتا ہے۔ چنانچہ اس دوران مجھے گیانی ذیل سنگھ سابق صدر انڈیا کے متعلق مضمون ''کچے گھر سے قصر صدارت تک'' پڑھنے کا موقعہ ملا تو مجھے یقین ہو گیا کہ محمد اسحٰق بھٹی صاحب اہل حدیث ہیں کیونکہ اس مضمون میں بعض مقامات پر اس انداز سے اہل حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ جہاں بظاہر کوئی وجہ نہیں بنتی

اور نہ کوئی صورت نظر آتی ہے لیکن بھٹی صاحب کی مسلک اہل حدیث پر پختگی اور جماعت اہل حدیث سے محبت تھی کہ اس انداز میں اہل حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے شاید یہی ایک جملہ پورے مضمون کا ماحاصل ہے۔ (طوالت کا خوف نہ ہوتا تو یقیناً چند ایسے جملے ذکر کرتا لیکن یہ میرا مقصود نہیں) اس بات کا تذکرہ میں نے اپنے عزیز دوست اور کلاس فیلو مولانا ذوالفقار علی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ (شیخ الحدیث ابوہریرہ شریعہ کالج لاہور) سے کیا تو انہوں نے تعارف کروایا کہ یہ مولانا محمد اسحق بھٹی صاحب وہ ہیں جو ہفت روزہ الاعتصام کے ایڈیٹر رہے ہیں اور مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے آفس سیکرٹری بھی۔ اس طرح میں مولانا محمد اسحق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کے نام و کام سے شناسا ہوا۔

مولانا محمد اسحق بھٹی سے پہلی ملاقات گردش لیل و نہار جاری تھے تا آنکہ 2002ء کا سورج طلوع ہوا تو آٹھ جنوری 2002ء کو جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں راقم نے دوسری کلاس (ثانیہ ثانوی) کو پڑھانا شروع کر دیا اس کے ساتھ ہی کچھ پیریڈ پہلی کلاس (اولیٰ ثانوی) میں تھے لیکن ابھی تک اولیٰ ثانوی کی کلاس کی پڑھائی شروع نہیں ہوئی تھی تو راقم نے وقت گذاری کے لئے لائبریری سے مولانا محمد اسحق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام دستیاب کتب حاصل کیں اور تقریباً اڑھائی دن میں انہیں مکمل پڑھ لیا اب جوں جوں بھٹی صاحب کی کتب کا مطالعہ کرتا جاتا توں توں حضرت بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت و محبت کے نقوش دل پر گہرے ہوتے جاتے اور ڈھیروں دعائیں بھٹی صاحب کی صحت و سلامتی کے لیے دل کے نہاں خانے سے نکلتیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کی زیارت اور ملاقات کا شوق زیادہ ہوتا جاتا۔ چنانچہ فروری 2002ء کے ابتدائی ایام تھے کہ راقم آثم نے مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب سے بھٹی صاحب کا فون نمبر لیا۔ اور لاہور کے لیے روانہ ہو گیا۔ لاہور بھاٹی دروازہ پہنچ کر حضرت بھٹی صاحب کو فون کیا۔ سلام دعا کے بعد اپنا تعارف کروایا اور ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تو بھٹی صاحب فرمانے لگے بلکہ بار بار پوچھنے لگے کہ آپ کو کام کیا ہے؟ عرض کیا صرف زیارت کرنا چاہتا ہوں (یہ بات مجھے ملاقات کے بعد سمجھ آئی کہ بھٹی صاحب بار بار کام کا کیوں پوچھ رہے تھے اس

لیے کہ ان کے پاس اکثر لوگ اپنے مقالہ جات یا دوسری ضروریات کے لیے معلومات لینے کے لیے حاضر ہوتے تھے تو ظاہر ہے اگر پہلے سے آمد کا مقصد معلوم ہو جائے تو آدمی کچھ نہ کچھ ذہن بنالیتا ہے)

بہر حال بھٹی صاحب نے ایڈریس سمجھایا اور ساتھ ہی کھانے کی دعوت دی کیونکہ یہ مغرب کے بعد کا وقت تھا اور فرمانے لگے کہ آپ سانده بنک سٹاپ اتریں گے تو میرا بھائی سعید بھٹی وہاں کھڑا ہو گا وہ آپ کو گھر لے آئے گا۔ میں نے احتراماً عرض کیا کہ آپ تکلف نہ فرمائیں بس مجھے مکمل ایڈریس سمجھا دیں تو میں ان شاء اللہ پہنچ جاؤں گا لیکن بھٹی صاحب کا اصرار غالب رہا تو واقعی جب میں بنک سٹاپ پر اترا تو محترم سعید بھٹی صاحب خود ہی مجھے آکر ملے اور نام وغیرہ معلوم کرنے کے بعد اپنے ساتھ گھر لے گئے۔ اس سارے معاملے کے بعد میرا یہ خدشہ تو دور ہو چکا تھا کہ اتنی بڑی شخصیت نہ جانے مجھے ملنا پسند بھی کریں گے یا نہیں؟ لیکن اب میں اپنے ذہن میں ان کی شخصیت کے تانے بانے بنتا چلا جا رہا تھا کہ ایک تنگ سی گلی میں گھر کا دروازہ کھولے ایک ہشاش بشاش بلکہ خوش باش بزرگ اپنے ایک اجنبی مہمان کے انتظار میں تھے۔ جونہی آمنا سامنا ہوا تو اس قدر شفقت و محبت اور تپاک سے ملے کہ سفر کی ساری تھکاوٹ دور ہو گئی علیک سلیک کے بعد جامعہ کے اساتذہ اور تعلیمی سال کے آغاز کے بارے چند ایک سوال کیے اور پھر جامعہ میں میری تقرری اور اسباق کے متعلق معلومات لیں۔ اور یہ ساری گفتگو ایک دوستانہ ماحول میں ہوئی جس میں آپ ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کیے جا رہے تھے اور دعائیں بھی دیے جا رہے تھے۔ بھٹی صاحب کی کتب میں کئی ایک مقام ایسے بھی ہیں جہاں انہوں نے کسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ یہ سنایا تو جا سکتا ہے لکھا نہیں جا سکتا (اور یہ ایک حقیقت ہے کہ بھٹی صاحب کی اکثر گفتگو ناگفتنی ہی ہوتی تھی۔ آج بعض دوستوں کی خدمت میں یہ عرض کرنے کی جسارت کرنے کو جی چاہتا ہے جو بڑے فخر سے ایسی باتوں کو بھی صفحہ قرطاس پہ رقم کیے جاتے ہیں جو بھٹی صاحب نے اپنی زندگی میں تحریر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ میری ان حضرات سے بڑے ادب و احترام سے گذارش ہے کہ اگر ایسی باتیں عام کرنا ضروری ہوتیں تو بھٹی صاحب ضرور انہیں صفحات کی زینت بناتے اس لیے جو انہوں نے سن لیا ہے اس پر اکتفا

کرتے ہوئے تحریر کرنے سے گریز کریں۔ نیز اگر کسی صاحب نے ان کا کسی شخصیت پر تبصرہ ریکارڈ کیا ہوا ہے تو اس کو تلف کر دینا چاہئے کہ مجلس میں ہونے والی ہر بات کو لکھنا یا اس کا ریکارڈ رکھنا ضروری نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین)

میں نے بھی ایسے چند متعلق مقامات کی وضاحت کے لیے جب عرض کیا تو بڑے ہی خوبصورت انداز میں ان کی وضاحت فرمادی۔

اس کے بعد کھانا آ گیا تو اتفاق سے اس دن بھٹی صاحب کے ہاں قیمہ مٹر کا سالن پکا ہوا تھا سالن دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی بھٹی صاحب کے استفسار پر راقم نے عرض کیا کہ آپ نے قاضی حبیب الرحمٰن صاحب کے مضمون میں قیمے مٹر کے سالن کا ذکر کیا ہے تو مجھے وہ تمام بات یاد آ گئی ہے جس کی وجہ سے میری ہنسی نکل گئی ہے۔ تو حضرت بھٹی صاحب بھی کھل کھلا کر ہنس پڑے اور بلند آواز سے اپنے بھائی سعید بھٹی کو جو گھر کے اندر پانی وغیرہ لینے گئے تھے کو آواز دی ''اوسعید ادھر آ یزدانی صاحب نے تو ہماری ساری کتب حفظ کی ہوئی ہیں'' مغرب کے بعد شروع ہونے والی یہ مجلس سردیوں کی رات میں تقریباً بارہ بجے تک جاری رہی اور حقیقت تو یہ ہے کہ وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہو رہا تھا کیونکہ بزرگوں کے کارنامے اور ان کی مسلک و جماعت کے لیے خدمات کے تذکرے تو گویا مجھے اپنی خوراک مل رہی تھی۔ پھر حضرت بھٹی صاحب سے اجازت لے کر اور دوبارہ جلدی آنے کا وعدہ دے کر واپس روانہ ہوا۔ اس کے بعد تو بس ہفتہ عشرہ ہی گزرتا تھا کہ دوبارہ پھر بھٹی صاحب کی مجلس کی شیرینی بھٹی صاحب کے قدموں میں جا بیٹھنے پہ مجبور کر دیتی۔

بھٹی صاحب کا حافظہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت بھٹی صاحب کو بے مثال حافظہ عطا فرمایا تھا جو بات سن لیتے یا جس چیز کا مشاہدہ کر لیتے تو پھر اس کی جزئیات تک کے ساتھ اس کو یاد رکھتے۔ جس شخص سے ایک دفعہ ملاقات ہو جاتی اس کے نام اور ایڈریس کے ساتھ اس کا حلیہ تک یاد رکھتے۔ میرے ایک عزیز دوست تھے ڈاکٹر قمر احسان ان کی ماشاءاللہ کئی کتب بھی شائع ہو چکی ہیں۔ کئی بڑی ادبی شخصیات سے ان کو تعلق تھا۔ جب انہوں نے بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پڑھا تو ملنے کی خواہش کی تو ایک دفعہ میں ان کو ساتھ لے کر بھٹی صاحب سے ملاقات کے لیے گیا

ان کی تصنیفی خدمات کا سن کر خوشی کا اظہار فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کی ایک کتاب ہے ''میرے قائد نے فرمایا'' جس میں شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ کے چیدہ چیدہ اقوال ذکر کیے گئے ہیں اس پر بھٹی صاحب نے تقریظ بھی تحریر فرمائی۔ ڈاکٹر صاحب اس ملاقات سے تھوڑی مدت بعد ہی جرمن چلے گئے تو ایک ملاقات میں بھٹی صاحب فرمانے لگے کہ آپ کے وہ دوست ڈاکٹر اب کبھی نہیں آئے۔ بس ایک ہی دفعہ ملاقات ہوئی ہے ان کا نام قمر احسان تھا اور آپ کے گاؤں کے قریب ہی ان کی رہائش تھی شاہ کوٹ میں وہ کلینک کرتے تھے ان کی کئی کتب بھی شائع ہوئی ہیں ایک کتاب پر میں نے بھی کچھ لکھا تھا یعنی ایک ہی سانس میں ڈاکٹر صاحب کے متعلق تمام معلومات بیان کر دیں جو تقریباً چار پانچ سال پہلے ملاقات میں انہیں حاصل ہوئی تھیں۔

اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو ان کے قوت حافظہ پر دلالت کرتے ہیں اور اس سے ان کی کتب بھری پڑی ہیں بطور مثال صرف ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہوں جو مولانا بھٹی صاحب نے اپنی کتاب ''گذر گئی گذران'' صفحہ نمبر 152 سے صفحہ نمبر 156 تک چار صفحات میں بیان فرمایا ہے۔ جب آپ اپنے جگری دوست مولانا معین الدین لکھوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کسی سکھ عورت کے جن نکالنے گئے تھے جب اس واقعہ کو 68 سال بعد بیان کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ شاید واقعہ ابھی رونما ہوا ہے اور بھٹی صاحب اپنے ساتھ بیتے اس واقعہ کو دیکھ دیکھ کر بیان کر رہے ہیں۔

بھٹی صاحب کی مسلکی حمیت بھٹی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا لیکن مجھے ان کی جس خوبی نے سب سے زیادہ متاثر کیا اور ان کی ذات کا گرویدہ بنا دیا وہ تھی ان کی مسلک اہل حدیث سے **کمنٹمنٹ**۔ کہ اپنے مسلک پر کبھی بھی مداہنت کا شکار نہیں ہوئے بلکہ ہر مجلس میں اور ہر قسم کے حالات میں انہوں نے فقط اہل حدیث ہونے کا ثبوت ہی فراہم فرمایا۔

جب بھٹی صاحب بحیثیت ایک تنظیم جمعیت اہل حدیث کے ساتھ منسلک نہیں تھے بلکہ ایک ایسی تنظیم کے نا صرف رکن تھے بلکہ اس کے جنرل سیکرٹری بھی تھے اور اس تنظیم میں مسلمان؛

سکھ، ہندو وغیرہ بھی شامل تھے تو اس وقت بھی انہوں نے اپنے عقیدے و عمل پر آنچ نہیں آنے دی۔ تحریک آزادی میں بھٹی صاحب گرفتار ہو کر ریاست فرید کوٹ کی جیل میں قید رہے تھے جب ان کی جیل سے رہائی ہوئی تو ان کا ایک گروپ فوٹو لیا گیا تو اس موقعہ پر چیتن دیو کی بہن ستیا دیوی نے سب کے ماتھے پر تلک لگانا شروع کر دیا جو کہ ہندو مذہب کی علامت اور نشانی ہے لیکن جب بھٹی صاحب کی باری آئی تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ ''میرا مذہب اس کی اجازت نہیں دیتا'' نقوش عظمت رفتہ ص 557) یہ تھی ان کی مذہبی و مسلکی حمیت و غیرت اور اپنے عقیدے پر پختگی کہ اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ ہماری تحریک یا تنظیم کو نقصان پہنچے گا یا یہ دوست اور تحریک کے ساتھی ناراض ہو جائیں گے یا مجھے شدت پسند سمجھا جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ علی الاعلان اپنے عقیدے و مذہب کو بیان کر کے والذین امنوا اشد حبا للہ کا ثبوت فراہم کر دیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

آج ہم کئی لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ جس قسم کی مجلس یا محفل میں شریک ہوتے ہیں ان جیسا لباس اور وضع قطع اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں حتیٰ کہ عیسائیوں کے گرجوں میں جا کر کرسمس کے کیک کاٹنے اور کھانے میں بھی کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ ایسے تمام لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ جو دنیاوی مفادات یا مال و متاع کی خاطر اپنے عقیدے و عمل کی بھی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

(2) بھٹی صاحب کی مسلک اہلحدیث پر اثبات اور علماء اہل حدیث سے محبت کی یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ جب انہوں نے ریڈیو پر تقاریر کا سلسلہ شروع کیا تو انہوں نے یہ شرط عائد کر دی تھی کہ میں صرف اور صرف اہل حدیث علماء کا تعارف ہی پیش کرونگا اس طرح انہوں نے ریڈیو پاکستان سے ''زندہ تابندہ'' کے نام سے 45 علماء اہل حدیث کا تعارف پیش کیا اور ان کی خدمات کو اجاگر کیا۔ انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ کہیں میرا پروگرام ہی کینسل نہ کر دیا جائے اور میں مالی فوائد سے محروم کر دیا جاؤں بلکہ اسی سلسلہ میں وہ خود بیان کرتے ہیں ''میں نے اپنی تحریروں اور ریڈیائی اور ٹیلی ویژنی پروگراموں میں ہمیشہ اپنے مسلک کو ملحوظ خاطر رکھا۔ اور اس کی خدمت کی۔ بحمد اللہ ایک لمحے کے لیے بھی اسی میں لچک نہیں آنے دی۔'' (گذر گئی گزران ص 263) مزید فرماتے ہیں

میں نے کبھی کسی اہل حدیث عالم پر تنقید نہیں کی...... ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر کسی غیر اہل حدیث نے میرے مسلک، میری جماعت یا میری جماعت کے کسی عالم کو ہدف تنقید ٹھہرایا یا کسی اسلوب میں نشانہ طنز بنایا تو میں نے اسے ہرگز معاف نہیں کیا۔ ایسے موقعہ پر خاموش رہنا میری ذہنی افتاد اور میرے قلم کی فطرت کے خلاف ہے۔ (گزر گئی گزران ص 264)

حتی کہ جب انہوں نے ہفت روزہ الاعتصام کی ادارت سے استعفیٰ دیا تو ان الفاظ سے وعدہ کیا کہ "میں الاعتصام کی ادارت سے مستعفی ہوتا ہوں مگر آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرا قلم مسلک اہل حدیث کی خدمت کے لیے ہمیشہ متحرک رہے گا" یہ عہد انہوں نے 30 مئی 1965ء کو کیا تھا اور واقعی اس وعدہ کو وفا کر کے ان شاء اللہ العزیز وہ عند اللہ سرخرو ہو گئے کہ تادم واپس 22 دسمبر 2015ء تک ان کے قلم نے جو مسلک اہل حدیث اور علماء اہلحدیث کی خدمت کی وہ انہی کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کا بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ آمین۔

یہی وجہ تھی کہ غیر اہل حدیث بھی ان کی خدمات اہل حدیث کا کھلے بندوں اعتراف کرنے پر مجبور ہوتے تھے۔ یہ واقعہ بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سنایا اور اپنی کسی کتاب میں بھی لکھا ہے۔ لیکن یہاں برادر مکرم مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔ "بھٹی صاحب" کے ایک قریبی دوست جو کہ محکمہ اطلاعات کے ڈائریکٹر جنرل تھے۔ ایک بار بھٹی صاحب سے ملاقات کے لیے ان کے دفتر آئے۔ علیک سلیک کے بعد کہنے لگے "میں بہت سے اخبارات و رسائل پڑھتا ہوں لیکن آپ جیسا اہل حدیث کا مبلغ میں نے کوئی نہیں دیکھا۔ آپ غیر مسلموں پر مضمون لکھیں تو اس میں بھی اہل حدیث کا ذکر ضرور لے آتے ہیں؟" (مولانا محمد اسحٰق بھٹی حیات و خدمات ص 94)

بھٹی صاحب کا انداز تربیت تربیت کے انداز مختلف ہوتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غلط کے مقابلے میں صحیح کا اہتمام کیا جائے یہ نہیں کہ ہر بات پہ ڈانٹ ڈپٹ کو ہی ہر خرابی کا حل سمجھ لیا جائے اور جو شخص جتنا بڑا ہوتا ہے اس کا حوصلہ بھی اتنا ہی زیادہ ہونا چاہئے۔ خود امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سیدنا حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بیان کرتے ہیں کہ میں دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں رہا ان دس سالوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی مجھے نہیں ڈانٹا تھا۔ سبحان اللہ۔ اس میں ان حضرات کے لیے بہت بڑی نصیحت موجود ہے جو کسی بھی حیثیت سے کسی دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں۔ لیکن اپنی چودھراہٹ کے زعم میں اپنے ماتحتوں کو انسان بھی نہیں سمجھتے۔ مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلی ملاقات کا احوال ذکر کر چکا ہوں اس موقعہ پر میں نے اپنی تازہ تصنیف ''خُرافات حنفیت'' حضرت بھٹی صاحب کی خدمات میں پیش کی تو میں نے اس کا تلفظ کیا ''خرافات حنفیت'' خا کے فتحہ کے ساتھ ۔تو بھٹی صاحب نے دو تین مرتبہ مختلف انداز سے اس کو صحیح تلفظ کے ساتھ ادا کیا۔

''خُرافات حنفیت'' خا کے ضمہ کے ساتھ۔ تو مجھے سمجھ آ گئی کہ بھٹی صاحب میری اصلاح فرما رہے ہیں۔ اس لیے ہر کسی کو دوسرے کی عموماً اور شاگردوں کو استاد اور چھوٹوں کو بڑے کی بات خصوصی طور پر دھیان سے سننی چاہئے اور ان کے الفاظ و انداز کو بخوبی سمجھنا چاہئے۔

خوش مزاجی

بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ بہت مشکل حالات سے گزرے لیکن ان کی خوش طبعی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ تکلیف کی حالت میں بھی آپ مزاح کی کوئی نہ کوئی صورت نکال لیتے اور سننے والا قطعاً یہ محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ آپ کو اس وقت کوئی تکلیف یا پریشانی ہے۔ اور اپنے دوستوں کے ساتھ تو آپ بہت ہی بے تکلف ہو جاتے تھے۔ ایک مرتبہ 11 جنوری 2009ء کو ہمدرد ہال لاہور میں حضرت بھٹی صاحب کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں دوسرے مقررین کے ساتھ مولانا مجاہد الحسینی آف فیصل آباد جو کہ دیوبندی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور بھٹی صاحب کے پرانے دوستوں میں سے تھے بھی شامل تھے انہوں نے اپنی تقریر میں حضرت بھٹی صاحب سے چھیڑ خانی کی تو بھٹی صاحب اپنی تقریر میں یوں جواب دیتے ہیں ''یہ مجاہد الحسینی صاحب بھی موجود ہیں میرے دوستوں میں سے ہیں ویسے میں جس مجاہد الحسینی کو جانتا ہوں وہ اس مجاہد الحسینی سے مختلف تھے۔ جو آپ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ فرمانے لگے جس مجاہد حسینی کو میں جانتا ہوں وہ رفع یدین بھی نہیں کرتے تھے اور جہراً آمین بھی

نہیں کہتے تھے مگر ان کو آپ نے دیکھا کہ یہ ہر دعا کے ساتھ آمین آمین بھی کہہ رہے تھے اور تقریر کرتے وقت رفع یدین بھی کر رہے تھے۔ بھٹی صاحب نے یہ خوش طبعی اس انداز سے کی کہ پورا ہال قہقہوں سے گونجنے لگا۔

(2) اسی طرح ایک مرتبہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے میٹنگ ہال میں علماء کرام کے ایک اجلاس میں خطاب فرما رہے تھے کہ قاضی ابو یوسف کا تذکرہ آ گیا جو کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ ان دنوں پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس عبدالحمید ڈوگر تھے اور ملک کی بھاگ ڈور پاکستان کی تاریخ کے ایک طالع آزما پرویز مشرف کے ہاتھ میں تھی۔

اس دوران عبدالحمید ڈوگر نے بحیثیت چیف جسٹس کچھ ایسے اقدامات اٹھائے اور فیصلے صادر کیے کہ جو دستور و قانون کی روح کے مطابق ہونا تو درکنار اخلاقیات کے تقاضوں کو بھی پورا نہیں کرتے تھے بلکہ واضح طور پر وہ حکمرانوں کے سامنے فدویانہ حالت کی چغلی کھا رہے تھے اس وقت بھٹی صاحب قاضی ابو یوسف کا تعارف کروا رہے تھے تو اچانک رک کر کہنے لگے بس یوں سمجھیں کہ وہ آج کے عبدالحمید ڈوگر تھے۔ بھٹی صاحب کا یہ تبصرہ کرنا تھا کہ پورا ہال کشت زعفران بن گیا اور ہال سے آواز آئی "اب کسی اور تعارف کی ضرورت نہیں" قارئین کرام! یہ تبصرہ اس قدر جامع مانع اور برمحل تھا کہ اس کی چاشنی ہر وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جو قاضی صاحب کے اجتہادات اور فتاویٰ سے معمولی سا بھی درک رکھتا ہے۔

(3) 2005ء میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور فضیلۃ الشیخ مفتی عبدالحنان زاہد حفظہ اللہ تعالیٰ کی شفقت سے عمرہ کے لیے بیت اللہ شریف کی زیارت سے سعادت مند ہوا تو واپسی پر حضرت بھٹی صاحب کی ملاقات کے لیے حاضر ہوا اور یہ وقفہ ایک ماہ سے زائد عرصے پر محیط تھا جبکہ اتنا لمبا وقفہ کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی مسکراتے ہوئے فرمانے لگے "تُسی ہے گے او میں سمجھیا یزدانی مر گیا اے" سلام دعا کے بعد فرمانے لگے خیریت تو تھی اتنا لمبا عرصہ نا آپ آئے نہ ہی کوئی فون پر رابطہ ہوا تو راقم نے عرض کیا کہ میں "ٹنڈ" کروانے گیا ہوا تھا۔ بہت خوش ہوئے اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے اب دوبارہ اٹھ کر مجھے ملیں۔

(4) 3 مئی 2015ء کو جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں ان کے اعزاز میں ایک تقریب کا اہتمام کیا گیا

جس میں بھٹی صاحب کے خطاب سے پہلے شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی، شیخ التفسیر حافظ مسعود عالم، محقق العصر مولانا ارشاد الحق اثری، پرنسپل جامعہ چودھری محمد یٰسین ظفر اور مولانا محمد یوسف انور صاحب نے اپنے اپنے بیان میں بھٹی صاحب کی جماعتی، مسلکی، تحریری، تصنیفی خدمات کا تذکرہ کیا تو آخر میں بھٹی صاحب نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے دوست میرے بارے میں جو کچھ فرما رہے تھے پہلے تو میں پریشان ہوا کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش رہا کہ کتب احادیث میں بھی تو کتاب الفضائل و المناقب موجود ہے لہٰذا اگر یہ میرے فضائل و مناقب بیان کر رہے ہیں تو شریعت میں اس کی اجازت ہی ہوگی۔ اس طرح ان کے ایک لطیف تبصرے نے سامعین کے چہروں پہ خوشی و مسرت بکھیر دی۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی کرنا ایک بہت بڑی خوبی ہے وہ انسان بہت خوش قسمت ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس کی توفیق فرمائیں کہ یہ وصف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ ہے۔ آج علماء کرام میں یہ وصف بہت کم پایا جاتا ہے حالانکہ اس کے بہت سارے فوائد ہیں خصوصاً مبلغین حضرات و اہل علم کو اس کا اہتمام ضرور کرنا چاہیے تاکہ ان کی دعوت و تبلیغ میں مدد و معاون ہو۔ استاذی المکرّم حافظ عبدالرزاق سعیدی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ ہر انسان کا مال کوئی نہ کوئی کھا جاتا ہے وہ شخص خوش نصیب ہے جس کا مال نیک اور صالح لوگ کھائیں۔ حضرت بھٹی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اس وصف اور خوبی سے خوب خوب نوازا تھا گھر میں آنے والے ہر فرد کی موسم اور وقت کے مطابق ضرور مہمان نوازی فرماتے۔ 13 اکتوبر 2009ء کو جماعت کے معروف دانش ور اور عظیم سکالر پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمۃ اللہ علیہ وفات پا گئے تو "ماہنامہ ترجمان الحدیث" کے مدیر جناب چودھری محمد یٰسین ظفر نے حکم ارشاد فرمایا کہ "ترجمان الحدیث" کا آئندہ شمارہ شاکر صاحب کے لیے خاص کر کے خصوصی نمبر شائع کر دیا جائے دوست و احباب سے رابطہ کر کے مضامین کے لیے کہا۔ شمارہ تیار ہو گیا تو دفعتاً خیال آیا کہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی کا مضمون تو شامل نہیں جبکہ یہ ضرور ہونا چاہیے۔ مغرب کی نماز کے بعد مولانا بھٹی صاحب سے رابطہ کیا تو فرمانے لگے مضمون تو میں نے لکھا ہے مگر آج ہی "الاعتصام" کے دفتر

میں پہنچا دیا ہے۔عرض کیا اگر صبح مل جائے تو میں شمارے کی پرنٹنگ روک لیتا ہوں یا آپ کے پاس اس کی فوٹو کاپی یا رف بھی ہو تو میں خود حاضر ہو کر وصول کر لیتا ہوں۔فرمانے لگے تھوڑی دیر تک بتاتا ہوں اگر گھر میں اس کی کوئی کاپی ہوئی تو آپ کو مطلع کر دونگا۔تقریباً پانچ منٹ بعد فون آیا کہ رف مضمون تو ہے مگر ادھورا ہے۔عرض کیا آپ اس کو مکمل کریں میں ابھی فیصل آباد سے نکلتا ہوں دو گھنٹے تک لاہور پہنچ جاؤں گا آپ اس وقت تک مکمل کر لیں میں آ رہا ہوں۔ان شاء اللہ۔اتفاق ہوا کہ سفر تو میں نے مغرب کے بعد ہی شروع کر دیا۔اور یہ فیصلہ آنا فاناً ہوا مگر گاڑی نے ایسا لیٹ کیا کہ رات ساڑھے گیارہ بجے حضرت بھٹی صاحب کی خدمت میں پہنچا اگرچہ آپ پہلے سے منتظر تھے مگر سخت متعجب ہوئے کہ نومبر کی یخ بستہ رات میں آپ نے ایک مضمون کی خاطر اتنا سفر کیا اس کے بعد اپنے زمانہ ادارت کے کئی واقعات سنائے کہ پرچہ نکالنا کوئی آسان کام نہیں بلکہ اس کے لیے بڑی مشقت برداشت کرنا پڑتی ہے۔اتنی دیر میں محترم سعید بھٹی صاحب کو حکم دیا کہ کھانا لاؤ۔میں نے عرض کیا کہ کھانا تو میں کھا کر آیا ہوں کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ تاخیر ہو جائے گی لیکن بھٹی صاحب فرمانے لگے کہ اگر کھا بھی چکے ہو تب بھی کھاؤ

سردیوں کی اتنی طویل رات اور سفر میں بھوک تو لگ جاتی ہے لہٰذا میرے بار بار انکار کرنے کے باوجود زبردستی مجھے پُر تکلف کھانا کھلا دیا حالانکہ میں کوئی پہلی دفعہ اس گھر سے کھانا نہیں کھا رہا تھا لیکن رات گئے اتنی دیر سے کھانے کا اہتمام حضرت بھٹی صاحب کی مہمان نوازی کے وصف کو نمایاں کر رہا تھا۔رحمہ اللہ تعالیٰ

(2) ایک دفعہ میں اپنے عزیز دوست اور بھائی جماعت کے معروف خطیب حضرت مولانا سلیم اعظم بلوچ حفظہ اللہ تعالیٰ کے ہمراہ ملاقات کے لیے حاضر ہوا عصر کی نماز کے بعد کا وقت تھا اب فرمانے لگے کہ کھانا کھاؤ! ہم نے عرض کیا کھانے کا تو کوئی وقت نہیں لیکن انہوں نے اصرار کر کے ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کروایا۔اور فرمانے لگے کہ جو آدمی بھی آپ کے پاس آتا ہے اس کے متعلق یہ نہ سوچیں کہ اب کھانے کا وقت نہیں بلکہ یہ غور کریں یہ گھر سے کب نکلے ہونگے پتہ نہیں انہوں نے کہیں سے کھایا بھی یا نہیں ساتھ ہی خوش طبعی کے طور پر کئی

محاورے سناتے رہے۔ اور ہم کھانا کھاتے رہے۔

(3) پرویز مشرف کا دور حکومت تھا گیس کی بہت لوڈ شیڈنگ تھی حتی کہ بعض اوقات چوبیس گھنٹے بھی گیس یا تو آتی ہی نہیں تھی یا پھر اتنی معمولی کہ اس پر چائے بھی تیار نہیں ہوسکتی تھی۔ راقم آثم مولانا محمد سلیم اعظم بلوچ شیخوپوری نے ملاقات کا پروگرام بنایا۔ شیخوپورہ سے فون پر رابطہ کر کے اطلاع دی کہ ہم آ رہے ہیں۔ اطلاع کے تقریباً دو گھنٹے بعد ہم بھٹی صاحب کے ساتھ ساندہ میں ان کے گھر موجود تھے۔ بھٹی صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا کہ آپ آئے تو ہیں چائے بھی ساتھ ہی لے آتے۔ عرض کیا کہ آپ حکم فرماتے تو ضرور تعمیل کرتے۔ فرمانے لگے جب تم نے فون کیا تھا ہم نے اس وقت ہی چولہے پر چائے پکنے کے لیے رکھ دی لیکن گیس اتنی کم ہے کہ ابھی تک چائے تیار نہیں ہوئی۔ پھر حکمرانوں کے کارناموں پر تبصرہ کر کے اور ساتھ ہی ساتھ کوئی نہ کوئی محاورہ بھی سنا دیتے اس واقعہ سے بھی ان کی مہمان نوازی کا پتہ چلتا ہے کہ وہ قبل از وقت ہی اس کے انتظام کی فکر کرتے ہیں۔

شفقت کی ایک جھلک قاضی عبدالقدیر خاموش حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک انٹرویو میں بیان کیا ہے کہ شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ ان کا کارکن اگر کام تیس نمبر کا کرتا تو آپ اسے ستر نمبر دے دیتے یعنی ان کی حوصلہ افزائی فرماتے اور اپنے ورکر کو کبھی معمولی خیال نہ کرتے حضرت بھٹی صاحب رحمہ اللہ بھی ہمیشہ حوصلہ افزائی ہی فرماتے ماہنامہ ترجمان الحدیث میں راقم کا کالم ''اج دی خبر'' شائع ہوتا تھا بعد ازاں متکلم اسلام حافظ عبدالرشید اظہر رحمۃ اللہ علیہ کے مشورے سے اس کا نام تبدیل کر کے ''جہان تازہ'' رکھا گیا جب یہ مضمون شائع ہوتا تو بھٹی صاحب کا فون آ جاتا اور فوراً اس پر تبصرہ فرماتے قابل اصلاح چیزوں کی درستگی فرماتے کسی مناسب اور اچھے جملے پر تحسین کرنے میں بخل نہ کرتے بعض مواقع پر بہت زیادہ حوصلہ افزائی فرماتے کہ اپنی کم مائگی پہ شرمندگی کا احساس ہوتا۔ یہ 28 نومبر 2012ء کی بات ہے کہ عزیز القدر حافظ عبدالرحمٰن محسن حفظہ اللہ تعالیٰ کی دعوت پر کوٹ عبدالمالک گیا اس ولیمے میں حضرت بھٹی صاحب بھی مدعو تھے جو کہ راقم سے پہلے ہی تشریف فرما تھے۔ جونہی میں وہاں پہنچا تو فرمانے لگے ''آیا ریزدانی میں تھانوں اڈیک رہیا ساں تہاڈے نال اک مشورہ

کرناسی'' یعنی میں آپ کا انتظار کر رہا تھا آپ سے ایک مشورہ کرنا ہے۔ عرض کیا حضرت میری کیا حیثیت۔؟ میں آپ کو کیا مشورہ دے سکتا ہوں لیکن فرمائیے کیا حکم ہے۔ فرمانے لگے کہ رات گوجرانوالہ سے کچھ حنفی دیو بندی دوست آئے تھے وہ میرے اعزاز میں کوئی پروگرام کرنا چاہ رہے ہیں کچھ ان کے مہمان انڈیا سے بھی آئے ہوئے ہیں لیکن میں نے انہیں بتایا کہ آج میرا ایک یار آ رہا ہے اس سے مشورہ کروں گا اگر اس نے اجازت دی تو پھر میں شامل ہونگا ورنہ نہیں لہذا انہوں نے آج شام کو دوبارہ آنا ہے اب آپ بتائیں کہ مجھے جانا چاہیے۔ یا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو ضرور شرکت کرنی چاہیے۔ رات کے وقت پھر ان کا فون آ گیا اور بتا رہے تھے کہ وہ مہمان آئے ہوئے ہیں اور گوجرانوالہ کے لیے وقت مانگ رہے ہیں تو میں نے آپ کے مشورے کے مطابق ان سے وعدہ کر لیا ہے۔

اس ایک واقعہ سے یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں کہ حضرت بھٹی صاحب اپنے سے چھوٹوں کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اور اس سے صرف ان کا مقصد حوصلہ افزائی کرنا ہوتا تھا۔ یہی بات میں نے شہید اسلام علامہ احسان الٰہی ظہیر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کئی ایک دوستوں سے سنی تھی کہ جب لارنس روڈ لاہور والے مرکز کے لیے جگہ خریدی گئی تو علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ عام کارکنوں سے مشورہ کے انداز میں پوچھتے کہ فلاں جگہ ہم مرکز کے لیے جگہ خریدنا چاہ رہے ہیں آپ کا کیا خیال ہے؟ ظاہر ہے اس کارکن کی کیا حیثیت ہے جو ایک گلی محلے میں بھی عام فرد کی زندگی گزارتا ہے نا اس نے چندہ دینا ہے اور نہ ہی کسی اور خدمت میں شامل ہونا ہے۔ لیکن علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کے اس انداز سے اس ورکر کے دل میں اپنے قائد اور لیڈر کی محبت کس قدر گہری ہوگی اور وہ کیوں نا اپنے لیڈر پر جان قربان کرنے کے لیے تیار ہوگا۔ ہم نے ایسے ایسے نابغے بھی دیکھے ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنے اختیار سے اپنی پسند کی بنائی ہوئی ''مجلس شوریٰ'' کو بھی مشورہ دینے کی اجازت نہیں دیتے کہ ان کے مفادات کے خلاف ہوتا ہے مگر بڑے لوگ بڑے ہی ہوتے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالی

عظیم انسان

مولانا بھٹی صاحب رحمہ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے جن گونا گوں صفات سے نوازا تھا ان میں ایک وانسانیت کا وصف بڑا نمایاں تھا۔ واقعتاً وہ ایک بے لوث اور ہمدرد انسان تھے۔ دکھ تکلیف اور مشقت برداشت کر کے بھی دوسروں کی عزت نفس کا نا صرف خیال رکھتے تھے بلکہ اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتے

تھے۔ پہلی دفعہ .... کو غریب خانے پر میر پور شاہ کوٹ میں تشریف لائے تو جس دوست کو میں نے سٹاپ پر بھٹی صاحب کو لانے کے لیے بھیجا تھا اس سے بھٹی صاحب سواری سے گر گئے۔ بارش ہوئی تھی کیچڑ وغیرہ بھی تھا بھٹی صاحب کے کپڑے خراب ہو گئے ہلکی سی چوٹ بھی لگ گئی لیکن جب گھر پہنچے تو اس کا نام لے کر تعریفیں کر رہے ہیں اور اس کو دعائیں دے رہے ہیں بالکل معلوم ہیں ہونے دیا کہ اس شخص سے مجھے کوئی گزند پہنچی ہے۔ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب نے مجھے بتایا کہ یہ واقعہ پیش آیا ہے تو میں نے معذرت کی لیکن انہوں نے کمال فراخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس انداز سے اس کا تذکرہ کیا جیسے انجوائے کر رہے ہوں۔

(2) اسی طرح عزیزم حافظ عبدالرحمٰن محسن آف کوٹ عبدالمالک نے مجھے یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ ہم نے مغرب کی نماز کے بعد کوٹ عبدالمالک میں بھٹی صاحب کا پروگرام رکھا تھا۔ اتفاق ایسا ہوا کہ تمام مقررین اور سامعین کسی دوسری مسجد کے معاملہ میں تھانہ چلے گئے۔ اب پروگرام والے مقام پر کوئی بھی آدمی نہیں تھا سوائے لاؤڈ سپیکر والے کے جبکہ وہ اجنبی تھا۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں کہ میں تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس آیا تو بھٹی صاحب بازار میں اکیلے ہی کرسی لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کی کوشش کی تو فرمانے لگے کوئی بات نہیں مصروفیت کے موقع پر اس قسم کی صورت حال پیش آ جاتی ہے۔ پھر مغرب کی نماز کے بعد اپنے خطاب حوصلہ افزائی کے ایسے کلمات ارشاد فرمائے کہ مجھے سن کر ندامت ہو رہی تھی۔

عزیز قارئین! مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمہ اللہ علیہ واقعی ایک عظیم اور ہمہ جہت انسان تھے ان کی کس کس خوبی کا تذکرہ کیا جائے ایک ایک وصف پہ کئی کئی واقعات ہیں لیکن انتہائی اختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے چند حروف پیش خدمت کیے ہیں۔ آیئے مل کر دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرما کر ان کے جنۃ الفردوس میں درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

عزیز القدر دوست مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات و خدمات پر ایک کتاب مرتب کی تو اس پر کچھ لکھنے کا حکم فرمایا مگر ساتھ ہی بتا دیا کہ گنجائش صرف ایک ہی صفحہ کی ہے راقم نے ان کے حکم کی تعمیل میں اپنے جذبات پیش کیے میرا جی چاہتا ہے کہ میں بغیر کسی تبدیلی کے ان الفاظ کو دوبارہ حضرت بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے یہاں نقل کر دوں۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں

بہ حیثیت مترجم ریاض الصالحین

فضیلۃ الاستاذ مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

ابوحمزہ پروفیسر سعید مجتبیٰ السعیدی فاضل مدینہ یونیورسٹی

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

امام موصوف ایک بلند پایہ علمی شخصیت اور علم وفضل کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ اہل علم نے آپ کو الامام ''الحافظ'' شیخ الاسلام اور ''محی الدین'' جیسے عظیم القابات سے موصوف کیا ہے۔ آپ کی کنیت ابوزکریا'' اور پورا نام یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام ہے۔ آپ کی ولادت جس بستی میں ہوئی اس کا نام ''نوی'' ہے اس کی طرف انتساب کی وجہ سے آپ کو ''نووی'' یا نواوی'' کہا جاتا ہے۔ آپ علمی دنیا میں اسی نسبت سے زیادہ معروف ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ نے حدیث کی مشہور کتاب ''صحیح مسلم'' کی ایک مبسوط شرح مرتب فرمائی جس کا نام المنہاج فی شرح صحیح مسلم بن الحجاج ہے۔

شروح صحیح مسلم' میں آپ کی اس شرح کو جو قبول عام نصیب ہوا۔ وہ کسی دوسری شرح کے حصے میں نہیں آیا۔ دنیا بھر میں صحیح مسلم کی متداول' معروف اور عام دستیاب ہونے والی شرح آپ ہی کی ہے۔ صحیح مسلم کے اکثر نسخے اس شرح سے مزین ہیں' وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔ آپ بلاشبہ یگانہ روزگار محدث اور بلند پایہ فقیہہ تھے۔

ریاض الصالحین

امام موصوف نے بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان میں سے ایک کتاب ''ریاض الصالحین'' بھی ہے یہ نہایت عمدہ اور مفید کتاب ہے آپ نے اپنی اس کتاب کو اس قدر عرق ریزی کے ساتھ مرتب فرمایا ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبہ جات کے لئے قرآن وسنت سے راہ نمائی اور شرعی ہدایات پیش کی گئی ہیں۔ اس کتاب میں 372 عنوانات یعنی ابواب کے تحت

1898 احادیث جمع فرمائی ہیں۔

اس میں آپ کا انداز یہ رہا ہے کہ ہر باب کے آغاز میں متعلقہ عنوان سے تعلق رکھنے والی آیات اور بعد ازاں اسی موضوع سے متعلقہ احادیث خاص ترتیب سے ذکر فرمائی ہیں۔اس طرح اس کتاب کو قرآن و حدیث کے دل نواز مرقع اور روح پرور مجموعے کی حیثیت حاصل ہے۔

تعمیر اخلاق اور اصلاح کردار کے سلسلے میں اہل دل علماء شروع سے اس کتاب کے مطالعے کی سفارش اور اس سے استفادے کی ترغیب دلاتے آئے ہیں۔یہ ایک ایسا جامع ضابطہ حیات ہے کہ جس کے مندرجات کی روشنی میں انسان اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ازالہ کر کے اللہ رب العالمین کا محبوب اور پسندیدہ بندہ بن سکتا ہے

یہ تعلیمات اسلامیہ کا ایسا حسین وجمیل مرقع ہے جس میں حسن اخلاق کی خوش بو بھی ہے اور حسن تعامل کی مہک بھی' شب وروز کے معمولات کی راہ نمائی بھی ہے اور حسن معاشرت کے زریں اصول وضوابط بھی۔یعنی کتاب کا اصل موضوع انسانیت کی اصلاح وتربیت اور اخلاقی راہ نمائی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو دینی کتب میں امتیازی حیثیت حاصل ہے کبار اہل علم اس سے استفادہ کرتے ہوئے درس قرآن وسنت ارشاد فرماتے اور خطباء عظام خطبے اور وعظ ارشاد فرماتے ہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی اور ریاض الصالحین

امام نووی کی تالیف کردہ کتب میں ریاض الصالحین کو اس قدر مقبولیت ملی کہ اس کے زمانہ تالیف سے لے کر آج تک عوام وخواص برابر اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔اور اس کی اہمیت و جامعیت کی بنا پر عربی زبان میں اس کی بہت سی شروح اور اردو میں بھی اس کے متعدد تراجم کیے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک ترجمہ ہمارے ممدوح مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کا بھی ہے اس ترجمے کی عمدگی' ثقاہت اور سلاست کے لئے بھٹی صاحب کا نام ہی کافی ہے۔

آں محترم دین کے بہت بڑے عالم تھے۔آپ نے اپنے دور کے کبار اور جہابذہ وجہاں دیدہ اہل علم کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کر کے اسلامی تعلیمات اور متعلقہ فنون کی علمی

میراث سے اپنے کشکول کو لبالب بھرا۔ کسی بھی تحریر کو ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لئے بنیادی لازمہ ہے کہ مترجم کو دونوں زبانوں پر مکمل عبور ہو وہ ان کی باریکیوں اور لطافت سے پوری طرح آگاہ ہو۔

بھٹی صاحب میں یہ تمام خوبیاں اللہ کے فضل و کرم سے بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔ آپ دینی علوم وفنون سے مالا مال' عربی زبان وادب کے ماہراور اردو کی فصاحت و بلاغت کے شناور تھے۔

آپ بے ساختہ' و بے تکان مسلسل ترجمہ کرتے چلے جاتے' زیادہ مشکل اور نامانوس الفاظ سے کلام کو ثقیل نہ کرتے۔

(1) آپ نے ترجمے میں یہ التزام کیا ہے کہ کتاب کے ہر صفحے کو دو کالموں میں تقسیم کر کے ایک کالم میں عربی عبارات اور اس کے بالمقابل دوسرے کالم میں اس کا اردو ترجمہ پیش کیا ہے۔

(2) طباعت کے جدید انداز کی رعایت سے احادیث کی ترقیم (یعنی نمبرنگ) کی گئی ہے۔

(3) اور پوری کتاب میں جا بجا ''تشریح'' کے زیر عنوان احادیث سے مستنبط ہونے والے مسائل واحکام مختصر اور جامع انداز سے ذکر فرمائے ہیں۔

بھٹی صاحب ماشاء اللہ الفاظ حدیث کے سیاق وسباق سے ایسا اچھوتا استنباط فرماتے ہیں کہ عام طور پر شارحین اس طرف توجہ نہیں فرما سکے۔ قارئین کی ضیافت طبع اور محترم بھٹی صاحب کے علمی افادات کے طور پر ان کی بعض تشریحات پیش خدمت ہیں۔

حدیث نمبر 28 اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری اور اس کی شدت کا بیان ہے کہ آپ کی بیماری کی شدت اور غلبے کو دیکھ کر سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا برداشت نہ کر سکیں تو کہا واکرب ابتاہ ہائے میرے بابا جان کی تکلیف کی شدت۔ الخ

اس کے بعد ''تشریح'' کے ضمن میں بھٹی صاحب رقمطراز ہیں۔

''حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد عالی مرتبت کی وفات پر نالہ و شیون نہیں کیا البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارتحال کے موقعہ پر جو بے چینی ہو رہی تھی اس کا اظہار فرمایا ہے۔

حدیث نمبر 58 یہاں امام نوویؒ نے وہ مشہور حدیث ذکر کی ہے جو اہل علم دین کے

ہاں حدیث جبریل کے نام سے معروف وموسوم ہے اس حدیث کا ترجمہ اور اس کے بعد تشریح کے ضمن میں بھٹی صاحب رقم طراز ہیں۔'' پھر اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سوال کرنے والے کو کس اسلوب میں سوال کرنا چاہیے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ خاص کر علم دین حاصل کرنے والوں کو صاف ستھرا لباس پہننا چاہئے۔''

حدیث نمبر 75 ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جن کے دل پرندوں کے دلوں کی مانند ہوں گے (صحیح مسلم)

تشریح:۔ اس حدیث کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ حصول رزق میں اس طرح اللہ پر بھروسا کرتے ہیں جس طرح پرندے کرتے ہیں۔

حدیث نمبر 104 ابو فراس ربیعہ بن کعب اسلمیؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور اصحاب صفہ میں سے ہیں' روایت کرتے ہیں کہ میں رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہا کرتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے لئے پانی اور جس چیز کی آپ کو ضرورت پڑتی پیش کیا کرتا تھا ایک روز آپ نے مجھ سے فرمایا' جو کچھ مانگنا چاہو مانگ لو۔ میں نے عرض کیا' جنت میں آپ کی رفاقت کا متمنی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' کیا اس کے علاوہ بھی کسی اور چیز کی خواہش ہے؟ میں نے عرض کیا۔ بس یہی سعادت مطلوب ہے۔

آپ نے فرمایا' تم بکثرت سجدوں کے ساتھ یعنی زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھ کر اپنی تمنا پوری کرنے کے لئے میری مدد کرو۔ (صحیح مسلم)

تشریح بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔ یعنی تم زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھو اور اللہ کے حضور سجدہ ریز رہو۔ اس طرح تمہارے اعمال بہتر ہوں گے تو تمہاری خواہش پوری ہوگی۔ میں بھی تمہارے لئے دعا کروں گا۔ کہ تمہاری یہ خواہش پوری ہو۔ لیکن نوافل پڑھ کر قبولیت دعا کے لئے تم میری مدد کرو۔

قارئین! بھٹی صاحب کے الفاظ میں حدیث کا ترجمہ اور تشریح ایک بار پھر پڑھ کر

دیکھیں۔ کس قدر سادہ اور عمدہ ترجمہ اور شان دار تشریح رقم فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ تعالیٰ خیرا

ریاض الصالحین: کے آخر میں امام نوویؒ نے جنت اور اس کی نعمتوں کی تفصیلات اور دیدار الٰہی سے متعلق احادیث ذکر کرنے کے بعد کتاب کی تکمیل کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ان الذین آمنو وعملوا الصالحات یھدیھم ربھم بایمانھم تجری من تحتھم الانھار فی جنات النعیم دعواھم فیھا سبحانک اللھم و تحیتھم فیھا سلام و آخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین. (یونس 10/9,10)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کا رب ان کو ایمان سے مشرف ہونے کی وجہ سے نجات و سعادت کا راستہ دکھائے گا۔ آسائش کے باغوں میں ان کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ وہ وہاں بے ساختہ "سبحان اللہ" کے کلمات پکاریں گے۔ اور وہاں ان کی باہمی دعائے خیر "سلام" ہوگی۔

اور ان کی دعا کے آخری الفاظ "الحمد للہ رب العالمین" ہوں گے یعنی تمام حمد و ثناء اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا پروردگار ہے۔

تشریح بھٹی صاحب رقم طراز ہیں:

کتاب کے آخر میں حضرت مصنف (امام نووی) رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح حدیث شریف اس مفہوم کی درج فرمائی ہے جس سے بارگاہ الٰہی میں بہتر انجام اور خاتمہ بالخیر کی تمنا کا اظہار ہے۔ اسی طرح کتاب کے آخر میں آیت مبارکہ بھی وہی درج کی ہے جو اسی مفہوم کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی جنت کی طلب اور اس کے حصول کی خواہش یہی مومن کا مقصود اصلی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے عالی قدر مصنف (امام نوویؒ) کے ساتھ اس کتاب کے مترجم و محشی اور ناشر کا بھی خاتمہ بالخیر کرے سب کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اپنے دیدار کی نعمت سے نوازے۔ (آمین یارب العالمین)

ذہبی دوراں مولانا محمد اسحاق بھٹی کی خدمات حدیث

پروفیسر ڈاکٹر خالد ظفر اللہ سمندری فیصل آباد

مختصر حالات زندگی

ذہبی دوراں قدیم درسی علوم اور جدید افکار کا حسین امتزاج' سلف صالحین اور متجددین کے یکساں تعلقات سلفیت و سیاست کے بیک وقت نمائندے' مرنجاں مرنج طبیعت کے مالک' بزرگوں کے عقیدت مند نوجوانوں کے سرپرست' دوستوں کے دوست' چھوٹوں کے مہربان' بڑوں کے قدردان' مہمان نوازی عالی ظرم' مجلس آرائی میں شگفتہ بیان' مشرقی اقدار کے پاسدار' مغربی جذبہ تحقیق کے علمدار' عمر رواں کے لمحات کو زینت قرطاس بنانے والے قدیم دینی مدارس کے تعلیم یافتہ مگر جدید اردو ادب کے میدان میں عالی مرتبت' خاکہ نگاری کے بادشاہ قلم سے قاری کے دل کو موہ لینے والے اپنی مزاح و مٹھاس بھری تحریر کا متوالا بنانے والے' تاریخی معلومات کا خزینہ' علم کا پہاڑ مگر انکسار کا پیکر' غرور علمی اور پندار تقوی سے مبرا' کہنہ مشق صحافی' کامیاب مترجم' تاریخ نویسی اور خاکہ نویسی میں منفرد تحریر کے مالک جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی بن عبدالمجید کی تاریخ پیدائش 15 مارچ 1925ء اور آبائی علاقہ کوٹ کپورہ' ریاست فرید کوٹ' مشرقی پنجاب (موجودہ ہندوستان) ہے آپ 91 برس کی طویل بہاریں دیکھ کر 22 دسمبر 2015ء کو اپنے اخروی سفر پر روانہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات قبول فرما کر جنت الفردوس میں اپنا مہمان ٹھہرائے (آمین یا ارحم الراحمین) 22 دسمبر کو بعد از نماز عشاء ان کے آبائی گاؤں منصور پور ڈھیسیاں نزد جڑانوالہ نماز جنازہ کی ادائیگی کے ساتھ والد محترم محمد داؤد مرحوم 1982ء سے جاری ہمارا دو نسلوں کا دنیاوی تعلق اختتام پذیر ہوا۔

(تفصیلات کے لئے دیکھئے "کاروان سلف مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد 2003ء) (ص 65 تا 67)

مکرمی و مخدومی جناب بھٹی صاحب کے تفصیلی شخصی حالات کے لئے ان کی خود نوشت' گزر گئی

گذران (نشریات لاہور 2011ء صفحات 466) اور ہمارے مہربان دوست یکے از غرباء عزلت نشیں قلمکار جناب مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ کی تحریر کردہ سوانح عمری "مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی' حیات و خدمات" (مکتبہ رحمانیہ سیالکوٹ فروری 2011ء' صفحات 236) کا مطالعہ مفید مطلب ہوسکتا ہے اس خاص شمارہ میں بھی یقیناً تفصیلی حالات زندگی شامل ہوں گے لہٰذا تکرار مواد سے اجتناب لازم گردانا گیا ہے۔

جناب بھٹی صاحب کی متنوع خدمات قلم و قرطاس ہزاروں صفحات پر مشتمل ہیں۔ان میں سے صرف ایک پہلو خدمات حدیث کو نظر قارئین کیا جارہا ہے۔ جس کی ترتیب حسب ذیل ہے۔

1) تحصیل علوم حدیث' (2) نظریہ حدیث' (3) حدیث مع ترجمہ وتشریح' (4) ریاض الصالحین' ترجمہ' (5) حدیث اور فقہ میں باہمی ربط' (6) برصغیر میں علم حدیث' (7) حدیث اور اسماء الرجال' (8) تذکار خدام حدیث' (9) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات' (10) شروح صحیح بخاری' (11) الاعتصام (حجیت حدیث نمبر)

1) تحصیل علوم حدیث

ذہبی دوراں جناب بھٹی صاحب نے مدرسہ کی تعلیم کے دوران 1933ء سے 1940 تک مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ متوفی (2 اکتوبر 1987ء) سے اپنے آبائی شہر کوٹ کپورہ' مرکز الاسلام لکھو کے اور فیروز پور میں علاوہ دیگر درس کتب کے اصول حدیث میں نخبۃ الفکر اور مقدمہ ابن الصلاح پڑھیں۔ متون حدیث میں بلوغ المرام سے لے کر صحیح بخاری تک صحاح کی نصابی کتابوں کی تکمیل کی (گزرگئی گزران' ص 66-67) رمضان سلفی صاحب کی مہیا کردہ تفصیلات کے مطابق نسائی شریف اور شرح نخبۃ الفکر۔ کے کچھ اسباق کوٹ کپورہ میں پڑھے اور باقی مرکز الاسلام میں (مولانا محمد رمضان یوسف سلفی' مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی' ص 40) فیروز پور میں جو کتب پڑھیں ان میں سنن ابو داؤد' جامع ترمذی' ابن ماجہ' موطا امام مالک اور مقدمہ ابن الصلاح شامل ہیں (رمضان سلفی۔ص 40)

جناب بھٹی صاحب محدث زماں حافظ الحدیث حافظ محمد گوندلوی رحمۃ اللہ (م 4 جون

1985ء) سے بھی شرف تلمذ رکھتے تھے۔ گوجرانوالہ میں 1940۔ 1941 کے دوران موطا امام مالک اور صحیح بخاری دونوں کتابیں دوبارہ پڑھیں (گزر گئی گذران' ص 68) جناب رمضان سلفی کی تحقیق کے مطابق صحیح مسلم بھی پڑھی (رمضان سلفی۔ص 41)

ہندوستان میں آپ کے ذاتی ذخیرہ کتب میں ''حدیث کی کتابوں میں بلوغ المرام مع سبل السلام' مشکوۃ شریف' سنن نسائی' جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ابن ماجہ' ابوداؤد مع عون المعبود' صحیح مسلم اور صحیح بخاری شامل تھیں (گزر گئی گزران' ص 190)

2) نظریہ حدیث

خادم محدثین جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب کے نزدیک حدیث وحی الٰہی ہے۔ آپ کے الفاظ میں ''دین کے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعمال وارشادات کو تسلیم کرنا لازم ہے کیوں کہ ان کی حیثیت وحی الٰہی کی ہے'' (محمد اسحاق بھٹی' برصغیر میں علم فقہ' بیت الحکمت لاہور 1430ھ 2009ء' ص 23) ارمغان حدیث' ص 10 پر تبیین کے زیر عنوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ضرورت واہمیت بڑے خوبصورت اسلوب میں واضح کرتے ہیں ''تبیین سے مقصود یہ ہے کہ قرآن میں جن احکام واوامر اور فرائض واعمال کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول وعمل سے اس کی وضاحت فرماتے ہیں اور مناسب الفاظ اور خوبصورت اسلوب میں اپنی امت کو اس کی تشریح وتفصیل سے آگاہ کرتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز کا حکم دیا گیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تشریح کرتے ہیں اور لوگوں کو بتاتے ہیں کہ دن رات میں کتنی نمازیں فرض ہیں' سنن ونوافل کیا ہیں اور رکوع وسجود میں کیا کچھ پڑھنا چاہئے؟ مناسک حج کون کون سے ہیں اور ان کے ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ روزے کی تفصیلات کیا ہیں؟ نصاب زکوۃ کیا ہے؟ تجارت اور کاروبار میں کن امور کو پیش نگاہ رکھنا ضروری ہے؟ فرمایا۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم و لعلھم یتفکرون (النحل: 43) اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے تاکہ جو باتیں لوگوں پر نازل ہوئی ہیں وہ باتیں آپ کھول کر بیان کر دیں تاکہ وہ غور وفکر سے کام لیں''

اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن مجید نے نبوت ورسالت کے تصور کو جس اسلوب سے نکھارا اور جس نہج سے بیان کیا اور جس انداز سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو ضروری قرار دیا' یہ اس کا نتیجہ تھا۔ کہ امت مسلمہ نے ہر عہد اور ہر زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین وارشادات کو مشعل راہ بنایا۔

جناب بھٹی صاحب مسلک اہل حدیث کے علمبردار تھے ان کے بقول میں نے اپنی تحریروں اور ریڈیائی اور ٹیلی ویژنی پروگراموں میں ہمیشہ اپنے مسلک کو ملحوظ خاطر رکھا اور اس کی خدمت کی بحمد اللہ ایک لمحے کے لیے بھی اس میں لچک نہیں آنے دی (گزر گئی گزران' ص 263) جناب بھٹی صاحب کی عمر بھر کی مسلکی وابستگی کے بعد یہ کہنا بجا ہوگا کہ اہل حدیث کی مجموعی فکر ہی جناب بھٹی صاحب کی فکر تھی اہل حدیث کی فکر میں قرآن کی طرح حدیث بھی ماخذ اسلام ہے۔ بھٹی صاحب کے الفاظ میں ''اہل حدیث کہتے ہیں براہ راست قرآن وحدیث کو مانو جو اسلام کا اصل ماخذ ہے (محمد اسحاق بھٹی' برصغیر میں اہل حدیث کی آمد' مکتبہ قدوسیہ لاہور 2004ء ص 64' مذکورہ بالا سے چند حوالہ جات سے واضح ہو رہا ہے کہ بھٹی صاحب حدیث نبوی کو وحی الٰہی' واجب الاتباع اور ماخذ اسلام تسلیم کرتے تھے۔ حدیث نبوی بارے ایسا ٹھوس ایمان ہی ذریعہ نجات ہوگا۔

ارمغان حدیث

مؤلف محمد اسحاق بھٹی

ناشر:۔ طارق اکیڈمی جون 2008ء

صفحات: 272

احادیث:۔ 99

بصورت ترجمہ وتشریح: لائق صد تکریم مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی مرتب کردہ ارمغان حدیث خدمت حدیث میں واحد کلی ذاتی کاوش ہے۔ جو کہ جناب بھٹی صاحب کے حسن انتخاب کا مجموعہ احادیث نبویہ ارمغان حدیث کا ص 1 ٹائٹل کتاب' ص 2 جملہ حقوق' ص 3 تا 4 فہرست ہے۔ ص 5 تا 6 عرض ناشر از محمد سرور طارق اور ص 7 تا 8 مقدمہ از محمد خالد سیف محررہ 12 ستمبر 2007ء کے لئے مختص ہے ص 9 تا 12 حرف چند از محمد اسحاق بھٹی موجود

ہے۔ص 13 تا 272 پر 99 منتخب احادیث کا ترجمہ اور عمدہ راہنما تشریح جناب بھٹی صاحب کے قلم گوہر بار سے حوالہ قرطاس ہے۔

اسلام کے قصر رفیع کی مضبوط بنیادوں میں سے ایک اہم ترین معاملات کا وسیع دائرہ ہے جناب بھٹی صاحب کے الفاظ میں عبادات کے بعد دوسرا سلسلہ معاملات کا ہے جو بہت پھیلا ہوا ہے اور انسان کی دنیاوی زندگی کے ہر پہلو پر محیط ہے اس میں مسلمان اور غیر مسلم سبھی شامل ہیں۔ تجارت زراعت' اخلاق' آداب' آپس کے تعلقات ایک دوسرے کے حقوق' بیع وشراء' ملازموں کے حقوق' مزدوروں کے حقوق' حتی کہ جانوروں اور ڈنگروں کے حقوق' کھانے پینے کے آداب' معاشرتی روابط' غیر مسلموں سے میل جول کی نوعیت حاکم محکوم اور رعیت ورائی کی باہمی علائق وغیرہ لا تعداد امور ہیں جو معاملات کے دائرے میں شامل ہیں (ص59)

حیات انسانی کے وسیع دائرہ معاملات بارے جناب بھٹی صاحب نے کتب ستہ (بخاری' مسلم' ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ) کے علاوہ مسند احمد مستدرک حاکم شعب الایمان' مجمع الزوائد' مشکوۃ اور الدارمی

جیسے بارہ (12) مختلف بنیادی ثانوی ماخذوں سے 98 احادیث ان کے حوالہ جات کے ساتھ اور ایک حدیث بغیر کسی ماخذ کے حوالہ کے نقل فرمائی ہے۔ مختلف ابواب کے زیر عنوان 99 احادیث کو ان کی بنیاد بنایا گیا ہے۔ جبکہ ص 8 پر محمد خالد سیف نے اپنے تحریر کردہ مقدمہ اور ص 12 پر مکرمی و محترمی بھٹی صاحب نے حرفے چند' میں ایک سو (100) احادیث متن اور ترجمہ وتشریح کے ساتھ اس میں جمع کرنے کی نوید سنائی ہے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سو نمبر حدیث کہاں کم رہ گئی یا گم ہوگئی؟

ارمغان حدیث میں موجود 99 احادیث میں سے 77 مقبول اعلی صحیح یا حسن اور 22 احادیث مردود یعنی ضعیف درجے میں ہیں مکرمی بھٹی صاحب کے ابتدائی دور حیات یعنی 60-70 سال پہلے احادیث کا مطلق ذکر کافی گردانا جاتا تھا۔ آہستہ آہستہ متن حدیث مع حوالہ ماخذ کے نقل کا رجحان پیدا ہوا چاہے ماخذ اصلی ہو یا ثانوی' برصغیر میں 3-4 دہائیوں سے مزید صحت مندر جحان نہ صرف پیدا ہوا بلکہ آہستہ آہستہ غالب آرہا ہے۔ کہ حدیث اصل ماخذ سے ذکر کی جائے۔ اور اس کی تحقیق بھی ہدیہ قارئین کی جائے تاکہ مقبول

درجے ہی احادیث قبول کی جائیں۔

جناب بھٹی صاحب اپنے ابتدائی دور کے امین ٹھہرے' مطلق حوالہ ماخذ ذکر فرماتے رہے اور تحقیق حدیث بارے نشان دہی سے بے نیاز رہے۔ کیونکہ جناب بھٹی صاحب کے معاصر بزرگوں میں یہ رجحان غالب رہا ہے کہ ضعیف حدیث مطلقاً لائق رد نہیں اور خود بھٹی صاحب کے نزدیک اس پر بھی بہر حال عمل روا رکھا جا سکتا ہے۔ مکرمی بھٹی صاحب کے الفاظ میں ''فضائل اعمال میں متعدد علمائے اہل حدیث جن میں اس فقیر کے بعض اساتذہ کرام بھی شامل ہیں ضعاف پر عمل کے قائل تھے۔ ان سطور کے گناہ گار راقم کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ لیکن اس سلسلے میں' میں کسی سے بحث نہیں کرتا (گزر گئی گزران ص 270)

معاشرتی ارتقاء ایک طبعی امر ہے جس میں مادی معاشرتی مظاہر کے ساتھ ساتھ علوم و فنون میں ترقی و توسع' تحقیق و تنقید کے رجحانات' غلط کی بجائے صحیح' کمزور کی بجائے مضبوط افکار و نظریات کا پروان چڑھنا علامت خیر اور باعث شرف ہے۔ زندگی کے دیگر میدانوں میں کار فرما عوامل و رجحانات بارے کمزور' بودے بیت عنکبوت جیسے بے بنیاد افکار و نظریات اپنی جگہ کھو رہے ہیں۔ بعینہ حدیث نبوی کے آخری دور کے بارے بھی یہ رجحان آہستہ آہستہ غالب آ رہا ہے کہ ایمان و عمل میں ضعیف حدیث کو کیوں جگہ دی جائے۔ اس فکر کے حاملین اب ضعیف روایات اور ان کی بنیاد پر تیار شدہ لٹریچر کو بطیب خاطر قبول نہیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اہل علم کو خصوصی توفیق و ہمت ارزاں فرمائے۔ اور یہ ارباب علم و فضل مقبول روایات ہی اپنی تقریروں اور تحریروں میں ہدیہ سامعین و قارئین فرمائیں۔ تاہم ضعیف سند اور ضعیف حدیث کا خالص علمی و فنی فرق ضرور مد نظر رہنا چاہئے کیونکہ کسی ایک ضعیف سند سے حدیث نبوی کا مطلقاً ضعیف ہونا لازم نہیں آتا۔ دیگر سند یا اسناد سے وہی حدیث صحیح بھی ہو سکتی ہے۔

ارمغان حدیث میں موجود احادیث کے ترجمہ بارے جناب بھٹی صاحب کا ترجمان قلم خوب حق ترجمانی ادا کرتا ہے جو بھٹی صاحب کے ٹھوس علم اور پختہ اسلوب کا ثمر ہے' این سعادت بزور بازو نیست'' اللہ تعالیٰ کی ''ذہبی دوراں'' پر خاص عنایت تھی کہ آپ کے قلم سے حوالہ قرطاس کردہ تحریر کی زبان آب کوثر دھلی زبان کا رنگ رکھتی تھی۔ جناب بھٹی صاحب نے طویل عمر پائی۔ راسخ

العلم والفکر اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ معاشرے میں بھرپور زندگی بسر کرنے والی اہم شخصیات کی ہم رکابی میں رہے۔ زمانے کی اونچ نیچ اتار چڑھاؤ بلکہ گرم سرد موسم خوب دیکھے۔ اس کا نتیجہ ہے کہ معاملات زندگی بارے احادیث کا چناؤ اپنی جگہ لائق داد ہے۔ تو ان کی تشریح میں آپ کی دلی ہمدردی، انسانی خیر خواہی، عملی راہنمائی کا رنگ غالب ہے آپ کی کردہ تشریح خالی خولی توضیح نہیں بلکہ مسلم معاشرے کو دعوت فکر وعمل کا ڈھنگ لئے ہے۔ آپ کی مرنجاں مرنج شخصیت آپ کی تحریروں میں جھلکتی ہے۔ بڑے خوشگوار انداز میں اصلاح احوال شخصیہ اور احوال معاشرہ کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ لیکن قاری کے لئے قطعاً کسی طرح کی بوریت یا اکتاہٹ کا مرحلہ نہیں آنے دیتے۔

تشریح حدیث متعلقہ حدیث کے جملہ معاشرتی پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ قاری ارمغان حدیث کے مطالعہ کے بعد مذکورہ حدیث کے معاشرتی راہنمائی سے لاعلم یا معاشرتی فریضہ سے نابلد نہیں رہ سکتا۔ ایسی جامع مانع اور قانع طرز کی تحریر جناب بھٹی صاحب کا ہی خاصہ تھا۔ اللہ بخشش کرے خوب صاحب قلم انسان تھے۔

"ایک حدیث"

مکرمی محترمی جناب بھٹی صاحب 21 اکتوبر 1965ء سے 16 مارچ 1996ء تک ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور سے وابستہ رہے۔ اس وقت ادارے سے ماہنامہ مجلّہ "ثقافت" کے نام سے شائع ہوتا تھا۔ بعدازاں اس کا نام "المعارف" رکھا گیا۔ المعارف کے جناب بھٹی صاحب بھی ایڈیٹر رہے۔ بھٹی صاحب کے بقول "میری ایڈیٹری کی مدت بائیس سال پر مشتمل ہے۔ اس اثناء میں میں ادارے سے بھی لکھتا رہا۔ مضامین بھی لکھتا رہا۔ کتابوں پر تبصرے بھی کرتا رہا۔ اور ایک حدیث کے عنوان سے بھی ہر شمارے میں میرا مضمون باقاعدگی سے چھپتا رہا۔ (گزر گئی گزران۔ ص245)

مورخہ 15-03-16 بذریعہ موبائل جناب محمد رمضان یوسف سلفی صاحب کی وساطت سے جناب بھٹی صاحب کے برادر خورد جناب محمد سعید بھٹی صاحب سے یہ معلومات حاصل ہوئیں کہ "المعارف" میں ایک مجموعے کے زیرعنوان شائع شدہ احادیث میں سے بعض احادیث ارمغان حدیث میں شامل ہیں۔ جبکہ "المعارف" میں شائع شدہ ایک حدیث کے زیر

عنوان جملہ احادیث کا مسودہ مکرمی جناب قاضی محمد اسلم صاحب فیروز پوری رحمہ اللہ جناب اسحاق بھٹی صاحب سے (15 اکتوبر 1996ء کو ان کے حسین حیات ان سے لائے تھے۔اور جناب اسحاق بھٹی صاحب کے پس مرگ یہ نوید ملی ہے کہ مسودہ تا حال غیر مطبوعہ شکل میں جناب قاضی صاحب کے پس ماندگان کے ہاں موجود ہے۔بقول سعید بھٹی حسب فرصت وہ ماموں کانجن جا کر لائیں گے اور جناب محمد رمضان سلفی صاحب کی خدمات قلمیہ وعلمیہ کے ذریعے اسے شائع کرنے کا اہتمام کریں گے۔(ہذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب)(حررہ 16-3-15 رات 10.00 بجے)

کل مورخہ 16-3-15 جناب قاضی محمد اسلم سیف رحمۃ اللہ کے صلبی وعلمی وارث جناب پروفیسر حافظ افتخار قدیر صاحب کے بذریعہ فون مذکورہ مسودہ بارے دریافت کیا تھا انہوں نے وعدہ کیا کہ والد محترم کی مسودات و کاغذات والی الماری چیک کر کے فون کروں گا۔ آج 16-3-16 رات تقریباً 8 بجے فون آیا کہ مسودات کی جانچ پڑتال کی گئی لیکن مذکورہ مسودہ نامی کوئی شے دریافت نہیں ہوئی۔(حررہ 16-3-16 رات 10.40 بجے)

جناب افتخار قدیر صاحب نے مزید یہ واضح کیا کہ جناب بھٹی صاحب کا ریڈیو تقاریر پر مشتمل ایک مسودہ ہمارے ہاں موجود تھا جو کہ جناب محمد سعید بھٹی صاحب تک پہنچا دیا ہے۔راقم سطور ہذا کے نزدیک ممکن ہے جناب سعید صاحب کا سہو ہو اور انہوں نے ریڈیو تقاریر بارے مسودے کو "ایک حدیث" بارے گردان رکھا ہو۔(اللہ اعلم والصواب)

ریاض الصالحین

تالیف:	ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی الدمشقی (676-631)
اردو ترجمہ:	مولانا محمد اسحاق بھٹی
ناشر:	مشتاق بک کارنر الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
صفحات:	جلد اول 459 جلد دوم 411
احادیث:۔	جلد اول 897: جلد دوم: 1005

ایمانیات' عبادات' معاملات' اخلاقیات اور تزکیہ نفس پر بہترین جامع راہنمائی بارے

اشاعت خاص مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

امام نوویؒ کی مشہور و معروف کتاب ریاض الصالحین کا ترجمہ ذہبی دوران حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کے قلم گوہر بار سے بھی مارکیٹ میں موجود اور اہل ذوق کے نظر نواز ہے۔

بھٹی صاحب رقم طراز ہیں کہ ''بہت عرصہ پہلے ایک کرم فرما عالم دین کے حکم سے ''ریاض الصالحین'' کا ترجمہ کیا تھا۔اور تشریح کے عنوان سے مختلف احادیث کی تشریح کی گئی تھی۔ (ص 14) طبی عوارض اور دیگر مصروفیات کی بناء پر زیور طبع سے آراستہ کرانے کی نوبت نہ آئی۔ آنکھ میں موتیا کا آپریشن کرانے کے بعد صحتیابی پر عزم نو کیا۔اور اپنی دیرینہ کاوش اور خواہش کو زیور طبع سے آراستہ کرانے میں کامیاب ٹھہرے۔

جناب بھٹی صاحب نے طبع میں تاخیر اور سبب تاخیر کے بعد اسلامی لٹریچر میں کتاب ہذا کی اہمیت واضح فرمائی ہے۔ایک بزرگ ناصح کے طور پر کہتے ہیں کہ مقرروں خطیبوں اور واعظوں کو خاص طور سے اس کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اس کے مندرجات سے فائدہ اٹھانا چاہئے (ص 15)

فاضل مترجم اپنے کردہ ترجمہ کی حقیقت و اصلیت یوں واضح کرتے ہیں'' یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ کافی عرصہ بیشتر جب میں نے اس کے ترجمے کی ابتداء کی تھی اس وقت ایک دوست کی معرفت مجھے ایک پرانا ترجمہ حاصل ہوا تھا۔جس سے میں نے کچھ استفادہ کیا۔لیکن جب میں ترجمہ مکمل کر چکا اور پروف خوانی بھی کر لی تو معلوم ہوا کہ بعض اور اہل علم نے بھی یہ خدمت سرانجام دی ہے۔ چنانچہ میں نے اپنے لائق احترام اہل علم کے ترجمے مارکیٹ سے حاصل کیے اور ان سے مستفید ہوا۔ میں اپنے ترجمے کا نہ تو کسی اہل علم کے ترجمے سے تقابل کروں گا اور نہ اس کے متعلق کچھ عرض کروں گا۔بس یہی کہوں گا کہ اس فقیر نے بھی اپنے انداز سے اس کتاب کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے''۔(ص 15)

جناب بھٹی صاحب نے حضرت امام نووی رحمہ اللہ کے مختصر حالات زندگی بھی ص 17 تا 20 سپرد قلم کئے ہیں تاکہ ریاض الصالحین سے استفادہ کرنے والے احباب صاحب کتاب کی شخصیت عالی مرتبت سے آگاہی پائیں اور ان کی علمیت و عظمت کو دل میں جگہ دے کر ان کی خدمت حدیث سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کریں۔اور عملی زندگی سیرۃ نبوی کے رنگ میں ڈھال سکیں۔

جلد اول ص 21 تا 24 جناب بھٹی صاحب کے قلم سے امام نوویؒ کے تحریر کردہ مقدمۃ الکتاب کا ترجمہ موجود ہے۔ اس کے بعد ص 25 تا 459 مختلف 143 ابواب کے تحت 897 احادیث نبویہ کا ایک کالم میں عربی متن جن کے بالمقابل دوسرے کالم میں اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

جلد دوم میں بھی جلد اول کے انداز پر ایک کالم میں عربی متن جن کے بالمقابل دوسرے کالم میں اردو ترجمہ ہدیہ قارئین ہے۔ جبکہ حسب ضرورت ہر دو جلد میں کسی حدیث کی تشریح کرتے وقت متعلقہ حدیث کے نیچے ہر دو کالم کی پابندی کی بجائے مسلسل سطری عبارت کی شکل میں سپرد قلم ہے۔

کسی ایک زبان سے دوسری زبان ترجمہ کرنے بارے آپ راہنمائی فرمایا کرتے تھے کہ جس زبان میں آپ ترجمہ کر رہے ہیں ترجمہ کرتے وقت یہ سوچ غالب رہنی چاہئے کہ صاحب کتاب اگر اس زبان میں یہ کتاب لکھتے تو ان کا اسلوب اور زبان یہی ہوتی۔ جو میں کر رہا ہوں۔ مذکورہ راہنمائی لائق تکریم بھٹی صاحب کے کردہ ترجمہ میں عیاں ہے۔ آپ نے اصل متن کی بھرپور رعایت مدنظر رکھی ہے۔ اور متن کتاب میں سے کسی بات کو نظر انداز نہیں کیا متن کتاب میں موجود پہلے عنوان باب کے عربی الفاظ کے بالمقابل باب کے نمبر سمیت اردو ترجمہ کیا گیا ہے بعد ازاں تمہید باب کی عربی عبارت کے بالمقابل اس کا ترجمہ درج ہے۔

اس کے نیچے متن حدیث کے بالمقابل دوسرے کالم میں ترجمہ کا فریضہ سرانجام دیا گیا ہے۔ دوران ترجمہ عربی متن کے الفاظ سے بہت حد تک پابندی کے ساتھ اردو ترجمانی کا حق ادا کیا گیا ہے۔ بعض اوقات ترجمہ کی روانی اور درست فہم کی غرض سے قوسین میں اپنے اضافی الفاظ سے مدد لی گئی ہے۔ اس طرح قاری کے لئے عربی متن کے مبہم و مغلق مقامات کی تفہیم بہت آسان ہوگئی ہے۔ اور قاری بآسانی ترجمہ حدیث پڑھنے اور سمجھنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ قاری کی یہ کامیابی درحقیقت فاضل مترجم کے ٹھوس علم، مضبوط فہم اور کامیاب ترجمہ نگار ہونے کا بین ثبوت ہے۔ یوں قاری کو حدیث نبوی سے جوڑنے کی بہترین خدمت حدیث ہے۔

بعض ضروری مقامات کی توضیح کی غرض سے تشریح کی ذیلی سرخی کے ساتھ واجبی سی

شرح حدیث بھی زیر قلم لاتے ہیں۔ یہ واجبی شرح متعلقہ حدیث کے تشریح وتوضیح کے لئے کافی وشافی ٹھہرتی ہے طول طویل عبارات کے بوجھل پن سے قاری کو نجات دلاتی ہے۔

اس ایڈیشن میں جناب بھٹی صاحب نے عربی متن کے مکمل ترجمہ اور بعض ضروری مقامات پر تشریح کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔ تاہم اپنے ایک خط محررہ 2 مئی 2009ء بنام مکرمی ومحترمی حکیم مدثر خان صاحب۔ میں رقم طراز ہیں کہ ریاض الصالحین کا کسی زمانے میں ترجمہ کیا تھا جو دو جلدوں میں چھپ گیا تھا۔ لیکن بہت غلط چھپا تھا۔ اب دوبارہ ایک ناشر چھاپ رہا ہے۔ میں تقریباً ہر حدیث کا تشریح کے عنوان سے حاشیہ لکھ رہا ہوں ترجمے کی غلطیاں بھی درست کر رہا ہوں۔ پہلی جلد کے ڈیڑھ سو صفحات ابھی باقی ہیں یہ بہت محنت طلب اور انتہائی ذمہ داری کا کام ہے۔

ریاض الصالحین پر کردہ مذکورہ بالا تصحیح وتحریر بارے ''حیات وخدمات مولانا محمد اسحاق بھٹی'' کے فاضل جناب محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ سے بذریعہ موبائل (بتاریخ 18-2-2010 بروز جمعرات بوقت 7.30 بجے شام مزید معلومات حاصل کیں۔ جن کے مطابق مرحوم بھٹی صاحب یہ کام مکمل کر گئے تھے۔ کمپوزنگ ہو چکی ہے۔ عنقریب مکتبہ محمدیہ لاہور کی طرف سے شائع ہوگی۔ (اللہ کرے جلد از جلد نظر نواز قارئین ہو آمین) جناب بھٹی صاحب نے اردو ترجمانی سے آگے تخریج وتحقیق کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔

روایات کی تخریج وتحقیق قاری کو ایک گونہ اطمینان کا باعث ہوتی ہے۔ شرح صدر سے قاری روایت کے قبول ورد کا فیصلہ کرتا ہے۔ اس عصری اسلوب کے حوالے سے ترجمہ ہذا طبع جدید میں گئی گنجائش باقی ہے۔

مقالہ حدیث اور فقہ میں باہمی ربط مشمولہ مجموعہ مقالات اسلامی آئین کی تشکیل اور سنت''

مقالہ نگار: مولانا محمد اسحاق بھٹی

ناشر: ادارہ معارف القرآن والسنہ اسلام آباد۔ مئی 1983ء

محمد بشیر سیکرٹری جنرل کے الفاظ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث اسلام آباد کے زیر اہتمام مورخہ 13 دسمبر 1981ء کو کمیونٹی سنٹرل ہال آب پارہ اسلام آباد میں۔ اسلامی معاشرے کی تشکیل میں ''سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام'' کے عنوان پر ایک عظیم الشان علمی مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی تھی جس میں متکلم اسلام حضرت مولانا محمد حنیف ندوی مدظلہ نے ''اسلامی آئین کی تشکیل اور سنت'' مولانا محمد اسحاق بھٹی ریسرچ اسکالر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے ''سنت اور فقہ کا باہمی تعلق'' اور مولانا ارشاد الحق اثری ریسرچ فیلو ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد نے ''خبر واحد کا مفہوم اور مقام'' کے زیر عنوان اپنے بیش قیمت مقالات پیش فرماتے تھے (ص ـ 3) مذکورہ بالا تینوں مقالات اسلامی آئین کی تشکیل اور سنت'' نامی 48 صفحات پر مشتمل مجموعہ میں شائع کیے گئے۔ جس میں جناب اسحاق بھٹی صاحب کا مقالہ'' حدیث اور فقہ میں باہمی ربط ص 19 تا 33 پر موجود ہے

مقالہ ہذا میں جناب بھٹی صاحب نے حدیث اور فقہ' محدثین اور فقہا' کتب اور فتاویٰ جات کے مابین تعلق اور ربط کو انتہائی خوب صورتی سے واضح کیا ہے جس میں افراط وتفریط کو ہرگز راہ نہیں دی۔ بقول بھٹی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وارشادات کا نام حدیث ہے۔ جس کی اتباع واطاعت کو قرآن نے ضروری قرار دیا ہے۔ (ص 19) آپ کے نزدیک ''فقہ کا دوسرا ماخذ' احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو فرض اور آپ کی سنت اور عمل کی پیروی کو ضروری قرار دیا ہے۔ دین سے متعلق صحابہ کرامؓ آپؐ کے افعال وفرامین کو واجب الاتباع گردانتے تھے۔

براعظم ایشیاء افریقہ کی فتوحات کے بعد' اسلام کو نئے تمدن سے واسطہ پڑا۔ بہت سے نئے مسائل سامنے آئے' نئی تہذیب اور نئی ثقافت کو سمجھنے کے مواقع پیش آئے۔ نئے معاشروں اور نئی معاشرتوں سے مڈبھیڑ ہوئی۔ نئے ذرائع آمدنی وخرچ نظر وبصر کے زاویوں میں آئے۔ نئے نظام زراعت ومعاش کا پتہ چلا' اور معاملات کی نئی سے نئی شکلیں نمایاں ہوکر ابھریں۔ ان سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کے لئے ضروری تھا کہ غور وفکر کے پیمانوں میں حرکت پیدا ہو اور تعمق

اور فراست کی وادیوں میں احساس تبدیلی کا جذبہ کروٹ لے (ص 23)
یہ بھی اٹل حقیقت ہے کہ ''انسانی معاشرہ'' جامد اور ساکن نہیں ہے۔ متحرک اور تغیر پذیر ہے۔ اور اسلام دائمی مذہب ہے' جس کی فکری و عملی برکات کا شاہانہ عالم انسانیت پر ہمیشہ سایہ فگن رہے گا۔ اس لیے دونوں کا ایک ساتھ چلنا اور باہم رفاقت اختیار کیے رکھنا ضروری ہے۔ اس کا احساس دور صحابہ میں اسی وقت ہونے لگا تھا جب نوع بہ نوع مسائل اور قسم قسم کے معاملات مختلف شکلوں میں سامنے آئے اور بوقلموں افکار نے ان کی تعبیر میں ایسی صورت اختیار کر لی۔ جس کی وجہ سے اہل علم اور اصحاب بصیرت کو تدوین فقہ کی طرف عنان توجہ ملتفت کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور قرآن اور حدیث کو پیش نگاہ رکھ کر' اسے باقاعدہ ایک مستقل شرعی علم کے سانچے میں ڈھالنے کا داعیہ ان کی سطح ذہن پر ابھرا۔ (ص 29)

چنانچہ تابعین کے عہد زریں میں آئمہ دین کی ایک جماعت نے قرآن و حدیث کی روشنی میں' اس کے متعین کردہ حدود و قواعد کے مطابق ایک ایسا ضابطہ' زندگی مرتب کرنے کی طرح ڈالی جو ان مسائل کی زلف گرہ گیر کو سلجھانے میں مدد دے سکے۔ اور اپنے دور کے تقاضوں کو بہتر اسلوب سے حل کر سکے۔ اس طرح وقت و ضرورت کے مصالح ایک نئے علم اور جدید فن کی ترتیب و تدوین کا باعث بنے جس کو علم الفقہ کے نام سے تعبیر کیا گیا۔ (ص 23)

کس قدر رادبیت اور جامعیت کے ساتھ علم الفقہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کی بنیاد میں قرآن و حدیث کے ربط کو واضح کیا ہے یہ جناب بھٹی صاحب کے ذہن رسالہ فکر پختہ کا ہی نتیجہ ہے۔ علم فقہ کی ضرورت سے انکار کی سطح سوچ کا مزید مداوا بھٹی صاحب کے الفاظ ہوں ''اجتہاد کا دروازہ بند کر دینے کا مطلب اپنی علمی بے مائیگی کا اعلان کرنا اور ان مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے سے انکار کرنا ہے۔ جو تغیر پذیر معاشرے کو ہر لحہ پیش آتے ہیں (ص 26)

حجیت حدیث اور فقہی بصیرت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ ہر دو سے انکار ممکن نہیں' ورنہ اسلام کی ابدیت پر حرف آئے گا۔ مقالہ ہذا میں جناب بھٹی صاحب نے اس فکری و اساسی بحث کو انتہائی عام فہم انداز میں پیش کیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے نامور مجتہدین کا فقہی مقام و مرتبہ بھی

واضح کیا ہے۔آپ کے نزدیک ''امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پہلے امام ہیں جن کے فقہی مسلک کو قبول عام کا خلعت عطا ہوا'' ابتدائی دور کے آئمہ احناف اور بعد کے فقہائے حنفیہ کی تصنیفات سے بھی واضح ہوتا ہے کہ مسائل کے استدلال و استنباط میں انہوں نے حدیث وسنت ہی کو منبئی اور ماخذ ٹھہرایا ہے۔یہ البتہ ہوا ہے کہ بعض مسائل میں صحیح حدیث مرجوح اور ضعیف کو راجح قرار دے دیا گیا ہے۔اور تقلید کی وجہ سے ایسا ہونا ایک قدرتی بات ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ استدلال کے لیے رجوع حدیث وسنت ہی سے کیا گیا ہے۔(ص29-30)

دوسرے جلیل القدر بزرگ امام مالک ہیں جو تعامل اہل مدینہ کے قائل ہیں ان کی مشہور کتاب موطا ہے جو حدیث وفقہ کا دلآویز مجموعہ ہے(ص30)

امام مالک کے بعد امام شافعی کا نام نامی آتا ہے جن پر حدیث وسنت کا رنگ اتنا غالب تھا کہ ان کے تلامذہ و متبعین کو اصحاب الحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا(ص30-31)

امام احمد کے بارے رقم طراز ہیں کہ ''اجتہاد وفقہ کے ساتھ ساتھ روایت حدیث اور حفاظت سنت کا جتنا اہتمام امام احمد اور ان کے متبعین نے کیا دوسروں نے نہیں کیا۔جناب بھٹی صاحب نے ادب واحترام کے تمام تر تقاضے ملحوظ خاطر رکھ کر معروف چاروں فقہی مسالک کے بانی آئمہ کرام کے بارے کھلے لفظوں میں واضح کردیا ہے۔کہ ان کا ایک طرف اگر فقہی طور پر مقام بلند تھا تو دوسری طرف حدیث وسنت سے ان کی وابستگی بھی گہری تھی۔مولانا حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر کردہ تاریخ اہل حدیث (ناشر: اسلامی پبلشنگ کمپنی لاہور 1953ء) میں ص 56 تا 72 ائمہ کرام اور بزرگان عظام کے حدیث نبوی سے تعلق اور ان شخصیات سے ہمارے تعلق بارے بہت ہی عمدہ راہنمائی فرمائی ہے لائق مطالعہ ہے۔تاکہ ہر طرح کی شوخی اور بے ادبی سے بچ سکیں۔کم علمی جس کا باعث ہوتی ہے۔

جناب بھٹی صاحب نے کتب حدیث اور کتب فقہ کا باہمی تعلق بھی بڑی ندرت اور مہارت سے واضح کیا ہے۔آپ کے الفاظ میں ''حدیث کی تمام متداول و مروج کتابوں کا نہج تبویب فقیہانہ ہے۔بلکہ کہنا چاہئے کہ عبادات ومعاملات سب امور میں فقہانے اپنے متون کی

تبویب میں کتب حدیث کا تتبع کیا ہے۔ کتب صحاح کی تبویب میں بالخصوص فقاہت کا رنگ نمایاں ہے۔

صحیح بخاری کی تو شہرت و قبولیت کی بہت سی وجوہ میں سے ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ اس کا انداز فقیہانہ و مجتہدانہ ہے۔ اور تبویب میں وہ انداز بالکل نکھر کر سامنے آ گیا ہے۔ امام بخاری نے ابواب و تراجم میں ایک ایک حدیث سے بہت سے فقہی مسائل مستنبط کیے ہیں۔

فقہ وحدیث کے باہمی تعلق کے تسلسل میں جناب شاہ ولی اللہ دہلوی (1176ھ 1962ء (ص 32) کا ذکر خیر برصغیر کے حوالہ سے نمایاں طور پر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "برصغیر پاک و ہند کے وہ عالم دین ہیں جنہوں نے اپنے زمانے کی ضروریات کا احساس کیا اور حجۃ اللہ البالغہ میں حدیث وسنت کو اساس قرار دے کر محدثانہ پیرائیہ اظہار میں اپنے دور کے نئے مسائل کو جن میں اقتصادی' معاشی' مزدور' سرمایہ دار' کاشتکار' زمیندار اور ٹیکس وغیرہ سب مسائل شامل ہیں کو موضوع گفتگو بنایا' اور نہایت صفائی سے صحیح نقطہ فکر بیان کیا (ص 32) عصر حاضر کے اہل علم کو بھی خلوص کے ساتھ تمام جدید مسائل کے حل کے لئے اس منہج کی دعوت دیتے ہیں۔

جناب بھٹی صاحب کے نزدیک حدیث و فقہ ایک دوسرے کے حریف نہیں بلکہ حلیف ہیں۔ قرآن کی طرح حدیث اساس ہے۔ بے بنیاد کوئی عمارت کھڑی نہیں رہ سکتی۔ قرآن و حدیث کی بنیاد پر فقہ کی شکل میں مسائل زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی رہتی ہے اور تا قیامت یہ عمل ہر نئے سورج کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہر دو میں بُعد و تفریق قائم کرنے کی بجائے قرب و اتحاد کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ہر دو کے ماہرین بھی لائق تعظیم ہیں۔ بقول بھٹی صاحب محدثین اونچے درجے کے فقیہہ تھے اور فقہا حدیث وسنت میں درک وعبور رکھتے تھے (ص 33) المختصر مقالہ ہذا اپنے عنوان بارے بقا متکثر بقیت بہتر کی بہترین مثال ہے۔

(6) مقالہ:۔ برصغیر میں علم حدیث

مؤرخ اہل حدیث جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب جولائی 2008ء میں مرکز دعوۃ الجالیات کی دعوت پر کویت بلائے گئے۔ جہاں آپ کی قلمی خدمات کے اعتراف میں آپ کو

3 جولائی کو قرطبہ ہال میں شیلڈ پیش کی گئی۔ اور بھٹی صاحب کے بقول ''11 جولائی کو اسی قرطبہ ہال میں نماز عشاء کے بعد ''برصغیر میں علم حدیث'' کے موضوع پر میری تقریر کا پروگرام تھا۔ (گزر گئی گزران ص 442)

جناب بھٹی صاحب نے اپنی تحقیق انیق ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' (ص 46-47) پر بھی زیر عنوان ''برصغیر میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' معلومات بہم پہنچائی ہیں۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنی تصنیف لطیف 'برصغیر میں اہل حدیث کی آمد'' ص 60 پر ''برصغیر میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کی ذیلی سرخی قائم کی ہے۔

(7) ریڈیو تقریر حدیث اور اسماء الرجال

جناب بھٹی صاحب کی آپ بیتی 'گزر گئی گذران ص 261-262 پر مہیا کردہ معلومات کے مطابق ایک مرتبہ ریڈیو پاکستان (لاہور) کی طرف سے ہفتہ حدیث منایا گیا اور اس کے ارباب انتظام نے سات مقرروں کا انتخاب کر کے مختلف سات موضوعات پر ان سے سات روز میں سات تقریریں کرائیں ہر تقریر کا دورانیہ 35 منٹ تھا۔ ان میں ایک مقرر یہ فقیر تھا جسے ''حدیث اور اسماء الرجال'' کا موضوع دیا گیا تھا۔ پروڈیوسر عبدالحئ قریشی تھے۔ میں نے ان سے کہا میں 35 منٹ میں اپنی بات مکمل نہیں کر سکوں گا۔ انہوں نے کہا کہ 35 منٹ کی کوئی پابندی نہیں' بے شک اس سے زیادہ وقت لے لیں۔ میں نے اس موضوع پر ایک گھنٹہ تقریر کی اور پھر یہ تقریر متعدد مرتبہ ریڈیو سے نشر ہوئی۔

جناب بھٹی صاحب نے علم حدیث اور علم اسماء الرجال کے زیر عنوان اپنی تحقیق بے مثل ''برصغیر میں اہل حدیث کی آمد'' میں ص 299 تا 313 اس بارے جامع اور مانع قسم کی معلومات مہیا کی ہیں۔

تذکار خدام حدیث

ذہبی دوراں جناب بھٹی صاحب کی خدمات حدیث کا ایک پہلو خدام حدیث کی تذکرہ نویسی ہے حدیث نبوی اور خدام حدیث کا ذکر خیر ہو تو پھر مورخ اہل حدیث کے قلم کی روانی و جولانی' حافظہ کی یاد دہانی' خاکہ نویسی کی شگفتہ بیانی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ اشہب قلم رواں دواں'

معلومات کا خزانہ بے کراں اور قلم و قرطاس کا رشتہ بے پایاں دکھائی دیتا ہے۔ نوک قلم پر آنے والے الفاظ اگر آب کوثر سے دھلی زبان جیسے ہوں تحریر کی مٹھاس اگر شہد جیسی ہو اور ہر ہر لفظ عقیدت و محبت میں ڈوبا ہو تو پھر اس ادب پارے کی لذت صرف قاری پر آشکار ہو سکتی ہے احاطہ تحریر میں نہیں لائی جا سکتی۔ خدام حدیث کا تذکرہ ادب واحترام بھرے رنگ میں الفاظ کے موتیوں کی لڑی میں پرونے کا ملکہ جناب بھٹی صاحب کو خالق قلم نے وافر عطا کر رکھا تھا۔ اور خادم خدام حدیث نے حدیث نبوی کے ان پروانوں کے حالات زندگی حوالہ قرطاس کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اپنی مختلف تحریروں اور بکثرت کتابوں میں خدام حدیث کے ذکر خیر کو ترجیح دی۔

جناب بھٹی صاحب کی بعض کتابیں صرف خدام حدیث کے تذکار کے لئے مختص ہیں مثلاً دبستان حدیث (مکتبہ قدوسیہ لاہور 2008ء، صفحات 673) میں بقول بھٹی صاحب ''اس کتاب میں برصغیر کے ان ساٹھ اہل حدیث علمائے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی تدریس یا تصنیفی صورت میں تبلیغ و اشاعت کا اہتمام کیا یا کسی مدرسے میں طلباء کو کتب حدیث پڑھائیں یا حدیث کی کسی کتاب کا ترجمہ کیا۔ یا اس کی شرح لکھی یا فتوی نویسی کی۔ (ص 19 حرفے چند) اس طرح گلستان حدیث (مکتبہ قدوسیہ لاہور 2011ء) صفحات 585) میں بقول بھٹی صاحب اس میں چوراسی (84) خادمان حدیث کا تذکرہ کیا گیا ہے (ص 37؛ حرفے چند) علاوہ ازیں چمنستان حدیث (مکتبہ قدوسیہ لاہور 2015ء) صفحات 805) بقول بھٹی صاحب...... یہ کتاب بھی برصغیر کے اہل حدیث علمائے ذی وقار کے حالات کی نقاب کشائی کرتی ہے۔ یہ وہ بوریا نشین اور درویشان خدامست ہیں۔ جنہوں نے زندگی کے ہر موڑ پر اپنے آپ کو قرآن و حدیث کی خدمت کے لیے وقف کیے رکھا۔ کتاب میں ایک سو (100) علمائے کرام کے واقعات حیات ضبط تحریر میں لائے گئے ہیں (ص 41؛ حرفے چند)

ان مخصوص کتابوں کے علاوہ کاروان سلف ہو یا قافلہ حدیث، نقوش عظمت رفتہ ہو یا بزم ارجمنداں ہفت اقلیم ہو یا محفل دانشمنداں، ارمغان حنیف ہو یا میاں عبدالعزیز مالواڈہ، تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری ہو یا صوفی محمد عبداللہ، مولانا احمد دین گکھڑوی ہو یا تذکرہ مولانا محی

الدین لکھوی' قصوری خاندان ہو یا روپڑی علمائے حدیث' تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی ہو یا میاں فضل حق اوران کی خدمات غرضیکہ بھٹی صاحب کی کتاب ہواوراس میں کسی نہ کسی طرح کسی خادم حدیث کا تذکرہ نہ ہو۔ ان کی خدمات حدیث کوزیر قلم نہ لایا گیا ہو یہ اسی طرح محال ہے جس طرح گلاب کا پھول ہواوراس کی مہک نہ ہوسب جناب بھٹی صاحب کے قلب کی تسکین ان سعید روحوں کی قلمی یاد میں تھی ان کے قلم کی پیاس خدام حدیث کے تذکرے سے بجھتی تھی۔ اور آپ نے جس تفصیلی معلوماتی معیار پر خدام حدیث کے تذکار اتنی کثرت سے اپنی کتاب میں کیے ہیں۔ شاید کوئی دوسرے صاحب قلم یہ حق ادا نہ کر پائیں اوراس شرف کے آپ ہی واحد حقدار ٹھہرے رہیں...... زہے نصیب۔

9) ایڈیٹنگ اور نظر ثانی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اوران کی علمی خدمات ڈاکٹر ثریا ڈار صاحبہ کے مقالہ پی ایچ ڈی ''شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اوران کی علمی خدمات' کے بارے میں جناب بھٹی صاحب رقم طراز ہیں۔ ''1978ء میں یہ مقالہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کے ڈائریکٹر جناب سراج منیر صاحب کو اشاعت کے لیے موصول ہوا تھا۔ اس کی ایڈیٹنگ اور نظر ثانی کی ذمہ داری مجھ پر عائد کی گئی میں نے اپنی دانست میں اس کو پورے غور اور توجہ سے دیکھا۔ اوراس کا ایک ایک لفظ پڑھا اور ادارہ ثقافت اسلامیہ کی پالیسی کے پیش نظر اس میں مندرجہ ذیل کام کیا۔

(1) عربی اور فارسی عبارتیں کئی مقامات پر درج ہیں لیکن ان کا ترجمہ نہیں کیا گیا تھا اور عام طور پر مقالوں میں ترجمہ کیا بھی نہیں جاتا۔ میں نے ان عبادتوں کا ترجمہ کر دیا ہے۔ تاکہ اس سے وہ حضرات بھی استفادہ کر سکیں جو عربی اور فارسی سے آشنا نہیں ہیں۔

(2) جہاں جہاں حوالوں میں سہو کا شبہ ہوا۔ حوالے چیک کیے اوراصل کتاب دیکھ کر حوالے درست کیے۔

(3) فرقہ وارانہ مباحث کے سلسلے کی بعض باتیں یا تو حذف کر دی گئی ہیں یا ایسے انداز میں بیان کر دی گئی ہیں جس سے کسی فریق کی دل شکنی نہ ہو۔ (ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1991ء ص 10-11)

(10) ایڈیٹنگ شروح صحیح بخاری

غزالہ حامد بنت پروفیسر عبدالقیوم نے شروح صحیح بخاری کے زیر عنوان 1966ء میں ایم

اے اسلامیات (پنجاب یونیورسٹی) کے حوالے سے لکھا جس کی برائے طبع ایڈیٹنگ جناب بھٹی صاحب نے سرانجام دی جس کی وضاحت بھٹی صاحب نے ان الفاظ میں کی ہے۔ہم نے ایڈٹ کرتے وقت تمام عربی عبارتوں کا اردو ترجمہ کر دیا ہے تا کہ وہ حضرات بھی اس سے استفادہ کر سکیں جو عربی سمجھنے کی پوری استطاعت نہیں رکھتے۔(ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور 1991ء ص 10)

(11) الاعتصام (حجیت حدیث نمبر)

19 اگست 1949ء کو گوجراں والا سے ہفت روزہ الاعتصام جاری ہوا۔اس کے مدیر مولانا محمد حنیف ندوی مقرر کیے گئے۔اخبار کے اجراء پر چار پانچ مہینے گزرے تھے کہ جناب بھٹی صاحب کو معاون مدیر بنا دیا گیا۔ الاعتصام سے بھٹی صاحب اپنے تعلق کو یوں بیان کرتے ہیں''خاکروب' چپڑاسی' کلرک' منیجر اور نائب مدیر بلکہ بعض اوقات مدیر تک تمام عہدے میرے پاس تھے۔'' (گزر گئی گذران' ص 213) جناب بھٹی صاحب کا الاعتصام سے یہ دفتری تعلق تقریباً 17 برس جاری رہا اور آپ نے بالآخر 30 مئی 1965ء کو اخبار الاعتصام کی ادارت سے استعفا دے دیا ہفت روزہ الاعتصام گوجراں والا سے لاہور منتقل کیا گیا تھا۔اور جناب بھٹی صاحب کا اس سے تعلق خاطر تادم مرگ جاری رہا۔جس کی تفصیلات ایک طویل تحریر کی متقاضی ہیں۔

جناب بھٹی صاحب نے اپنے دور ادارت کے حوالے سے لکھا ہے کہ زمانہ ادارت میں الاعتصام کے کئی خاص نمبر چھپے جن میں ایک ''حجیب حدیث'' نمبر ہے۔ جو بڑے سائز کے ایک سو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ نمبر تنہا اس فقیر نے ترتیب دیا۔ حجیت حدیث نہایت نازک اور اہم موضوع ہے اس کے لئے میں نے بہت سے اصحاب علم سے مضامین لیے اور ہر مضمون کے آغاز میں فاضل مضمون نگار کے حالات لکھے۔ یہ نمبر فروری 1956ء میں شائع ہوا تھا۔ پاکستان اور ہندوستان کے تقریباً تمام مشہور اخبارات ورسائل نے اس پر تبصرے کیے(گزر گئی گذران ص 224)

جناب محترم بھٹی صاحب کی خدمات حدیث کا مختصر سا خاکہ ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کیا گیا ہے۔ورنہ آپ کی خدمات کا دائرہ تو بہت وسیع ہے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے انہیں جنۃ الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد یوسف انور حفظہ اللہ تعالیٰ

ہمارے جگری دوست اور مسلک اہلحدیث کی متاع عزیز مولانا محمد اسحٰق بھٹی 22 دسمبر کی صبح قریباً 90 برس کی عمر میں ایک دو روز علالت کے بعد قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

14 دسمبر سوموار کی شب ان سے فون پر بات ہوئی سردی کی شدت کی وجہ سے ان کی طبیعت اور خیریت دریافت کی تو فرمانے لگے کہ مولانا عبداللہ گورداسپوری مرحوم آج کل کی سردیوں میں کہا کرتے تھے کہ بچے اور بوڑھے اس موسم میں رضائی کا مال ہوتے ہیں۔ ہم دونوں نے قہقہے لگائے ان کی ہشاش بشاش گفتگو اور معمول کے مطابق لطائف بھری باتوں سے مجھے حوصلہ ہوا کہ بھٹی صاحب نے ماشاء اللہ اپنے اوپر بڑھاپا غالب نہیں ہونے دیا مگر وہ ''گذر گئی گذران'' میں ایک جگہ لکھتے ہیں'' میری عمر کا یہ آخری دور ہے بچپن گیا' جوانی گئی کہولت کا دور بیت گیا' اب بڑھاپا اپنا سفر تیزی سے طے کر رہا ہے یہ بھی ختم ہونے والا ہے' جب پہلے دور نہ رہے جو اس سے کہیں مضبوط تھے تو یہ کمزور اور لڑکھڑاتا دور کب تک رہے گا۔''

فون پر پندرہ بیس منٹ ان سے گپ شپ رہی' میں دو تین ہفتوں بعد اکثر انہیں فون کر لیتا تھا۔ کبھی وہ یاد فرما لیتے تھے اور بعض اوقات ہمارے مشترکہ عزیز دوست رمضان یوسف سلفی کی معرفت دعا و سلام ہو جایا کرتی تھی۔ بھٹی صاحب مجھے کہنے لگے کہ ''اہلحدیث'' کے ایک پچھلے شمارہ میں آپ کا مضمون ''غزنوی چشمہ فیض'' پڑھ کر ارادہ کر لیا ہے کہ جس طرح روپڑی خاندان پر کتاب لکھی ہے اسی طرح غزنوی خاندان پر بھی مستقل کتاب لکھوں گا میرے پاس اس موضوع پر کافی مواد موجود ہے لیکن وما تشاء ون الا ان یشاء اللہ

بھٹی صاحب نے مزید بتایا کہ ''چمنستان حدیث'' میں جن موجودین علماء کے متعلق نہیں لکھ سکا

ان کے بارے میں ''بوستان حدیث'' میں لکھ چکا ہوں جس کا مسودہ تیار ہے۔ ان کی اس بندہ عاجز کے ساتھ محبت اور دیرینہ گہرا تعلق تھا۔ کہ ''چمنستان حدیث'' میں مستقل باب کی صورت میں میرا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

اڑھائی تین ماہ قبل جب انہیں جامعہ سلفیہ میں استقبالیہ دیا گیا اوران کی خدمات جلیلہ پر ایوارڈ پیش کیا گیا تو ان سے یہ آخری بالمشافہ ملاقات تھی' انہوں نے خوش کن خطاب فرمایا جس سے طلباء واساتذہ اور شرکائے تقریب خوب محظوظ ہوئے اس موقع پر ان کی تازہ ضخیم تصنیف ''چمنستان حدیث'' کی رونمائی کی گئی۔

بھٹی صاحب سے پہلی ملاقات 5 اپریل کے آغاز میں مرکزی جمعیت اہلحدیث کی سالانہ کانفرنس منعقدہ دھوبی گھاٹ ہوئی تھی جس کی صدارت مولانا سید محمد اسماعیل غزنوی نے فرمائی تھی۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث کا معمول تھا کہ کسی بڑے پروگرام میں شرکت کیلئے وہ ایک روز پہلے تشریف لے آتے تھے خاص طور پر مرکزی کانفرنس میں ان کا یہ انداز تھا چنانچہ مولانا غزنوی کانفرنس سے ایک روز قبل شام کے وقت فیصل آباد تشریف لائے آپ کے ہمراہ ایڈیٹر الاعتصام مولانا محمد اسحٰق بھٹی بھی تھے جن کی اس زمانے میں بھرپور جوانی تھی ابوالکلامی داڑھی مونچھ اور سفید کرتا پاجامہ کے اوپر سیاہ واسکٹ میں ملبوس بھٹی صاحب سے متعارف ہوتے ہم ''شبان اہلحدیث'' کے نوجوان بیس پچیس رفقاء کانفرنس کے انتظامات پنڈال اور اسٹیج وغیرہ کی آرائش اور ترتیب وتزئین میں مصروف تھے۔ انتظامی امور میں مولانا غزنوی نے بہت سی ہمیں ہدایات دیں۔ علماء کے قیام وطعام اور عام وخاص کی رہائش وکھانے کے سلسلہ میں کئی ایک انہوں نے اصلاحات فرمائیں۔

بھٹی صاحب کو ہم شبان اہلحدیث کی تبلیغی سرگرمیوں اور تنظیمی کارگذاریوں کی روئداد ''الاعتصام'' کیلئے بھجواتے رہتے تھے وہ ان کی جلی سرخیوں اور بڑے صحافتی سلیقے سے شائع کرتے اور بذریعہ خط وکتابت حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔ چند سال بعد بھٹی صاحب نے داڑھی بڑھائی اور علمائے کرام کے ساتھ ان کی نشست وبرخاست اور گفتگو میں مولوی پن کچھ اجاگر ہوا جبکہ وہ جلیل القدر علماء سے فیض یاب اور درس نظامی کے فارغ التحصیل بھی تھے۔ یہاں ایک لطیفہ یاد آیا جو خود بھٹی صاحب نے سنایا کہ ایک مرتبہ مجھے مولانا محمد حنیف ندوی اس دور کے نامی گرامی صحافی اور

شاعر مولانا عبدالمجید سالک کے دفتر لے گئے انہیں ''الاعتصام'' کا تازہ شمارہ دیا اور میرے بارے میں کہا کہ یہ اس کے ایڈیٹر محمد اسحٰق بھٹی ہیں' سالک صاحب نے الاعتصام اٹھایا اور مذاقاً کہا کہ یہ تو ہوا الاعتصام اور میری داڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ہوئی ''حبل اللہ'' یاد رہے مولانا عبدالمجید سالک صاحب داڑھی مونچھ کے بغیر تھے ہم نے کئی بار انہیں مشاعروں میں سنا۔ مشاعروں کی بلکہ صدارت بھی وہی کیا کرتے تھے۔

دراصل مخلص دوست زندگی کا قیمتی اثاثہ ہوتا ہے اور اس کی اس جہان سے رخصتی نہ صرف قلب وذہن کو ہمیشہ کے لئے مغموم کردیتی ہے بلکہ یادوں کی ایک بھاری گٹھڑی بھی ذہن پر لاد دیتی ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ بھٹی صاحب کی کس کس خدمت ادبی و صحافتی' علمی وسیاسی نگارشات کا تذکرہ کیا جائے ان کی بہت بڑی دینی خدمت ''فقہائے ہند'' کئی جلدوں میں مشتمل ہے برصغیر ہندوپاک کے بلند مرتبت علماء وصلحاء کی سیرت وسوانح پر نصف صد کے قریب ضخیم معلوماتی تصانیف کہ جن کو ایک مرتبہ پڑھنا شروع کریں تو آخر تک پڑھے بغیر طبیعت سیراب نہیں ہوتی۔ ان کی تحریروں کی روانی اور شگفتگی اور مختلف ادوار کے حالات وظروف میں علمائے اسلاف کی علمی وتدریسی تگ وتاز اوران کٹھن راہوں میں مشکلات ومصائب اور طویل ترین اسفار کا مستند تذکار کرنے میں کمال قلم چلایا ہے یہی وجہ ہے جمعیت احیاء التراث الاسلامی کویت کی طرف سے ایک بڑے علمی و دینی اور رفاہی اجتماع میں بھٹی صاحب کو ''مورخ اہلحدیث'' کے خطاب سے نوازتے ہوئے ایک یادگار شیلڈ عنایت کی اس کام میں ہمارے فاضل دوست مولانا عارف جاوید محمدی کی کاوش خاص طور پر قابل ستائش ہے۔

بھٹی صاحب نے نوخیز علماء اور اہلحدیث کی نئی نسل کے لئے اپنے اسلاف کی محنتوں اور دینی جدوجہد کی تنظیمی کارگذاریوں سے آگاہی کا بہت سا مواد اپنی گراں قدر تصانیف میں بیان فرمادیا ہے ہمارے اکابر اور اسلاف نے دعوت وارشاد کے سلسلہ کی جو مذہبی وسیاسی جماعتیں قائم کیں اور بڑی بڑی برصغیر کی تحریکوں میں سرفہرست اور سرفروشانہ کردار ادا کیا ان کی تفصیلات و کوائف کو دلچسپ اور خوبصورت پیرائے میں حوالہ قرطاس کیا ہے۔

پھر اس کے ساتھ ہی ان فضیلت مآب شخصیات کے کردار وسوانح کو بھی تحریر میں لایا گیا ہے

گویا بھٹی صاحب نے شاعر کی زبان میں اپنا مطمع نظر یوں بنالیا تھا۔

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گذری ہے رقم کرتے رہیں گے

ہمارے ممدوح مرحوم بھٹی صاحب اگرچہ علمی خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے لیکن ان کے آباؤ اجداد میں دینی صالحیت اور زہد وتقوی نمایاں تھا۔ بھٹی صاحب کو بچپن سے مطالعہ کا شوق تھا جو انہیں لڑکپن ہی میں ''مرکز الاسلام لکھوکے'' لے آیا۔ یہ مسلک اہلحدیث کا قدیمی ادارہ اور قرآن وسنت کی تعلیمات کا گہوارہ تھا۔ جہاں انہیں مولانا محمد علی لکھوی اور مولانا عطاء اللہ حنیف اور مولانا عطاء اللہ لکھوی جیسے اساتذہ سے شرف تلمذ حاصل ہوا جن کی تعلیم وتربیت اور مولانا محی الدین لکھوی ومولانا معین الدین لکھوی جیسے ہم سبق کی رفاقت نے انہیں کندن بنا دیا۔ یہاں تحصیل علم کے بعد تدریسی خدمات بھی کیں۔ بعض سیاسی تحریکوں میں حصہ لینے کی بنا پر قید وبند کی صعوبتیں کی برداشت کیں۔ یہاں تک کہ تقسیم ملک کے موقع پر دیگر مہاجرین کی طرح بے سروسامانی کی کیفیات میں لاہور آ گئے۔

لاہور میں بقول بھٹی صاحب نئی منزل اور نئی راہیں آتی گئیں۔ مرکزی جمعیت اہلحدیث کی تشکیل پر حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی اور مولانا اسماعیل سلفی کی صحبت وبرکات اور راہنمائی میں مرکزی دفتر کے ناظم دفتر بھی رہے۔ اور پھر نیم سرکاری ادارہ ثقافت اسلامیہ سے بھی منسلک رہے۔ یہاں مولانا محمد حنیف ندوی جیسے بلند مرتبت اور علمی دنیا کی اونچی شخصیات کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے ان کی صلاحیتیں کہاں سے کہاں تک بڑھتی رہیں اس کا اندازہ ان کی تصانیف اور نگارشات سے ہوتا ہے۔ اس زمانے میں روزنامہ امروز بڑا مقبول اخبار تھا جس میں ہر دوسرے تیسرے روز بھٹی صاحب کے علمی وادبی اور سیاسی کالم ہم پڑھتے تھے۔

65ء کی جنگ کے دنوں میں ریڈیو پر حضرت سید ابوبکر غزنوی اور مکرم مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی تقریروں کو عوام میں بڑی پذیرائی حاصل رہی۔ ''الاعتصام'' کے اس دور کے پرجوش اور جہادی سپرٹ ابھارنے والے اداریے۔ اسی طرح ملکی تحریکوں پر تبصروں اور مسلکی تبلیغ پر مشتمل ادارتی تحریریں ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہیں۔ بلاشبہ بھٹی صاحب اردو زبان وادب کے ایک صاحب طرز ادیب اور خاص اسلوب نگارش کی حامل شخصیت تھے۔ ان کے قلم سے کافی

مقدار میں تاریخی و تحقیقی کتابیں اور بیشمار مقالات زیور طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ انہوں نے ایک دفعہ کسی بات سے ناراض ہو کر ''الاعتصام'' کو چھوڑ کر اپنا ایک جریدہ ''سہ روزہ ''منہاج'' کے نام سے نکالا' ان دنوں وہ اور ہمارے دوست قاضی محمد اسلم سیف میرے غریب خانہ پر تشریف لائے اور منہاج کی اشاعت بڑھانے اور خریدار لگانے کیلئے توجہ دلائی تو میں نے ان کے قیام کے دوران شہر میں بیس تیس خریدار بنائے۔ لیکن چند ماہ منہاج چلا اور وہ دوبارہ ''الاعتصام'' میں آ گئے اور بعدہ کچھ مدت ''اہلحدیث'' کے مدیر اعلیٰ بھی رہے۔ مجھے ان کے ساتھ ''اہلحدیث'' کے ادارتی عملہ میں شامل ہو کر کام کرنے کی سعادت حاصل ہے۔ اس دوران کئی جماعتی نشیب و فراز آئے مگر ان کی محبتوں اور خوشگوار ملاقاتوں میں کوئی فرق نہ آیا۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی یارانہ نبھانے اور دوستوں کی خوشیوں غمیوں میں شامل ہونے کے لئے تصنیفی مصروفیات میں سے وقت نکال لیتے' فیصل آباد میں ان کے ہم عمر اور بے تکلف دوستوں کا ایک گروپ تھا جن میں مولانا محمد اسحٰق چیمہ' مولانا محمد صدیق مولانا عبیداللہ احرار اور قاضی محمد اسلم سیف خاص طور پر قابل ذکر ہیں' وہ جب بھی لاہور سے اپنے گاؤں منصور پور ڈھیسیاں (جڑانوالہ) آتے تو فیصل آباد ان دوستوں کو ملنے کے لئے اکثر آتے' مولانا عبیداللہ احرار کی دکان پر یا پھر مولانا محمد اسحٰق چیمہ کی دکان پر محفلیں برپا ہوتیں۔ لطائف و ظرائف ہوتے' جماعتی سیاسیات اور ملکی احوال زیر بحث رہتے۔ اور علوم اثریہ میں علمی اجلاس ہوتے جن میں مولانا محمد حنیف ندوی' مولانا عطاء اللہ حنیف اور بھٹی صاحب لازمی شرکت کرتے۔ اب نہ وہ علمی شخصیات ہیں اور نہ وہ ماحول ہے بس نفسانفسی کا دور ہے بھٹی صاحب کے دنیا سے جانے کے بعد اب تو بالکل ہی اداسی کا سماں ہے آغا شورش کاشمیری کی زبان میں۔

یا رب وہ ہستیاں کہاں بستی ہیں
کہ جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں

بہر حال ہمارے بزرگ دوست مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمہ اللہ علیہ کی نگارشات اور کتب کثیرہ ایک زندہ یادگار بن کر آنے والی نسلوں کے لئے نمونہ عمل رہے گی۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں صالحین و اسلاف کے ساتھ اکٹھا فرمائے۔ (آمین)

علم کا پہاڑ......انکسار کا پیکر

رانا محمد شفیق خاں پسروری

لوگوں نے کسی پہاڑ کو، لوگوں کے ہاتھوں پر رواں نہیں دیکھا ہوگا، مگر میں نے آج، ایک پہاڑ کو روتے اور ہچکیاں لیتے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں پر، سفر کرتے دیکھا ہے۔ میں نے اوروں کی طرح خود بھی اس کے جنازے کو کندھا دیا ہے، وہ پہاڑ، ایک نحیف و منحنی سے شخص کی صورت میں تھا، دیکھنے کو ایک دبلا پتلا، کمزور سا شخص، مگر اپنی ذات وصفات میں پہاڑوں سے بلند قدو قامت کا مالک۔۔۔ بلا مبالغہ اور حقیقتاً علم کا پہاڑ، عمل و کردار کا پیکرِ عظیم عجز و انکسار کا حقیقی مظہر، بے غرضی و بے لوثی سے مجسم وہ رجلِ عظیم کہ جس کو دنیا مولانا محمد اسحاق بھٹی کے نام سے جانتی ہے۔) اور اب ہمیشہ یاد کرتی رہے گی (مولانا محمد اسحاق بھٹی نے نوے سال کی ایک لمبی زندگی بسر کی ہے، مگر زندگی، مسلسل ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی کی مصداق رہی ہے، آخر دم تک، ان کا تعلق قلم و قرطاس سے قائم رہا۔ ان کے عزیز اور احباب، ان کی عمر کو دیکھتے ہوئے انہیں آرام کی تلقین و اصرار کرتے رہے، مگر وہ پارہ صفت تھے اور زندگی کے ہر لمحہ سے کچھ نہ کچھ کشید کرتے رہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ ایک نوے سالہ بوڑھے کا وجود، جوانوں سے زیادہ متحرک اور دماغ، کم سنوں سے بڑھ کر قوتِ حافظہ سے لبریز و معمور تھا۔۔۔ وہ کثیر التصانیف بھی تھے، کثیر المجالس بھی، عام طور پر لکھنے والے مردم بیزار ہوتے ہے، تنہائی کو اپنے کام میں ممد و معاون جانتے اور لوگوں سے میل ملاپ سے احتراز کرتے ہیں، مگر حضرت بھٹی صاحب ایک مجلسی آدمی تھے، یار باش، دوستی پالنے اور دوستی سنبھالنے والے، کوئی ان کو ملنے جاتا تو باہیں اور دِل کھول کر ملتے، کسی کو اجنبیت کا احساس تک نہ ہونے دیتے، ہر ایک کی ذہنی سطح تک آ کر ملتے کہ زندگی بھر کے لئے اپنا نقش چھوڑ جاتے، ملنے والا خود اجازت چاہ کر اٹھتا، دِل کھول کر باتیں کرنے والے اور پوری طرح متوجہ ہو کر سننے والے، بھٹی

صاحب لکھتے بھی بہت زیادہ تھے۔ اتنا لکھتے تھے کہ کتاب پر کتاب شائع ہوتی چلی جاتی تھی۔ ان کو ملنے والے حیران ہوتے تھے، یہ مجلسی آدمی لکھتا کس وقت ہوگا، کہ اس کمال کا لکھ گیا۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی نے تفسیر و حدیث، فقہ و سیرت، تاریخ و ادب پر بھی خوب لکھا مگر ان کو جو شہرت، دوام ملی وہ ان کو خاکہ نویسی کے حوالے سے ملی ہے، گویا وہ اِس فن کے امام تھے شخصیات پر انہوں نے جتنا زیادہ لکھا اور جس قدر لکھا۔ برصغیر کی تاریخ میں کسی اور نے کہاں لکھا ہوگا، ان کے کام کی کثرت و ندرت کے باعث ہی تو انہیں کویت کی عرب علمی شخصیات نے ذہبی دوراں کے لقب کے ساتھ اعزازات سے نوازا تھا۔ وہ شخصیات پر لکھتے تو اس طرح لکھتے کہ پڑھنے والا یوں سمجھتا وہ تحریر نہیں پڑھ رہا کوئی فلم دیکھ رہا ہے، وہ جزئیات تک لکھ جاتے۔ اللہ کریم نے انہیں حافظہ بھی بلا کا عطا فرمایا تھا، عرصہ دراز گزرنے کے باوجود، جس پر لکھتے یوں کہ جس طرح وہ سامنے حرکت کر رہا ہو۔ میں نے پیغام ٹی وی کے لئے، ان سے 18 گھنٹے پر مشتمل طویل انٹرویو کیا، عنوان تھا ''گاہے گاہے باز خواں'' کوئی طے شدہ سوالات نہیں تھے، بس سیٹ پر بیٹھے اور رواں ہوگئے۔ میں سوال کرتا اور فوراً جواب میں تاریخ انڈیلنے لگتے اور اس روانی اور سلاست سے کہ ہم پر کوئی حیرانی سی حیرانی ہے والی کیفیت طاری ہو جاتی۔ وہ اپنے ایک سفر دہلی کی بات کر رہے تھے کہ میں نے بات کاٹ کر پوچھ لیا آپ کی مولانا شرف الدین دہلوی سے بھی ملاقات ہوئی؟ وہ ایک لمحہ ہچکچائے بغیر، ترنت فرمانے لگے۔ ہاں 1942! کی بات ہے، بدھ کا دن تھا، فلاں مہینے کی فلاں تاریخ، ہم ان کو ملے تو وہ گلاس میں دودھ ڈال کر اس میں روٹی کے لقمے توڑ کر، بھگو بھگو کر کھا رہے تھے، پھر ہمارے لئے بھی منگوایا اور ہمیں بھی اپنے طعام میں شریک کر لیا۔۔۔۔۔۔ کسی واقعہ کو پون صدی گزرنے کے باوجود سنِ تاریخ، دن کے ساتھ ساتھ تمام جزئیات اور پوری باریکیوں کے ساتھ یاد رکھنا اور پھر لکھنا انہی کا کمال تھا۔ بھٹی صاحب عجز و انکسار کا حقیقی پیکر تھے۔ اتنی بڑی علمی شخصیت ہونے کے باوجود، کبر و نخوت، ذرا سی بھی نہ تھی، کسی بھی ملنے والے پر اپنی علمیت کا رعب نہیں ڈالتے تھے نہ اسے احساس ہونے دیتے کہ وہ کتنی بڑی شخصیت کے سامنے ہے۔ ان کی بود و باش عام سی اور بڑی سادہ تھی، میں نے انہیں بار ہا، فٹ پاتھ پر پڑی کتابوں کے پاس بیٹھے

اور کتابیں چھنتے دیکھا ہے۔ پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کیا تو میں نے اسلام اور جمہوریت کتاب لکھی تو اس کا مقدمہ مولانا بھٹی صاحب نے لکھا، پھر 16 دسمبر 1999 کے روز پریس کلب میں کتاب کی تقریب پذیرائی، نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم کی صدارت میں ہوئی، بھٹی صاحب بھی تشریف فرما تھے، ہم زور لگا لگا کر رہ گئے، مگر مولانا اسٹیج پر تشریف فرما نہ ہوئے، حالانکہ وہاں جو بھی بڑے بڑے تھے مائیک پر آ کر بھٹی صاحب سے خوشہ چینی کا اعتراف کر رہے تھے۔۔۔۔

وہ حقیقتاً بے غرض تھے، ساری زندگی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا، وہ اپنی کتابوں سے کئی ناشرین کے خزانے بھر گئے ہوں گے مگر ان کا اپنا گھر، ایک چھوٹی سی گلی میں، چھوٹا سا ہی رہا۔۔۔۔۔ انہوں نے اپنا نام، اپنے کام کے بل بوتے پر پیدا کیا، وہ نام کے لئے کام نہیں کرتے تھے، وہ تو شخصیات سے محبت کرتے تھے، اخلاص سے ان کو گمنامی سے نکال کر نمایاں کرتے تھے، ان کے اخلاص اور دل سے لکھنے کے وصف کے باعث، قدرت نے ان کو آسمانِ علم و معرفت کا تابندہ ستارا بنا دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کتنے ہی گمنام لوگ تھے، جن کو بھٹی صاحب کے قلم نے تابندگی و درخشندگی عطا کر دی ہے۔ ہمارے محترم ضیا اللہ کھوکھر، جو پیپلز پارٹی کے ادوار میں اعلیٰ ایوانوں میں راہ رکھتے تھے، وہ بھی بھٹی صاحب کے مداح ہیں، زرداری صاحب کے دورِ صدارت میں مجھے کہنے لگے خواہش ہے بھٹی صاحب کو صدارتی ایوارڈ مل جائے۔ چنانچہ میں نے اس غرض سے روز نامہ پاکستان کے میگزین ''زندگی'' میں بھٹی صاحب کی تصنیفات و تالیفات پر ایک مفصل مضمون لکھا جو ٹائٹل اسٹوری کے طور پر شائع ہوا، (شاید اب پھر قندِ مکرر کے طور پر شائع ہو جائے (اس سے ان کی علمی حیثیت کا ایک اندازا کیا جا سکتا ہے۔ وہ خود بھی) کسرِ نفسی کے ساتھ (اپنی سوانح عمری، آپ بیتی کے طور پر ''گزر گئی گزران'' کے نام سے لکھ چکے ہیں۔

ہمارے ادارے سے ان کا ایک تعلق تھا، ہمارے ادارے کے کئی لوگ بھی ان پر مضمون و کالم لکھ چکے ہیں وہ خود بھی فرمایا کرتے تھے: خاکہ نویسی کی طرف مجھے مجیب الرحمٰن شامی صاحب نے دھکیلا تھا، اور ابتدائی طور پر میں نے قومی ڈائجسٹ میں) شخصیات پر (لکھا تھا۔ میں اگرچہ ایک بہت چھوٹا آدمی ہوں، پھر بھی میرے لئے بھٹی صاحب ایک بزرگ، ایک مربی اور ایک بے تکلف

دوست کی طرح تھے۔ وہ تو ہر ایک کے لئے دل کے دریچے کھولے رکھتے تھے، وہ اتنے بڑے تھے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا کوئی اپنے آپ کو چھوٹا نہ سمجھتا تھا، میں نے تو ان کے ساتھ بعض طویل سفر کرنے کی سعادت بھی حاصل کر رکھی ہے۔۔۔ کہتے ہیں ناں ! کہ راہ پیا جانے یا واہ پیا جانے۔ میں نے تو سفر کی تنہائی میں بھی اور معاملات کی یکتائی میں بھی، انہیں ہر حال میں، مخلص، دردمند اور بے غرض ہی پایا ہے۔ ان کے دل میں ہر ایک کے لئے خیر ہی خیر تھی۔ خیر نہ ہوتی تو آج کے کینہ و نفرت کے دور میں جبکہ کوئی کسی کے لئے ایک کلمہ خیر کہنے کو تیار نہیں ہوتا، وہ دوسروں پر، اتنا زیادہ اور دھڑا دھڑ کیوں لکھتے چلے جاتے۔۔۔ کم ہی لوگ جانتے ہیں کہ وہ تحریک آزادی کے سپاہی بھی تھے اور جیل یاترا بھی کر چکے تھے، بھارت کے آں جہانی صدر گیانی ذیل سنگھ، جب ریاستوں کی پرجامنڈل کے پردھان تھے تو مولانا اسحاق بھٹی سیکرٹری تھے اور ہندی ریاستوں میں انگریز مخالف سیاست کی پاداش میں قید و جبر برداشت کر چکے تھے۔) گیانی ذیل سنگھ جب بھارتی صدر بنے تو اپنے اس دوست اور ساتھی کو بھارت یاترا کی دعوت دی، مگر مولانا کی درویشی اور بے لوثی آڑے آ گئی، آخر عمر میں ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے آبائی شہر فرید کوٹ کو دیکھ آئیں، مولانا عبدالوہاب خلجی نے بہت کوشش کی، مگر بھارتی سفارتخانہ نے 86 سال کے بوڑھے کو ویزا دینے سے انکار کر دیا(۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کی شخصیت پر جتنا لکھا جائے کم ہے، میں بہت کچھ لکھنا چاہتا ہوں، مگر دل کی عجیب کیفیت ہے، روح پر غم چھایا ہوا ہے، کچھ سوجھ نہیں رہا، کیا لکھوں، کس طرح اور کس رخ سے لکھوں؟۔۔۔ وہ تو ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے، مصنف کتبِ کثیرہ، علم کے سمندر کے چھناور، کتب بینی اور انسان شناسی میں بہت آگے کی دنیا کے باسی تھے، عظمتوں کی رفعت پر فائز اور دِلوں کی گہرائیوں میں عقیدت کے حامل۔۔۔ میں ان کے بارے میں لکھوں بھی، تو کیا لکھ پاؤں۔۔۔ میں صرف، دو آنسوں سے طوفان برپا کرنا چاہتا ہوں، تو بس یہی کہ..........

کانٹے چھوڑ گئی آندھی لے گئی اچھے اچھے پھول

بہتے رون گے دِلاں دے جانی تے ماپے تینوں گھٹ رون گے

تسبیح کا ایک اور موتی لڑی سے نکل گیا

پروفیسر عبدالعظیم جانباز، سیالکوٹ

ہر ذی نفس کی موت کا وقت مقرر ہے اور کوئی جان بھی تمام تر کوششوں کے باوجود اپنی موت کے وقت کو نا ایک منٹ مقدم کر سکتی ہے اور نہ مؤخر۔ انبیائے کرام علیہم السلام سے لے کر عام آدمی تک کے لیے سفر آخرت سے مفر نہیں، بس فرق یہ ہے کہ کسی کو پہلے جانا ہے اور کسی کو بعد میں، مومن کی موت اس کے لیے راحت اور ابدی آرام کا باعث اور کافر وفاسق کی موت اس کے لیے عذاب اور تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ مومن موت کو خوشی اور فرحت کے ساتھ قبول کرتا ہے اور کافر پر موت دنیا کی سب سے بھاری اور تکلیف دہ چیز ہے۔

نبی رحمت ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ کافر کی روح قبض کرنے کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ایک کانٹے دار شاخ کو جسم سے نکال کر کھینچا جائے اور مومن کی روح بڑی راحت وسکون سے جسم سے نکال لی جاتی ہے۔ اس لیے اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب ان کا وقت مقررہ آتا ہے تو وہ ہشاش بشاش چہرے کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اس وادی میں قدم رکھتے ہیں اور ملک الموت کی آمد کا خوشی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جو بڑا ہی مسبب الاسباب ہے، جب اسے اپنے کسی بندے سے کوئی کام لینا ہوتا ہے تو وہ اپنے فضل وکرم سے اپنے منتخب بندے کو اپنے کرم خاص سے نوازتا ہے اور اس کی تربیت وتعلیم کا ویسے ہی بندوبست کرتا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ فضل فرماتا ہے، اسے اپنے بندوں میں خاص مقام عطا فرماتا ہے، مولانا اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ بھی ایک ایسی شخصیت تھے، وہ ایک عظیم دینی شخصیت تھے، دین وملت کی تقویت ومدد کے لیے توفیق الٰہی سے انھوں نے نہ صرف پوری امت

کے لیے بلکہ اہل پاکستان کے لیے خصوصاً بڑی محنت ولگن سے کام کیا ہے، ان کی تعلیم وتربیت ان کی شخصیت کی تشکیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب وحالات مہیا فرمائے جن سے ان کی شخصیت کی خصوصی تشکیل ہوئی۔ انھوں نے دعوتِ حق اور فکر اسلامی کے فروغ کے لیے رات دن پوری لگن وجاں فشانی سے کام کیا۔ انھوں نے دعوتِ حق کے لیے نشر واشاعت سے لے کر تعلیم وتربیت کے ہر میدان میں کام کیا ہے۔ وہ ایک ہنر مند اور صاحب قلم تھے، وہ ہمدرد ومہربان رفیق تھے، وہ اشاعت دین کے سلسلے میں وہ کون سا گوشہ ہے جس میں انہیں درک حاصل نہیں تھا، ان کی متحرک وفعال شخصیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنے اندر غیر معمولی فکر واحساس رکھتا ہے، بلاشبہ ان کا وجود اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی، ان کی زندگی میں مجاہدانہ اور حکیمانہ سرگرمیوں کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔ عجز وانکساری ان کے محاسن کا طرۂ امتیاز تھا۔ مولانا بہت نفیس الطبع، مزاج شناس، چشم ابرو کے اشاروں کو سمجھنے والی شخصیت تھے۔

موجودہ دور میں اگر کوئی اپنے اسلاف کی نشانی کو دیکھنا چاہتا ہے تو وہ مرشد عالی قدر حضرت مولانا اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو دیکھ لے، کتابوں میں اکثر پڑھا ہوگا کہ اللہ کے نیک بندے کی علامت یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی یاد دل میں تازہ ہو جائے اور علم میں بھی اضافہ ہو، بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جس نے بھی دیکھا ہوگا، اس کا مشاہدہ کیا ہوگا،..... اونچی شخصیت اور علم کا بحر بیکراں سمندر ہونے کے باوجود سادگی وعجز وانکساری اور تقویٰ کی اعلیٰ علامت رہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مجلس میں اس طرح تشریف فرماتے کہ باہر سے آنے والا کوئی شخص آپ کی امتیازی حیثیت کو شناخت نہیں کرسکتا تھا۔ حضرت بھٹی صاحب نے اپنی تمام زندگی اس سنت کی پیروی کرتے ہوئے گزاردی، زمانہ طالب علمی سے ہی آپ کو اللہ تعالیٰ نے بہت ہی ممتاز اور بلند مرتبہ عطا کیا تھا، لیکن آپ نے ان بلند مرتبوں کے باوجود اپنا تشخص مٹا کر رکھا تھا، آپ کی ذات میں سیاسی ومذہبی ہلڑ بازی وکلابازی کی صفات دور دور تک نہیں تھیں اور نہ ہی ساری زندگی سیاسی اور مذہبی اقتدار کا نشہ آپ کی ذات کا حصہ بن سکا۔ عہدوں کی پیش کش کے باوجود

آپ عہدوں اور مرتبوں کی بندر بانٹ کی دلدل کا حصہ کبھی نہ بنے، راقم نے ایک مرتبہ ان سے مذہبی عہدوں کے حوالے سے استفسار کیا تو انھوں نے فرمایا کہ

''میرا کامل ایمان ویقین ہے کہ دنیاوی، سیاسی اور مذہبی مرتبے اور عہدے انسان کو اصل منزل سے ہٹا دیتے ہیں، بظاہر کام دین کا ہوتا ہے مگر حقیقت حال کر وفر، دکھاوا، ظاہری ٹھاٹھ باٹھ اور دنیاداری، دین کا لبادہ اوڑھ کر کام دنیاداروں والے، یہ کسی بندۂ مومن کی شان نہیں ہوسکتی''۔

راقم نے بھٹی صاحب کی روح میں ایک اضطراب دیکھا تھا، وہ ایک مستقل مزاج اور ٹھہری ہوئی شخصیت کے مالک تھے، ان کی گفتگو ہیجان، غصے اور غضب سے خالی تھی۔ وہ فرقہ واریت کی فتنہ گری سے کوسوں دور رہتے، نفرت اس پاک دل و پاک باز شخص کے جذبہ واحساس میں کبھی گھر نہ کر سکی۔ وہ اتحاد بین المسلمین کے زبردست داعی تھے، ان کی زبان نے کبھی زہر افشانی نہ کی۔ ختم نبوت کی تحریک ان کی روح میں رچی بسی تھی اور وہ ساری زندگی اس کے لیے جدوجہد کرتے رہے، حقیقت میں ان کی زندگی ایک مجاہدانہ زندگی تھی، ان کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک مشکل اور طویل بات کو عجیب طریقے سے آسان زبان میں پیش کرنے میں طاق تھے، کسی بھی موضوع کا خلاصہ نکال کر قارئین کے سامنے رکھ دینے پر عجیب قدرت رکھتے تھے، ان کا سینہ واقعی بے بہا یادوں کا خزینہ تھا اور پھر اللہ تعالیٰ نے حافظہ بھی بلا کا عطا کیا ہوا تھا۔ وہ بلاشبہ اپنی ذات میں ایک مکمل ادارہ اور انجمن کا درجہ رکھتے تھے۔ مولانا بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قلم و قرطاس کا سلسلہ بڑا طویل ہے۔ ہم ان کی علمی و فکری اور تاریخی داستانوں سے فیض یاب ہوتے رہیں گے اور یہ یقیناً علم کی صورت میں ان کے لیے ایک صدقہ جاریہ بنے گا۔

بھٹی صاحب کی زندگی کے درخشاں پہلوؤں کو احاطہ تحریر میں لانے کے لیے ہمارے عزیز دوست جناب محترم مولانا رمضان یوسف سلفی صاحب حفظہ اللہ نے ''مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب حیات و خدمات'' کو قلم بند کرنے کی نہایت خوبصورت کوشش کی ہے جن سے خواندگانِ محترم یقیناً مستفید و محظوظ ہوں گے۔ سلفی صاحب نے یہ کتاب مرتب کر کے یقینی طور پر

جماعت اہل حدیث پر جو قرض تھا، اپنی بساط اور انتہائی کم وسائل سے اتارنے کی کوشش کی، ان کی یہ انفرادی کوشش یقیناً لائق تحسین ہے اور ساتھ ساتھ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ کا ادارہ جامعہ رحمانیہ سیالکوٹ بھی تحسین کا مستحق ہے جنھوں نے اس کتاب کو بڑے خوبصورت انداز میں شائع کروایا۔ اس خوبصورت سوانح عمری کی نظر ثانی جناب محترم بھٹی صاحب نے بذاتِ خود کی تھی۔

مولانا اسحاق بھٹی صاحب نے سینکڑوں نہیں، ہزاروں علما وفقہا اور شخصیات کے خاکے اور سوانح لکھے ہیں۔ بھٹی صاحب نے تو انفرادی طور پر جماعت اور ہزاروں علما وفقہا کے لیے ساری زندگی وقف کر رکھی تھی، اب کم از کم مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان پر فرض اور قرض بنتا ہے کہ اجتماعی اور جماعتی سطح پر ان کی زندگی کے حوالے سے ایک مکمل تاریخی دستاویزی انسائیکلو پیڈیا مرتب کروانے کا اہتمام کرے۔

رمضان سلفی صاحب کی کتاب میں مختلف علما کرام نے بھٹی صاحب کی شخصیت پر اپنی اپنی نگارشات کا اظہار فرمایا تھا، ان میں سے چند ایک علما کرام کے اقتباسات قارئین کی معلومات اور دلچسپی کے لیے پیش خدمت ہیں۔

محترم اصغر علی امام مہدی السلفی حفظہ اللہ

(ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث، بھارت)

امام صاحب بھٹی صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں:

”مؤرخ عصر علامہ محمد اسحاق بھٹی صاحب عصر حاضر کی یگانۂ روزگار، منفرد وممتاز شخصیت ہیں، گزرے زمانے کی یادگار اور عصر حاضر کے قدیم وجدید کے ماہر ومعیار ہیں۔ قدیم علوم کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ اسلاف کی روایات واقدار کے حامل ہیں تو دوسری طرف جدید علوم پر گہری نظر اور اس کے تقاضوں کا ادراک اور اس سلسلے میں علی وجہ البصیرت استفادہ وافادہ کا جوہر آپ میں بدرجہ اتم موجود ہے“۔ (صفحہ نمبر:15)

الشیخ مولانا عبدالرحمٰن سلفی حفظہ اللہ

(امیر جماعت غرباء اہل حدیث، پاکستان)

''مولانا رمضان یوسف سلفی صاحب نے جماعت اہل حدیث کی ایک عظیم بزرگ شخصیت، نامور مصنف وادیب ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے سابق ایڈیٹر اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے دست راست، مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے حالات وواقعات، ان کی سیاسی، جماعتی اور تصنیفی خدمات پر مشتمل کتاب لکھ دی ہے اور نہایت قرینے اور سلیقے سے بھٹی صاحب کے حالات وخدمات کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی حیات وخدمات کا خوبصورت نقش ابھر کر سامنے آتا ہے۔ یہ کتاب جماعتی تاریخ میں ایک نادر اضافہ ہے، مجھے امید ہے کہ یہ کتاب علمی وادبی اور جماعتی حلقوں میں ذوق وشوق سے پڑھی جائے گی''۔ (صفحہ نمبر:17)

محترم مولانا محمد یوسف انور حفظہ اللہ

''مولانا اسحاق بھٹی صاحب سے میرے دوستانہ مراسم 55 سال سے قائم ہیں۔ بھٹی صاحب بلاشبہ اپنی ذات میں ایک مستقل ادارہ اور انجمن کا درجہ رکھتے ہیں۔ وہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کی ایک مجسم تاریخ ہیں، ان کی تصانیف میں سے کئی جلدوں پر محیط ''فقہائے ہند'' عظیم علمی شاہکار ہے۔ نقوش عظمت رفتہ، بزم ارجمنداں، کاروانِ سلف، سیرت وسوانح مولانا صوفی محمد عبداللہ، حالات زندگی میاں فضل حق، قصوری خاندان اور ہفت اقلیم جیسی تصانیف ہمارے نامور اسلاف کی عظمتوں کے شکوہ وجلال اور علم وعمل کے کمال واحوال کا ایسا مجموعہ ہے کہ جن کا شگفتہ اسلوب اور دل آویز نگارشات سے قارئین استفادہ کررہے ہیں''۔ (صفحہ نمبر:19)

پروفیسر محمد یاسین ظفر حفظہ اللہ

(مدیر التعلیم جامعہ سلفیہ، فیصل آباد)

''ہر صاحب شعور مستقبل کی منصوبہ بندی کے لیے تاریخ سے سبق حاصل کرتا ہے، یوں تو صدیوں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے، لیکن ماضی قریب اور موجودہ دور میں جن صاحب فضل وکمال اور

مؤرخ نے نام کمایا اور مایہ ناز اور مستند تاریخی کتب تصنیف کیں ان میں لائق صد احترام مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کا نام ہے۔ آپ ممتاز عالم دین، بہترین ادیب، ذمہ دار صحافی، دیانت دار مؤرخ، بے نظیر نثر نگار، لاجواب خاکہ نویس اور مثالی داستان گو ہیں۔ آپ کے قلم میں کمال روانی ہے۔ حالات وواقعات کا تذکرہ کرتے وقت جس خوبصورت پیرائے میں وہاں کی منظر کشی کرتے ہیں، یہ آپ ہی کا خاصہ ہے۔ ان کی تحریروں کو پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ گویا وہ ان گلیوں بازاروں میں گھوم رہا ہے یا ان کھیتوں کھلیانوں کی سیر کر رہا ہے اور ان مجلسوں اور پاک باز ہستیوں کی محبت سے لطف اندوز ہو رہا ہے"۔ (صفحہ نمبر: 21)

صاحبزادہ عبدالحنان جانباز حفظہ اللہ

(مدیر التعلیم جامعہ رحمانیہ، سیالکوٹ)

"اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ محترم المقام جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ایک بہت بڑی علمی شخصیت کا نام ہے کہ جن پر مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب نے لکھا......!! جیسے علامہ اقبال نے کہا تھا:

"ترکھاناں دا منڈا نمبر لے گیا"

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب خود آب رواں کی طرح لکھتے ہیں اور ان کا لکھا ہوا اب سیل رواں بن چکا ہے، اس لیے مولانا موصوف پر بہت زیادہ لکھا جانا چاہیے، بلکہ موسلا دھار لکھنے کی ضرورت ہے۔ آپ صحافتی میدان میں علم تاریخ وتراجم میں ایسے تن آور درخت ہیں کہ نظر اٹھا کر دیکھنا پڑے......اور......ثمر آور ایسے کہ اپنے خوشہ چینوں کے لیے جھک جھک جائیں، بچھ بچھ جائیں بلکہ پھولے نہ سمائیں۔ ایسی باوصف شخصیت کے تذکرہ کا حق ہر کوئی ادا نہیں کر سکتا، البتہ اظہار عقیدت کا حق ہر کسی کو حاصل ہے اور قلم وقرطاس سے وابستہ ہر اہل حدیث کو اپنی اپنی عقیدت ومحبت کا اظہار کرنا چاہیے، اس لیے کہ اعتراف عظمت بھی نیکی کی علامت ہے اور اس کے لیے باعظمت ہونا ضروری نہیں۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب نے اوّل دن سے تاحال اپنی نگارشات کو بزرگانِ دین اور علما اہل حدیث ہی کے تذکرہ کے لیے "فی سبیل اللہ" وقف کر رکھا ہے اور اب اس مقام پر ہیں جہاں انھیں جماعت کی حاجت نہیں بلکہ جماعت کو ان کی ضرورت ہر وقت ہے، بڑی بدنصیب ہوتی ہیں وہ جماعتیں جو ایسی سونے کی کانوں سے فائدہ نہیں اٹھاتیں اور نہ ہی اسباب مہیا کرتی ہیں۔ ادارہ جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ مبارک باد کا مستحق ہے کہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی خدمات کے اعتراف کا اعزاز حاصل کر رہا ہے، جو بجا طور پر شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی صدقہ جاریہ کا سبب ہے، جن روایات کی داغ بیل مولانا جانباز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ادارہ میں ڈالی تھی ان کی رحلت کے بعد ہم بھی انہی روایات کے امین اور پاس دار ہیں، طبع وتالیف سمیت تمام شعبہ جات اسی طرح خدمت دین میں مصروف عمل ہیں"۔ (صفحہ نمبر:6، 7)

محترم علی ارشد چوہدری مرحوم

(فیصل آباد)

"ہند میں مجدد الف ثانیؒ نے توحید کا سبق دیا، نجد میں محمد بن عبدالوہابؒ نے مسلمانوں کو شانہ ہلا ہلا کر بیدار کیا، افغانستان میں جمال الدین افغانی اٹھے، جنھوں نے مسلمانوں میں اجتماعی شعور پیدا کیا، سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے سرحد کے غیور مسلمانوں کو متحد کر کے سکھوں کے خلاف صف آرا کیا۔ یہ اہل حدیث تحریک تھی جسے انگریز نے "وہابی تحریک" کا نام دیا۔ اس تحریک کو مٹانے کے لیے انگریز نے سازش کے جال بچھائے، امراء سے سیم وزر کی بازی لگا دی، نام ونہاد علماء کا ایک گروہ ان مخلصین قوم کے خلاف گمراہ کن پراپیگنڈے میں مصروف ہو گیا، قبرستانوں کے گورکن، خانقاہوں کے سرپرست، پیر پرست مرید، جاہل مفاد پرست لیڈر اور علمائے سوء نے تحاد بنالیا کہ معروف کو مٹا کر رہیں گے، لیکن اس تحریک کو قبول کرنے والے بھی اصحاب صفہ کی طرح جواں ہمت لوگ تھے، انھوں نے جانی ومالی قربانی سے اس تحریک کو پروان چڑھایا، اسی

مشقت اور اخلاص کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ تحریک کسی نہ کسی طرح زندہ ہے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کا شمار اسی ''طائفہ منصورہ'' کی باقیات الصالحات میں ہوتا ہے''۔(صفحہ نمبر:110)

محترم مولانا عبدالعظیم انصاری رحمۃ اللہ علیہ

''مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں، علمی اور دینی حلقوں میں ان کی شخصیت نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔ ادب وصحافت، سیرت نگاری اور خاکہ نویسی میں ان کا ایک منفرد مقام ہے، مختلف سیاسی، دینی اور علمی شخصیتوں کے بارے میں ان کی معلومات نہایت وسیع اور قابل رشک ہیں۔ تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی گویا سبقت لیے ہوئے ہیں''۔ (صفحہ نمبر:126)

محترم آباد شاہ پوری رحمۃ اللہ علیہ

(مایۂ ناز صحافی اور مصنف)

مرحوم ومغفور آباد شاہ پوری کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع تھا، انھوں نے مجلّہ ''نقطہ نظر'' اسلام آباد میں بھٹی صاحب کی کتاب ''نقوش عظمت رفتہ'' پر ایک طویل تبصرہ کیا تھا، اس تبصرے سے چند لائنیں درج ذیل ہیں:

''فاضل مصنف اہل حدیث علما اور دوستوں اور اہل علم کا تذکرہ والہانہ ذوق وشوق کے ساتھ کرتے ہیں۔ انداز اور اسلوب ایسا کہ جس پر انھوں نے قلم اٹھایا ہے، ایک نقشہ کھینچ دیا ہے، یہاں آپ ان حضرات کو علمی ومجلسی زندگی میں جلوہ افروز پائیں گے، انھیں شاگردوں کی رہنمائی کرتے، ان کی صلاحیتوں کو سراہتے اور سنوارتے، کانوں میں علم وحلم کا رس گھولتے اور لطائف کے شگوفے چھوڑتے دیکھیں گے، پھر فاضل مصنف ان اصحاب ورجال کے تراجم وسوانح ہی بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، ان کی اولاد اور قرابت داروں اور شاگردوں، اساتذہ اور ان کی اولاد واحفاد اور تربیت فکر ونظر کے انداز کا تذکرہ بھی کرتے ہیں''۔(صفحہ نمبر:140)

محترم صاحبزادہ سید خورشید گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

پاکستان کے ممتاز اہل علم اور اصحاب قلم میں جناب سید خورشید گیلانیؒ کا نام بہت بلند ہے، انھوں نے مولانا اسحاق بھٹی صاحب پر ''گم نام مگر بلند مقام'' کے عنوان سے مضمون لکھا جو روز نامہ انصاف کی زینت بھی بنا، شاہ صاحب مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''اور تیسری بات ہے ان کا اہل حدیث ہونا، وہ نماز میں رفع الیدین کرتے ہیں، آمین بالجہر کہتے ہیں اور فاتحہ خلف الامام پڑھتے ہیں مگر نہ کسی حنفی سے الجھتے ہیں اور نہ لڑتے ہیں، وہ اپنے مشرب کے پابند ہیں کسی منصب کے دعوے دار نہیں، انہیں مل کر ہر ایک کو یہی احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک وضع دار، بردبار اور روادار شخص سے ملے ہیں، نہ تکبر، نہ غرور اور تصنع نہ نفور ورنہ جتنا علمی کام وہ کر چکے ہیں، اگر کوئی اس کا بیسواں حصہ بھی کرے تو وہ لازمی رازی اور غزالی کو اپنے پاس بیٹھنے تو کجا پھٹکنے بھی نہ دے اور ایک جہازی سائز کا اشتہار تو صرف اپنے القاب وخطابات کے لیے وقف کر دے، مولانا اسحاق بھٹی بلند مقام تو ہیں مگر رہے گم نام کہ یہی اچھے لوگوں کا خاصہ ہے''۔ (صفحہ نمبر:146)

محترم ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری حفظہ اللہ

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہاں پوری کاروان علم کے ممتاز مصنف ومؤلف ہیں، ان کی کئی ایک کتابیں منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

''ان کی تحریروں میں معلومات اور علمی نکات کی فراوانی پائی جاتی ہے، ان کے قلم اور زبان، دونوں سے لطائف کے پھول جھڑتے ہیں، وہ تحریروں میں افکار کے موتی پروتے ہیں، ان کی تحریرات متن کے حسن اور اسلوب نگارش کی رنگینی سے آراستہ ہوتی ہیں۔ افکار ومعانی کا طلسم قاری کے احساسات پر چھا جاتا ہے''۔ (صفحہ نمبر:149)

ڈاکٹر صاحب مزید آگے چل کر بھٹی صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''کسی شخصیت کی صرف خوبیوں کے ذکر کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے اس کی کمزوریوں پر پردہ ڈالا

ہے، بات صرف اتنی ہے کہ بے محل بات کوئی ان کے قلم سے نہیں نکلی، البتہ اگر کوئی موقع آ گیا ہے تو اس کے بیان میں ان کے قلم نے کوئی کوتاہی بھی نہیں کی۔ سیاہ کو سفید کہنے سے ان کے قلم نے صاف انکار کر دیا، لیکن ان کا اسلوب بیان ایسا ہے کہ بات دل پر گراں نہیں گزرتی''۔ (صفحہ نمبر:151)

پروفیسر سفیر اختر حفظہ اللہ

(انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد)

پروفیسر صاحب ایک نامور اور بلند پایہ مکالمہ نگار اور ایک بہترین مصنف ہیں، انھوں نے بھٹی صاحب کے بارے میں فرمایا:

''انھوں نے اہل حدیث حضرات کی رہنمائی اور جماعتی تنظیم میں ایک عرصے تک بہت فعال کردار ادا کیا ہے۔ مزید برآں جناب بھٹی صاحب مزاجاً خوش مزاج اور وضع دار فرد ہیں۔ جس سے ایک بار رابطہ ہوا مسلکی یا سیاسی اختلاف سے قطع نظر اشتراک ذوق کی بنا پر تعلق قائم رکھا اور وہ تعلق نباہنے کا فن بھی خوب جانتے ہیں، اس لیے ان کا حلقہ احباب مسلکی دائرے سے باہر بھی بہت وسیع ہے''۔ (صفحہ نمبر:157)

محترم عصمت اللہ قلعوی حفظہ اللہ

قلعوی صاحب بھٹی صاحب کے بارے میں یوں رقم طراز ہیں:

''بھٹی صاحب کو ابتدائی دور زندگی ہی سے شخصیات سے دلچسپی رہی، اس لیے شخصیات ہی ان کے قلم کا موضوع ٹھہریں، جس شخص پر لکھا اس کے عہد کی پوری تاریخ سامنے لا کھڑی کر دی، جس شخصیت پر قلم اٹھایا اسے زندۂ جاوید کر دیا۔ اس لیے مشاہدے کا عمق اور بیان میں تفصیل ان کی تحریروں کا خاصہ ہے''۔

محترم قدرت اللہ چوہدری حفظہ اللہ

(ایگزیکٹو ایڈیٹر روزنامہ پاکستان، لاہور)

چوہدری صاحب مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اسحاق بھٹی کی شخصیت کا خاصہ یہ ہے کہ قدرت نے انہیں ہر قسم کا علم فیاضی سے عنایت کیا ہے۔ وہ اظہار کا ایک خاص ملکہ رکھتے ہیں، وہ گفتگو کرتے ہوئے کوئی لگی لپٹی نہیں رکھتے۔ وہ اردو خوبصورت لکھتے ہیں، لیکن اردو بولتے ہوئے جگہ جگہ پنجابی کا تڑکا لگاتے جاتے ہیں۔ لہجہ بھی خالص پنجابی ہے، مگر اس تڑکے اور اس لہجے کا اپنا لطف و سرور ہے''۔ (صفحہ نمبر: 178)

محترم ہارون الرشید صاحب

پاکستان کی صحافت کے نامور کالم نگار محترم ہارون الرشید صاحب اپنے کالم میں مولانا اسحاق بھٹی صاحب کی کتاب ''صوفی محمد عبداللہ مرحوم و مغفور'' کے حالات پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''یہ کتاب ادیبوں، شاعروں، سیاسی کارکنوں، مولویوں اور دانش وروں کے لیے نہیں ہے، فروغ نفس کے آرزو مند ریاکاروں کے لیے ہرگز نہیں جو جھوٹ پڑھتے اور ریا لکھتے ہیں۔ یہ ان نوجوان کی کتاب ہے، جو زندگی کے بیکراں اسٹیج پر پہلا قدم رکھنے، منزل کی تلاش اور تمنا میں بے تاب اور آرزو مند ہیں۔ جو پورا سچ معلوم کرنے کے خواہاں ہیں، جو جاننا چاہتا ہے کہ کس طرح ساری زنجیریں ایک ساتھ ٹوٹ گرتی ہیں اور آدمی اتنا بلند کیسے ہوسکتا ہے کہ چاند، ستارے اور آسمانوں کو زمین کی خبر دینے فرشتے اس پہ رشک کریں، جو طالب علم قرآن کی ان آیات کے مفہوم، اپنے قلوب پر طلوع کرنے کے آرزو مند ہیں کہ ''اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَافَّةً '' اور یہ کہ اللہ کے دوست وہ ہیں جن پر خوف اترتا ہے اور نہ وہ اپنے باطنوں میں غم گھولتے ہیں، یہ کتاب ان کے لیے ہے''۔ (صفحہ نمبر: 183)

محترم ملک عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ

عراقی صاحب سیر و سوانح کے بے تاج بادشاہ ہیں، مختلف موضوعات پر ان کی کئی ایک کتب منصہ شہود پر آچکی ہیں، ان کا شمار ملک کے نامور اور معروف لکھاریوں میں ہوتا ہے۔ عراقی صاحب مؤرخ اہل حدیث جناب مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے بارے میں اپنے تاثرات کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

''بھٹی صاحب اپنے دم سے ایک عہد ساز شخصیت ہیں، وہ خود اپنی ذات میں ایک انجمن اور ادارہ

ہیں۔ان کے دم قدم سے دنیائے علم وادب میں روشنی پھیلی ہوئی ہے۔وہ برصغیر (پاک وہند) کی جماعت اہل حدیث کی ایک قیمتی متاع ہیں۔بھٹی صاحب ایک نہایت اصول پسند، راست گو، حق پرست اور مرنجاں مرنج طبیعت کے نیک سیرت بزرگ ہیں۔سلاست طبع کی نعمت انہیں وافر ملی ہے۔اسی سبب سے وہ مخالفت کے طوفان اور حالات کے ہیجان میں کبھی توازن سے محروم نہیں ہوتے، بھٹی صاحب اپنوں اور بیگانوں کو کھلے دل سے داد دینے میں بڑے فیاض واقع ہوئے ہیں اور اس کی شہادت ان کی اپنی تصانیف ہیں''۔(صفحہ نمبر:225)

عراقی صاحب بھٹی صاحب کے بارے میں مزید فرماتے ہیں کہ:

''مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب بحیثیت مصنف برصغیر (پاک وہند) میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔آپ ہر موضوع پر لکھتے ہیں لیکن تذکرہ نویسی میں انہیں جو مقام حاصل ہے وہ شاید کسی دوسرے مصنف کو کم ہی حاصل ہوگا۔بھٹی صاحب اپنے منفرد اسلوب اور شگفتہ بیانی کے لیے علمی حلقوں میں مقبول ہیں۔ان کی تحریروں میں گہرائی بھی ہے اور فکری صلاحیت بھی، حافظہ اتنا قوی اور قلم اتنا سیال ہے کہ معلومات کا دریا موجیں مارا ہوتا ہے اور شخصیت اپنے پورے وجود کے ساتھ چلتی پھرتی محسوس ہوتی ہے''۔(صفحہ نمبر:227)

بلاشبہ حضرت مولانا اسحاق بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اوصاف وکمالات اور خصائص کا احاطہ کرنا ہمارے بس میں نہیں۔یہ چند ایک اقتباسات اور غیر مربوط احساسات تھے جو ارتجالاً نوکِ قلم پر آ گئے۔دعا ہے اللہ رب العزت ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، ان کی بشری خطاؤں کو درگزر فرماتے ہوئے انہیں نیکیوں میں بدل دے، حضرت بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس دنیا سے جانے سے جماعت اہل حدیث میں جو خلا پیدا ہوا ہے وہ شاید پُر تو نہ ہو سکے گا، مگر اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ جماعت کو کوئی نعم البدل عطا کر دے، تا کہ ان کے جاری مشن کو آگے بڑھایا جا سکے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کی یاد میں

عبدالرشید عراقی

گفتار اول

اسلام نے کسی شخص کی عظمت کا دارومدار اس کے علمی و عملی کمالات اللہ تعالیٰ سے اس کے تعلق اور اس کی دینی خدمات پر رکھا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا؛

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

”تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم سب سے زیادہ متقی ہو“

مولانا محمد اسحاق بھٹی 22 دسمبر 2015ء کو 91 برس کی عمر میں لاہور میں انتقال کر گئے۔ اور ان کی تدفین ضلع فیصل آباد چک 53 گ ب (منصور پور) میں ہوئی

انا للہ وانا الیہ راجعون

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

کل من علیها فان و یبقی وجه ربک ذوالجلال والاکرام

”خدا کے قانون کو غور سے سنو) جتنی مخلوق اس زمین پر ہے۔ سب فنا ہو جائے گی اور تمہارے پروردگار کی ذات باجلال و باعزت باقی رہے گی“ (الرحمان)

جو شخص بھی اس دنیا میں آیا ہے۔ اس نے ایک دن یہاں سے جانا ہے۔ سب کو فنا ہے اور بقائے دوام اس پاک ذات کو ہے۔ جو زمین و آسمان کا مالک و خالق ہے ہمارے بزرگ و اکابر ایک ایک کر کے اس دنیا سے جا رہے ہیں۔

مولانا عبدالحمید ازہرؒ ’مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ

اور جاتے ہوئے بزبان حال یہ فرمارہے ہیں کہ ؎

یہ سرائے دہر مسافر و بخدا کسی کا مکاں نہیں
جو یہاں مقیم تھے کل کے دن آج ان کا نشاں نہیں
یہ سرائے دھر قیام ہے یہ رواں روی کا مقام ہے
جسے یہ خیال ہے خام ہے جو ثبات چاہو تو یاں نہیں
یہ مراسم موسم گل کہاں کرے کوئی کیا گلہ خزاں
یہ ستم ہے گردش آسماں بچے اس سے پیر و جواں نہیں
یہ ہر ایک قبر پہ بے کسی بزبان حال ہے کہہ رہی
تمہیں آنکھ چاہئے غافلو! مجھے احتیاج بیاں نہیں
جو مثال طوطے خوش بیاں دم گفتگو تھے گہرفشاں
وہ پڑے ہیں ایسے خوش یاں کہ دہن میں گویا زباں نہیں
وہ جہانِ خلیل ہے بے بقا نہیں یاں بھروسہ حیات کا
وہ ہے کون باغ جہاں میں گل چلی نہیں جس پہ بادِ خزاں نہیں

پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم لکھتے ہیں کہ:

''موت سے کسی کو مفر نہیں'' لیکن جو لوگ ملی مقاصد کی تائید وحصول میں تادم آخر کام کرتے رہتے ہیں وہ کتنی ہی طویل عمر کیوں نہ پائیں۔ ان کی وفات قبل از وقت اور تکلیف دہ محسوس ہوتی ہے''۔ (گنجہائے گرانمایہ)

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ پر یہ جملہ مکمل طور پر صادق آتا ہے۔ بھٹی صاحب نے اپنی زندگی دین اسلام کی خدمت' قرآن وحدیث کی اشاعت ونصرت اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت تائید و حمایت اور نصرت ومدافعت اور حفاظت میں وقف کردی تھی۔

بھٹی صاحب کی وفات سے جماعت اہلحدیث کو جو عظیم نقصان ہوا ہے اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ ایک قیمتی متاع تھے اور روشن چراغ تھے جو گل ہوگیا' اور ان کی وفات سے جماعت اہلحدیث کو ناقابل تلافی نقصان ہوا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے جن علمائے کرام سے تعلیم حاصل کی تھی وہ اپنے دور کے جلیل القدر عالم دین اور انکا شمار اہل اللہ میں ہوتا تھا۔ بھٹی صاحب ان کے علمی و عملی کمالات سے بہرہ اندوز ہوئے تھے' بھٹی صاحب ان اسلاف کرام کے خلف صالح تھے۔

اور وہ حضرات یہ تھے۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف ؒ مولانا محمد علی لکھوی ؒ مولانا حافظ محمد گوندلوی' مولانا محمد اسماعیل سلفی' مولانا سید محمد داؤد غزنوی' مولانا محمد حنیف ندوی رحمهم الله اجمعین

مولانا محمد اسحاق بھٹی اس دور قحط الرجال میں جماعت اہلحدیث اور تمام مسلمانوں کے لئے ڈھارس تھے۔ ان جیسی نادرہ روزگار ہستیاں ہمیشہ پیدا نہیں ہوتیں جو ہمہ وقت دین اسلام کی خدمت اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت و مدافعت میں دیوانہ وار مصروف ہو۔

اب نہ آئے گا نظر ایسا کمال فن
گو بہت آئیں گے دنیا میں رجال علم و فن

میں مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ ایک سیدھے سادے مہذب و معقول انسان تھے۔ ان کی شخصیت ایک بڑی پر جہت' جامع الکمال والصفات شخصیت تھی۔ جس میں سادگی پرکاری کا ایک عجیب امتزاج دیکھا جاسکتا تھا۔

از شمار نظر زیک تن کم
وزحسابِ خرد ہزاراں بیش

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ واقعتاً اپنی ذات میں ایک انجمن تھے' ادارہ تھے' اکیڈمی تھے' خداداد ذہانت اور اعلیٰ صلاحیت کے مالک تھے۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشان کبھی

بھٹی صاحب نے علمی' ادبی' مذہبی و ملی اور مسلک اہل حدیث کی اشاعت میں جو خدمات انجام دی ہیں اور جس کو تاریخ کبھی فراموش نہ کرسکے گی۔ ایسی ہی نادر روزگار شخصیات کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بھٹی صاحب کی شخصیت جامع صفات تھی وہ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے ان کی جن خوبیوں نے مجھے خاص طور پر متاثر کیا وہ ان کی شرافت' وسعت قلبی' معاملہ فہمی' دور بینی' صلح پسندی' وضعداری' رواداری' ذوق مطالعہ' دوستوں سے محبت' ہر ملاقاتی سے بڑی محبت اور خوش اخلاقی سے ملنا اور مہمان نوازی' خاص طور پر شامل ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں امیر مینائی کے اس تصوراتی شعر کی صحیح معنوں میں عملی تصویر تھے۔

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

ہر انسان مرد' عورت' بچہ' بوڑھا' جانور' حیوانات سب نے موت کا مزہ چکھنا ہے' لیکن بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں جن کے متعلق چند دن لوگ غم کا اظہار کرتے ہیں اور پھر بھول جاتے ہیں' مگر بعض موتیں ایسی ہوتی ہیں جو پورے عالم کو سوگوار بنا دیتی ہیں اور ایسی موتیں ہمیشہ تاریخ کے اوراق میں اہل علم کے لئے ایک مستقل سانحہ بن جاتی ہیں ایسی ہی موت کے بارے میں کہا گیا ہے۔

موت العالم موت العالم

حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کی موت تمام عالم کی موت ہے۔ وہ بیک وقت ایک عالم دین مبلغ' خطیب مقرر' مؤرخ' محقق' مصنف' صحافی' دانشور' نقاد اور مفکر تھے اور اس کے علاوہ مرد مومن تھے۔ وہ علامہ اقبال کے ان دو شعروں کے مصداق تھے۔

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز

بلاشبہ بھٹی صاحب ایک وسیع النظر عالم اور صاحب مفکر و بصیرت اور جلیل القدر مصنف

وصحافی تھے اور اپنی ان خصوصیات اور اوصاف وکمالات کی بنا پر معاصرین میں ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ بھٹی صاحب سے میرا تعلق 1955ء سے تھا جب تک راقم لاہور میں بسلسلہ ملازمت مقیم رہا۔ ان سے دو چار روز بعد ملاقات ہو جاتی تھی لیکن جب راقم نے لاہور چھوڑا تو ہماری ملاقات بذریعہ خطوط ہوتی تھی۔ راقم نے یہاں تک ان کی زندگی کے بارے میں اپنے اندر ایک عندیہ قائم کیا ہے'' اور وہ یہ ہے کہ''

آپ کی پوری زندگی زہد' قناعت' سادگی' خلوص' وفا' ایثار' شرافت' ذکاوت' ہمدردی' محبت' مروت' اور قربانی کی جیتی جاگتی تصویر تھی آپ نے پوری زندگی اپنے قول وفعل سے کسی بڑے چھوٹے اور واقف اور ناواقف شخص کی دل آزاری گوارا نہیں فرمائی''۔

بھٹی صاحب سیاست حاضرہ سے پوری طرح باخبر رہے سیاست میں آپ کا نقطہ نظر ٹھیک وہی تھا' جس کا اظہار حکیم الامت علامہ اقبال نے اپنے اس مشہور شعر کے اندر کیا ہے۔

جلالی بادشاہی ہو کہ جمہوری سیاست ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

مولانا محمد اسحاق بھٹی کو اپنے مسلک اہلحدیث سے بہت محبت تھی۔ وہ اپنے مسلک اہلحدیث کے خلاف کسی قسم کی تنقید سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور معمولی سی مداہنت بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ ایک دفعہ دوران گفتگو حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ''

مسلک اہل حدیث اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جب بھی کوئی مضمون یا رسالہ وکتاب شائع ہوتی ہے تو اس کا جواب دینے کے لیے سب سے پہلے جو عالم دین میدان عمل میں اترتے ہیں وہ شیخ الاسلام' فاتح قادیان' شیر پنجاب' سردار اہلحدیث' حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ تھے ان کے بعد یہ ڈیوٹی شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی نے انجام دی اب یہ ڈیوٹی حافظ عبدالقادر روپڑی اور فقیر عطاء اللہ حنیف انجام دے رہا ہے۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم دونوں کے بعد کون شخص ہوگا جو فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت ومدافعت فرمائے گا''۔

مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ نے نام نہیں لیا۔لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ڈیوٹی حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کے سپرد کر دی۔ بھٹی صاحب نے اپنے اکابر کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت' نصرت اور مدافعت میں سرگرم عمل رہے اور اس کا ثبوت ہفت روزہ الاعتصام لاہوراور سہ روزہ منہاج لاہور سے مل سکتا ہے۔

بھٹی صاحب سے ایک ملاقات کے موقع پر دوران گفتگو میں نے عرض کیا کہ جولوگ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں تنقید کرتے ہیں اور کئی قسم کے بے جا اعتراض کرتے ہیں کوئی کہتا ہے فلاں حدیث ہے مگر عقل تسلیم نہیں کرتی اور قرآن مجید کے خلاف نظر آتی ہے قرآن مجید حضرت ابراہیم علیہ السلام کو صدیق نبی کہا گیا ہے اور حدیث بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین جھوٹ بولے۔کوئی کہتا ہے کہ حدیث تاریخ ہے' ان سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

بھٹی صاحب نے میری گذارشات سن کر فرمایا

عراقی صاحب کیا کیا جائے کہ یہ لوگ ایک طرف کلمہ طیبہ بھی پڑھتے ہیں' نمازیں بھی پڑھتے ہیں' روزے بھی رکھتے ہیں لیکن حدیث کے بارے میں بڑے برے خیالات کے حامل ہیں اللہ ان کو ہدایت نصیب فرمائے۔

عراقی صاحب جب میں کسی رسالہ یا کتاب میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تنقیدی مضمون دیکھتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے ہیں اور میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ

"ان لوگوں کو اللہ کا خوف نہیں آتا کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور ببانگ دہل پکارتے ہیں کہ

ہم حدیث کو حجت تسلیم نہیں کرتے۔ضروری نہیں کہ یہ حدیث کو تسلیم کر لیا جائے جو بات عقل تسلیم کرے اس پر عمل کرو جس کو عقل تسلیم نہ کرے اس طرف توجہ نہ کرو میں جب کسی رسالہ یا کتاب میں حدیث پر تنقیدی مضمون پڑھتا ہوں تو اس کا جواب دینے کے لئے میدان عمل

میں اتر تا ہوں اور خدا کے فضل و کرم اور اس کی مدد کے ساتھ معترض کے اعتراضات کا دلائل سے جواب دیتا ہوں آپ الاعتصام پڑھتے ہیں میری یہی کوشش ہوتی ہے کہ جواب دلائل سے دیا جائے تاکہ معترض کو آئندہ اعتراض کا موقع نہ ملے۔

راقم نے عرض کیا کہ

''مولانا سید مودودی نے جو برکت علی محمڈن ہال میں تقریر کی تھی۔

اس کا پس منظر کیا تھا۔؟''

بھٹی صاحب نے فرمایا

''عراقی صاحب''

مولانا سید مودودیؒ نے 26 اگست 1971ء کو جماعت اسلامی بنائی تھی اور فقیر اسحاق بھٹی اس اجلاس میں استاد محترم مولانا عطاء اللہ رحمہ اللہ کے ہمراہ شریک ہوا تھا۔(آج اس اجلاس میں شریک ہونے والوں میں اس فقیر کے سوا اور کوئی نہیں)

بھٹی صاحب نے فرمایا

1953ء میں مرزائیوں کے خلاف جو تحریک شروع ہوئی اس میں بہت سے لوگ گرفتار ہوئے اور گرفتار ہونے والوں میں مولانا سید مودودی بھی تھے۔1955ء اپریل یا مئی کا مہینہ تھا کہ مولانا مودودی کو رہا کر دیا گیا۔15 مئی 1966ء کو مولانا مودودی نے حجیت حدیث پر تقریر کی۔دن کے دس بجے تقریر کا وقت تھا۔میں جب تقریر سننے کے لئے برکت علی ہال پہنچا' تو سامنے ملک نصر اللہ خاں عزیز جو ان دنوں روزنامہ تسنیم کے ایڈیٹر تھے' صحن میں کھڑے تھے۔میں ان کے ساتھ السلام علیکم کہہ کر کھڑا ہو گیا۔مولانا مودودی تقریر کر رہے تھے اور ان کی تقریر صاف سنائی دے رہی تھی چند منٹ بعد مولانا مودودی نے فرمایا'' وہ کوئی شریف آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حدیث کا جو مجموعہ ہم تک پہنچا ہے وہ قطعی طور سے صحیح ہے مثلاً بخاری جس کے بارے میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے حدیث میں کوئی بڑے سے بڑا غلو کرنے والا بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں جو 6-7 ہزار احادیث درج ہیں وہ ساری کی ساری صحیح ہیں۔

عراقی صاحب میں نے ملک نصر اللہ خاں عزیز سے کہا کہ ''آپ نے مولانا کے الفاظ سنے ہیں کیا کہہ رہے ہیں'' انہوں نے میری بات کا جواب نہ دیا۔ ملک نصر اللہ خاں عزیز روزنامہ تسنیم کے علاوہ ہفت روزہ ''ایشیا'' کے بھی ایڈیٹر تھے اور یہ دونوں جماعت اسلامی کے ترجمان تھے۔

میں نے ملک صاحب سے کہا کہ

''صحیح بخاری کے بارے میں مولانا کے الفاظ سنے ہیں انہوں نے سخت غلطی کی ہے۔ آپ نے یہ تقریر کل روزنامہ تسنیم میں شائع کرنی ہے تقریر کے یہ الفاظ شائع نہیں ہونے چاہئیں۔''

عراقی صاحب

دوسرے دن تسنیم دیکھا' تو اس میں یہ الفاظ نہیں تھے۔ اس کے بعد مجھے بے شمار خطوط موصول ہوئے۔ ان تمام خطوط کا خلاصہ یہ تھا کہ صحیح بخاری کے بارے میں اہل سنت کا نقطہ نظر کیا ہے۔

میں نے تمام مراسلات الاعتصام میں شائع کر دیئے اور صحیح بخاری کے بارے میں علمائے اہلسنت کا جو نقطہ نظر ہے اس کو الاعتصام میں شائع کیا۔

عراقی صاحب اس بحث نے کافی طول پکڑا' اخبارات و رسائل بعض اخبارات نے ہماری شدید مخالفت کی اور بعض اخبارات نے اس بحث کو ختم کر دینے کی اپیل کی ان میں حمید نظامی مرحوم ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت سرفہرست تھے۔

اس بحث کی تفصیلات الاعتصام' ایشیا' المنبر' چراغ راہ' امروز' نوائے وقت' نوائے پاکستان اور بعض ہندوستانی اخبارات و رسائل و جرائد میں موجود ہے۔

عراقی صاحب یہ بحث کافی طویل ہے۔

جماعت اسلامی نے مولانا احمد علی رحمہ اللہ اور مولانا مرتضیٰ احمد میکش کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا۔ علمی و سیاسی حلقوں نے جماعت اسلامی کے اس اقدام کو پسند نہیں کیا اور برہمی کا اظہار کیا۔ ارکان جماعت اسلامی کو مقدمہ واپس لینے کا کہا گیا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ ہاں مولانا مودودی اور بعض ارکان جماعت اسلامی نے یہ تجویز دی کہ

"معاملہ کسی ثالث کے سپرد کردیا جائے اور ثالث کا فیصلہ تسلیم کیا جائے۔"

عراقی صاحب
جماعت اسلامی کی تجویز پر مولانا محمد علی قصوری (ایم اے کینٹ) کو ثالث مقرر کیا گیا دونوں جماعتوں (جمعیت اہل حدیث اور جماعت اسلامی کی طرف سے حسب ذیل ارکان نے شمولیت کی)

جمعیت اہلحدیث	جماعت اسلامی	مولانا احمد علی
مولانا سید محمد داؤد غزنوی	مولانا سید مودودی	خود مولانا احمد علی
مولانا عطاء اللہ حنیف	میاں طفیل محمد	مولانا مرتضیٰ احمد میکش
مولانا محی الدین احمد قصوری	ملک نصر اللہ عزیز	چوہدری عبدالرحیم
محمد اسحاق بھٹی		

عراقی صاحب
مولانا محمد علی قصوری نے اپنی کوٹھی (21 ٹمپل روڈ) پر میٹنگ بلائی' کافی دیر تک میٹنگ جاری رہی آخر یہ فیصلہ ہوا اور فیصلہ کی تحریر یہ تھی کہ
مولانا احمد علی اور مولانا مرتضیٰ کے خلاف عدالت میں جو مقدمہ ہے وہ بیان دے کر واپس لیا جائے اور یہ کہہ کر کہ فیصلہ ثالثی کمیٹی کے سپرد کردیا گیا ہے۔"

عراقی صاحب
مقدمہ واپس لینے میں جماعت اسلامی نے تاخیر کی یہ ایک لمبی کہانی ہے۔
بھٹی صاحب نے 91 برس کی عمر پائی اور اس پیرانہ سالی میں لکھنے پڑھنے کا سلسلہ جاری رکھا وہ دین اسلام اور مسلک اہلحدیث کی اشاعت و خدمت کے لئے جوانوں سے زیادہ عزم و ہمت رکھتے تھے۔ بھٹی صاحب کی خدمات کا احاطہ کرنا آسان نہیں۔ ان کی خدمات نا قابل فراموش ہیں۔ لیکن موت قدرت کا ایسا اٹل قانون ہے جہاں عقل وخرد' فہم و فراست کی تمام تدبیریں ناکام ہوجاتی ہیں۔ بقول شاعر مشرق ۔

جس نے سورج کی تمام شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی بھر شب تاریک سحر کر نہ سکا

بھٹی صاحب خداداد ذہانت اور اعلیٰ صلاحیت کے مالک تھے۔

اعلیٰ ترین مصنف تھے' ان کی تحریروں میں بلا کی شگفتگی تھی اور ان کی تحریریں حشو و زوائد سے پاک ہوتی تھیں۔ علم و حلم کا پیکر تھے' وہ صحیح معنوں میں تحریر کے شہسوار تھے۔ بڑے زندہ دل انسان تھے اللہ تعالیٰ نے قوت حافظہ کی نعمت سے نوازا تھا۔ بہت پرانے واقعات یاد تھے بڑے عمدہ الفاظ میں سناتے تھے اور کئی علمائے کرام کے بارے میں دلچسپ باتیں سنایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ملاقات کے دوران راقم سے بیان کیا اور فرمایا؛

''عراقی صاحب مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی'' آپ کے عزیز تھے۔ چار پانچ روز الاعتصام کے دفتر میں تشریف لاتے فقیر چائے پلاتا۔ بڑے خوش ہوتے اور فرماتے۔ ''مولوی اسحاق یہ میرے دو سو روپے اپنے پاس امانت رکھیں تھوڑے تھوڑے واپس لوں گا' اپنے بیٹے عبدالباقی کو چٹ دے کر بھیجا کروں گا اور چٹ پر لکھی ہوئی رقم آپ کو دینا ہوگی۔''

میں کہتا '' حضرت اس کا حساب خود رکھیں جو چٹ پر لکھا ہو گا' دے دیا کروں گا''۔

جواب میں فرماتے مولوی اسحاق

''یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ مجھے جتنے پیسوں کی ضرورت ہوگی وہ آپ سے طلب کروں گا ' حساب آپ رکھیں اور مجھے یہ چٹ بھیجیں کہ اب آپ کی رقم اتنی باقی رہ گئی ہے۔ عراقی صاحب وہ بڑے زندہ دل تھے۔ علوم اسلامیہ پر کافی دسترس حاصل تھی شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی اور تاریخ اسلامی پہ کافی عبور تھا اللہ مغفرت فرمائے۔''

مولانا ابوبکر محمد رمضان سلفی حفظہ اللہ (فیصل آباد) سے بھٹی صاحب کی گہری دوستی تھی۔ سلفی صاحب مرحوم بھٹی صاحب کو اپنا مرشد بتاتے ہیں۔

سلفی صاحب نے انہیں ذہبی وقت لکھا کرتے ہیں اور یہ خطاب انہیں علامہ عزیز زبیدی رحمہ اللہ نے دیا تھا۔ مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ نے بھٹی صاحب کو کویت بلایا اور انہیں ان کی خدمات پر شیلڈ بھی دی اور مؤرخ اہلحدیث کے خطاب سے نوازا۔

مرحوم بھٹی صاحب بڑے دور اندیش تھے اور دور اندیشی ان کا طرہ امتیاز تھی' دنیاوی معاملات میں پاک صاف اور ضمیر فروشی سے بیزار رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ بڑی محبت کرنے والے اور عمدہ اوصاف وکمال کے حامل تھے۔

صبر و قرار ہے نہ حواس اور ہوش ہے
اب زندگی میں کوئی حرارت نہ جوش ہے
دنیا سے وہ "ذہبی وقت" چلا گیا
ہر شخص جس کے واسطے ماتم بدوش ہے
داغ فراق و صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کے تاثرات:

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں علمی و دینی اور مذہبی شخصیات کو دیکھا اور ان سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ان سے گفتگو کا موقع ملا اور کئی حضرات سے استفادہ کیا اور اس کے علاوہ مدت مدیر تک صحبت اختیار کی۔ بھٹی صاحب نے جب ان شخصیات کے بارے لکھنا شروع کیا تو ان کے بارے میں بتایا کہ

میں نے ان کو کیسا' پایا ان کے علم کا حدود اربعہ کیا تھا' عوام وخواص سے ان کا رابطہ کیسا تھا' طلباء سے کس طرح پیش آتے تھے' عادات وخصائل میں ان کا مرتبہ مقام کیا تھا۔

بھٹی صاحب نے مختصر الفاظ میں اپنے انداز میں ان کے حالات احاطہ تحریر میں لائے ہیں۔ بھٹی صاحب کا انداز تحریر نرالہ ہے ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری حفظہ اللہ بھٹی صاحب کی تحریر کے بارے میں اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

مکرمی ومحترمی......السلام علیکم

میں آپ کے مضامین کا دلدادہ ہوں' آپ کے مضامین' معلومات کی فراوانی' مشاہدات کی دلکشی' تاثرات کا حسن' مطالعے کی رنگینی' فکر کی بلندی وپختگی' عقیدے کی محکمی کا الفاظ

اور جملے نہایت موثر اور اسلوب بہت دل آویز ہوتا ہے' آپ اس دور کے بہترین لکھنے والوں میں سے ہیں' زبان کی صحت اور فکر و معنی کے ساتھ ایسے دلنشین اسلوب کی مثالیں کم ہوں گی۔

مطلب یہ ہے کہ آپ طویل سے طویل مضمون میں بھی اس اسلوب کو برقرار رکھ سکتے ہیں اور مختلف شخصیات اور موضوعات میں اسلوب کے تقاضوں کو باحسن ملحوظ رکھتے ہیں' آپ ادب کے نہایت لطیف ذوق کے مالک ہیں اور آپ کے حسِ مزاح کا تو جواب ہی نہیں' آپ کا وجود گرامی جماعت کے لئے قابل فخر ہے اور ایک بات یہ کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں لیکن اظہار اس لئے نہیں کرتا کہ محبت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں اور وہ میں ادا نہیں کر سکتا۔

خاکسار

ابوسلمان

4 دسمبر 1994ء

بھٹی صاحب مرحوم و مغفور نے بڑی فراخدلی سے جن شخصیات کا تعارف کرایا ہے کہیں کہیں خاصا طویل ہو گیا اگر وہ تمام کا تمام نقل کیا جائے تو مضمون طویل ہو جائے گا اس لئے مختصراً بھٹی صاحب کے الفاظ من و عن ان کے ارشادات کو نقل کیا جائے گا۔

(1) مولانا سید محمد داود غزنویؒ (م 16 دسمبر 1963)

مولانا ظفر علی خاں م 27 نومبر 1965ء فرماتے ہیں؛

قائم ہے ان سے ملت بیضا کی آبرو
اسلام کا وقار ہیں داؤد غزنوی
رجعت پسند کہنے لگے ان کو دیکھ کر
آیا ہے سومنات میں محمود غزنوی
کلکتہ میں اک اور بھی ہیں ان کے ہم لقب
یہ ہست غزنوی ہیں وہ بود غزنوی

بھٹی صاحب فرماتے ہیں؛

(1) مجھے بہت سے ارباب علم اور صاحب کمال سے ملنے اور ان سے باتیں کرنے اور تھوڑا زیادہ وقت ان کی صحبت میں ورفاقت میں رہنے کے مواقع میسر آئے ہیں لیکن میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ مولانا داؤد غزنوی متعدد معاملات میں بہت سے علماء وزعماء سے فائق تر تھے۔ (نقوش عظمت رفتہ ص 22)

(2) مولانا خالصتاً سلفی المسلک تھے' کتاب وسنت پر سختی سے عامل' اس میں کسی قسم کی مداہنت کے قائل نہ تھے۔ اس کے ساتھ ہی نہایت نرم مزاج اور بردبار (صفحہ 70)

(2) مولانا محمد اسمعیل سلفی (م 20 فروری 1968ء)

(1) مولانا اسمعیل صاحب کا زیادہ وقت مطالعہ کتب میں صرف ہوتا تھا وہ سفر میں ہوتے یا حضر میں ایک آدھ کتاب ان کے پاس ضرور ہوتی تھی اور وہ مصروف مطالعہ رہتے تھے (نقوش عظمت رفتہ۔ ص 170)

(2) مولانا سلفی معلومات کا وسیع ذخیرہ رکھتے تھے۔ تفسیر حدیث' فقہ' ادبیات اور علم کلام وغیرہ پہ انہیں عبور حاصل تھا' اس لئے روانی اور تیزی سے لکھتے تھے۔ عربی' اردو اور فارسی پر انہیں دسترس حاصل تھی۔ (صفحہ 178)

(3) مولانا محمد حنیف ندوی (م 13 جولائی 1987ء)

مولانا نہایت شگفتہ مزاج عالم دین تھے اور ہمارے ملک کے طبقہ علماء کے بہت بڑے رکن تھے جو مذہبی اور اسلامی تمام قدیم وجدید تحریکوں میں عمیق نگاہ رکھتے تھے اور ان کے تحلیل و تجزیے میں انہیں عبور حاصل تھا۔ مسائل مذہبی اور ضروریات زمانہ کو وہ نہایت اچھی طرح سمجھتے تھے اور دونوں کا تقابل کرتے وقت مذہب کے پلڑے کو ہمیشہ بھاری ثابت کرتے تھے۔ ان کی تحریر وتقریر کا ایک ایک جملہ اور کلام وبیان کا ہر ہر لفظ ان کے علم ومطالعہ کی فراوانی کی شہادت دیتا تھا۔ ان کے افکار قلمی کا جو عکس منظر عام پر آچکا ہے وہ ان کی وسعت معلومات اور فضل وکمال کا بین ثبوت ہے۔ (قافلہ حدیث ص 323)

(4) مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی (م 3 اکتوبر 1987)

مولانا عطاء اللہ صاحب میں ایک خوبی یہ تھی کہ ان میں دنیوی لالچ بالکل نہ تھا' مہمان ان کے ہاں بہت آتے تھے اور وہ اپنی حیثیت کے مطابق ان کی خدمت کرتے تھے۔ان کے دوستوں اور تعلق داروں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔وہ سب سے خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے' روپے پیسے کی حرص سے ان کا ذہن خالی تھا وہ اللہ کے سوا کسی سے کسی چیز کا سوال نہیں کرتے تھے' ان کی تمام ضرورتیں احسن طریقے سے اللہ تعالیٰ پوری کرتا تھا اور اللہ پر ہی ان کو بھروسا تھا۔(نقوش عظمت رفتہ ص 177' 178)

(5) مولانا ابوالکلام آزاد (م 22 فروری 1958ء)

مولانا ابوالکلام آزاد عبقری شخصیت تھے۔مولانا ظفر علی خاں (م 1956ء) فرماتے ہیں

جہاں اجتہاد میں سلف کی رائے گم ہو گئی
ہے تجھ کو اس میں جستجو تو پوچھ ابو الکلام سے

حسرت موہانی (م 15 مئی 1951ء فرماتے ہیں۔

جب سے دیکھی ابوالکلام کی نثر
نظم حسرت میں کچھ مزا نہ رہا
سب ہو گئے خاموش' بس ایک حسرت
گویا ہیں ابوالکلام آزاد

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

مولانا ابوالکلام آزادؒ

(1) تقریر وتحریر میں پورے ہندوستان میں کوئی ان کا حریف نہ تھا۔علم و فضل میں بھی وہ اونچے مقام پر فائز تھے۔سیاسیات میں بھی ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔

(2) مولانا نہایت بلند حوصلہ اور بدرجہ غایت صابر و شاکر تھے۔بے شمار لوگوں نے ان کے خلاف لکھا اور ان پر شدید تنقید بلکہ تنقیص کی مگر انہوں نے کبھی کسی کا جواب نہ دیا۔(صفحہ 56)

(3) مولانا کی حیثیت ہرگز ایک مقامی اور تعلیمی قائد کی نہیں بلکہ ان کا شمار مشرق کے ان مایہ ناز حضرات میں ہوتا ہے جن کے علم و ادب اور ثقافت و اخلاق پر پوری دنیائے اسلام ناز کر سکتی ہے۔ یہی وہ گرانقدر شخصیت ہے جن کے شور قلم سے متحدہ ہندوستان میں پہلے پہل بیداری پیدا ہوئی۔ (صفحہ 101)

(6) مولانا ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری (م 15 مارچ 1948ء)

شیخ الاسلام، مفسر قرآن، محدث دوراں، محقق زماں، فاتح قادیاں، شیر پنجاب، سردار اہلحدیث، زبدۃ العارفین، امام المسلمین اور عالم اسلام کے جلیل القدر رہنما تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی (م 22 نومبر 1953ء) فرماتے ہیں کہ:

مولانا ہندوستان کے مشاہیر علماء میں سے تھے۔ فن مناظرہ کے امام تھے خوش بیان مقرر تھے۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی اور قلم اٹھایا اس کے حملے کو روکنے کے لئے ان کا قلم شمشیر بے بنام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمت میں انہوں نے عمر بسر کر دی۔ فجزاہ اللہ عن الاسلام خیر الجزاء (یادرفتگان ص 369، 370)

بھٹی صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:۔

(1) مولانا ثناء اللہ امرتسری بہترین مقرر تھے اور بلند پایہ مناظر بھی دینی علوم کے ماہر بھی تھے اور غیر اسلامی ادیان سے باخبر بھی، مصنف بھی تھے اور محقق بھی، مفسر بھی تھے اور ماہر حدیث بھی اصولی بھی تھے، اور عالم فقہ بھی، کلامی بھی تھے اور فلسفی و منطقی بھی، اپنے انداز خاص سے وہ سیاست میں بھی حصہ لیتے تھے اور ملکی مسائل سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ (بزم ارجمنداں، ص 143)

(2) مولانا مرحوم کی زندگی مصروف ترین زندگی تھی، ان کا وقت تحریر و تقریر، تصنیف و تالیف درس و خطابت اور مناظرات و مدافعت اسلام میں صرف ہوتا تھا۔ (صفحہ 163)

(3) مولانا امرتسری انتہائی شائستہ مزاج، شگفتہ کلام، شستہ بیان عالم دین تھے۔ تحریر میں

روانی' تقریر میں تسلسل' بات چیت میں نکھار' اور دوسرے کی سخت گفتگو سننے کا حوصلہ اور برداشت کرنے کا سلیقہ ان کے وہ اوصاف تھے جو انہیں سب سے ممتاز کرتے تھے۔ (صفحہ 165)

(7) مولانا عبدالمجید خادم سوہدروی (م 6 نومبر 1959ء)

سوہدرہ اگر چہ بہت پرانا تاریخی قصبہ ہے لیکن اس کی شہرت کا اصل باعث مولانا عبدالمجید چوہدروی ہیں ان کے آباؤ اجداد' علمی وجاہت' مکارم اخلاق' حسن کردار اور تقویٰ شعاری میں پورے علاقے میں مشہور تھے۔ مولانا سوہدروی نے فراغت تعلیم کے بعد تگ ودو کے لئے چار میدان منتخب کیے۔

(1) تدریس (2) تقریر (3) تحریر (4) طبابت

ان چاروں میدانوں میں خوب ترقی کی اور جس میدان میں قدم رکھا' اس میں آگے بڑھنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ (بزم ارجمنداں ص 404' 405' 407)

(8) مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (م 12 جنوری 1956ء)

مولانا محمد ابراہیم میر ابتداء ہی سے مسلم لیگ سے وابستہ تھے اور دوقومی نظریہ کے حامی تھے۔ کانگرس کے سخت خلاف تھے اور کانگرسی علمائے کرام سے ان کی نہیں بنتی تھی۔ (عراقی)

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں کہ:

(1) مولانا سید داؤد غزنوی پنجاب کانگرس کے صدر تھے۔ اتفاق سے مولانا غزنوی نے امرتسر میں ایک تقریر کرنا چاہی تھی' مولانا ثناء اللہ مرحوم یہ تقریر سننا چاہتے تھے۔ اتفاق سے مولانا سیالکوٹی بھی مولانا امرتسری کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے' مولانا امرتسری نے مولانا ابراہیم سے فرمایا:

آیئے مولانا داؤد غزنوی کی تقریر سنیں۔

مولانا سیالکوٹی نے فرمایا:

مولانا داؤد غزنوی کانگرسی ہیں نہ میں ان کے جلسے میں جاؤں گا اور نہ ان کی تقریر سنوں گا۔

مولانا ثناء اللہ نے فرمایا ''یہ معاملہ کانگرسی یا غیر کانگرسی کا نہیں ہے جماعت کا ہے ہمیں اپنی جماعت کے جلسے میں جانا چاہئے'' لیکن مولانا سیالکوٹی جانے پر آمادہ نہ ہوئے۔ آخر مولانا سیالکوٹی تقریر سننے جلسہ میں چلے گئے اور وہاں پہنچے تو مولانا داؤد غزنوی سے سب سے زیادہ پیار کا اظہار کرنے والے وہی تھے۔ (قافلہ حدیث ص 85)

(2) مولانا سیالکوٹی کثیر المطالعہ عالم تھے تفسیر و حدیث' فقہ و اصول' تاریخ و تذکرہ' فلسفہ و منطق اور تقابل ادیان وغیرہ علوم سے متعلق ان کی معلومات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ اسلام اور احکام اسلام کے خلاف کوئی بات برداشت نہیں کرتے تھے۔ مناظرے میں بھی ان کی بڑی شہرت تھی' عیسائیوں' آریوں' قادیانیوں اور علمائے احناف سے بھی مناظرے ہوئے۔ (صفحہ 111)

(9) مولانا ابو القاسم سیف بنارسی (م 25 نومبر 1949ء)

ملک کی سیاسی تحریکوں میں بھی حصہ لیتے تھے اس کی پاداش میں انہیں قید و بند کے مراحل سے بھی گزرنا پڑا' ان کا سیاسی نقطہ نظر کانگرسی تھا' وہ کھدر کا لباس پہنتے تھے۔

تدریسی' تقریری اور مناظراتی سرگرمیوں کے علاوہ ان کی تصنیفی سرگرمیاں ہمیشہ زوروں پر رہیں۔ ایک حنفی عالم مولوی عمر کریم نے کتاب ''الجرح علی البخاری'' لکھی تو اس کے جواب میں ''حل مشکلات بخاری'' کے نام سے کتاب تصنیف کی۔

ایک کتاب انہوں نے ''جمع القرآن والحدیث'' کے نام سے تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں قرآن مجید اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جمع و تدوین کی وضاحت کی گئی ہے۔ (گلستان حدیث ص 168)

(10) مولانا محمد علی جانباز (م 13 دسمبر 2008ء)

مولانا محمد علی جانباز مشہور مدرس اور معروف مصنف تھے۔ انہوں نے جو کچھ لکھا' تحقیق سے لکھا اور

قارئین نے اس سے استفادہ کیا۔ وہ ایک خاص ذہن اور خاص مزاج کے اہل علم تھے اور ہماری رائے میں تقویٰ شعار بزرگ تھے۔ (انجاز الحاجہ شرح سنن ابن ماجہ (عربی) ان کا عظیم علمی کارنامہ تھا۔ (دبستان حدیث ص489)

(11) پروفیسر عبدالقیوم (م 8 ستمبر 1989ء)

(1) ہر شخص کے دل میں ان کا احترام تھا اور وہ واقعی قابل احترام شخصیت کے مالک تھے۔ احباب جبہ و دستار بھی ان کے قدر دان تھے اور جدید تعلیم یافتہ بھی ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مذہبی حلقوں میں اس داڑھی منڈے کو کچھ دوسری نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ جن کا تعلق محراب و منبر سے تھا۔ (قافلہ حدیث ص393)

(2) کثرت مطالعہ و معلومات کے ساتھ ان میں بڑی خوبی یہ تھی کہ مزاج میں انکسار تھا۔ فخر و تعلّی اور غرور و پندار کے کسی پہلو سے بھی آشنا نہ تھے۔ (صفحہ 395)

(3) مرحوم پروفیسر عبدالقیوم قدیم اور جدید کے درمیان حسین ترین نقطہ اتصال تھے۔ (صفحہ 402)

(12) مولانا محمد صدیق کرپالوی فیصل آبادی (م 12 ستمبر 1989ء)

بلند حوصلہ اور جری عالم دین تھے۔ تصنیف میں ان کی ایک کتاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی (ام کلثوم) سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح سے متعلق ہے' جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے بہ طیب خاطر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح کیا تھا۔ اپنے موضوع کی یہ ایک تحقیقی کتاب ہے۔ (بزم ارجمنداں ص500)

(13) پروفیسر سید ابوبکر غزنوی (م 24 اپریل 1976ء)

(1) خطابت و تقریر میں ان کا مقام بڑا اونچا تھا۔ جس موضوع پر کچھ کہنا ہوتا اس کی پوری تیاری کر کے آتے تھے۔

(2) عربی زبان سے انہیں بے حد پیار تھا۔ بالخصوص جدید عربی سے وہ انتہائی دلچسپی رکھتے تھے اور دراصل یہی ان کا موضوع تھا۔

(3) نہایت باہمت اور خود دار اہل علم تھے۔ بعض اوقات خودداری اپنے اصل دائرے سے اور حد سے نکل جاتی تھی۔ (قافلہ حدیث ص138'140'149)

(14) مولانا عبدالستار صدری دہلوی (م 29 اگست 1966ء)

نامور خطیب و مقرر تھے' خطابت میں ان کا شہرہ تھا۔ خطبہ مسنونہ کے بعد تقریر کا آغاز کرتے' تو مجمے میں خاموشی چھا جاتی اور دوران تقریر قرات و تجوید کے ساتھ آیات قرآنی کی تلاوت فرماتے تو سماں بندھ جاتا۔ تقریر اس درجہ اثر انگیز ہوتی کہ لوگ ہمہ تن گوش ہو جاتے۔ روانی' تسلسل' دلائل کی بھرمار' بات کہنے کا مثبت اسلوب اور تنقید کا مدلل انداز ان کی تقریر کے بنیادی اجزاء تھے۔ (کاروان سلف ص154)

(15) صوفی نذیر احمد کاشمیری (م 5 دسمبر 1985ء)

صوفی صاحب خالق کائنات کی طرف سے مضطرب دل اور متحرک وجود لے کر اس دنیا میں آئے تھے۔ ان کا سینہ مسلمانوں کی ہمدردی سے بھرپور تھا اور ان کی روح انسانیت کی محبت میں بے چین رہتی تھی' وہ ہر جگہ کے مسلمانوں کے معاون اور ہر مقام میں بسنے والے مظلوم مسلمانوں کے حامی تھے۔ ان کا طریق عمل واضح کرتا تھا اور ان کا اسلوب حیات پکار پکار کر کہتا تھا۔

درویش قدامت ہوں ' شرقی ہوں نہ غربی
گھر مرا نہ دلی نہ سفاہاں نہ سمر قند

(قافلہ حدیث ص199)

(16) حکیم عبدالمجید الہ آبادی (م 31 جنوری 1990ء)

مریض کو تسلی دینا اور اس کی پریشانی کو دور کرنا اس سے بہتر طریقے سے گفتگو کرنا اور اس کے دل کو حوصلہ دینا بہت بڑی نیکی اور بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ اور حکیم عبدالمجید صاحب کا یہی معمول تھا۔ حکیم صاحب نے نہایت لگن اور شوق کے ساتھ طب کی خدمت کی۔ دن رات کے کسی حصے میں ان کے پاس مریض آیا' اسے دیکھا' مرض کی کیفیت دریافت کی اور دوا دی۔ حکیم صاحب واعظ' مقرر اور مدرس نہ تھے۔ لیکن کثیر المطالعہ شخص تھے اور معلومات کا دائرہ وسیع تھا اردو ادب سے بھی

لگاؤ تھا اپنے نیک اطوار اور صالحیت آشنا اسلاف کا صحیح نمونہ تھے۔ (قافلہ حدیث ص 407'408'410)

(17) مفتی محمد حسن امرتسری (م یکم جون 1961ء)

(1) حضرت مفتی محمد حسن صاحب دیوبند کے حلقہ اہل علم کے جلیل القدر عالم' اپنے عہد کے ممتاز معلم' صاحب دل اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔

(2) نہایت صالح بہ درجہ غایت مخلص' انتہائی بلند کردار' بہت بڑے عالم اور عظیم المرتبت انسان تھے۔

(3) حضرت مفتی صاحب حضرت الامام مولانا سید عبدالجبار غزنوی (م 25 رمضان المبارک 1331ھ) کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اس لئے ان کے خصوصی تعلقات حضرت الامام رحمہ اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے تھے۔ مولانا سید داؤد غزنوی اکثر حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے اور ان کے ارشادات عالیہ سے مستفیض ہوتے تھے (عراقی)

بھٹی صاحب لکھتے ہیں؛

مفتی صاحب اپنے استاد زادہ مولانا داؤد غزنوی کے بارے میں اپنے حلقہ ارادت میں کہا کرتے تھے"

نہ تم میں سے کوئی میری بات سمجھتا ہے
اور نہ میں کسی کی بات سمجھتا ہوں صرف
مولانا داؤد غزنوی ہیں جو میری بات سمجھتے ہیں
اور جن کی بات میں سمجھتا ہوں" (بزم ارجمنداں ص 301)

(18) خواجہ عبدالحیٔ فاروقی (م 8 جنوری 1965ء)

(1) خواجہ صاحب نہایت مخلص' ایثار پیشہ' ہمدرد اور بے غرض عالم تھے ان پر مالی کمزوری بھی مسلط رہی اور سیاسیات میں قید و بند کا سخت ترین دور بھی آیا۔ لیکن وہ ہر حالت میں صابر و شاکر اور بلند حوصلہ رہے۔ گھبراہٹ' پریشانی اور اضطراب کا کبھی ان کے گزر نہیں ہوا۔ (بزم ارجمنداں ص 453)

(2) خواجہ صاحب کا شمار عہد رفتہ کے ان لوگوں میں ہوتا تھا جو برصغیر کی تاریخ ارض پر چلتی پھرتی

تصویر تھے۔ انہوں نے بڑے بڑے لوگوں کو دیکھا اور ان کی رفاقت وہم نشینی کا شرف حاصل کیا تھا۔ ان کے اندر علم وسیاست کا ایک جہان آباد تھا۔ (صفحہ 455)

(19) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (م 22 ستمبر 1979ء)

(1) بلاشبہ مولانا مودودی نے اپنی جماعت کی بہت خدمت کی' بالخصوص نوجوانوں کو ایک خاص اسلوب میں نظم ونسق کے سانچے میں ڈھالا۔ پھر انہیں پروپیگنڈے کے جس ڈھنگ سے روشناس کرایا۔ اس میں کوئی ان سے برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ (ہفت اقلیم ص 73)

(2) مولانا کے لٹریچر سے بہت لوگ متاثر ہوئے اور ان کے فکر وخیال کی دنیا بدل گئی' نوجوانوں نے اس سے بالخصوص بہت اثر قبول کیا اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں نئی تبدیلیاں آئیں' ان تبدیلیوں میں ناخوشگوار معاملات نے جنم لیا اور کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس لٹریچر سے متاثر طلباء دوسروں کو پریشان کرنے لگے اور دنگا فساد کی فضا پیدا ہوئی۔ (صفحہ 90)

(3) مولانا مودودی نے تصنیف وتالیف میں بڑی شہرت پائی' سیاسی اور اسلامی اعتبار سے ہنگامہ خیز زندگی بسر کی' ان کا انداز تحریر اور اسلوب بیان موثر اور عام فہم تھا اس لئے ان کی تصنیفات کے دائروں نے بے حد وسعت اختیار کی اور کئی زبانوں میں ان کے ترجمے شائع ہوئے نوجوان طبقے کو ان کی تحریروں نے بہت متاثر کیا۔ (صفحہ 131' 132)

(20) مفتی جعفر حسین (م 29 اگست 1983ء)

مفتی جعفر حسین ہر اس کمیٹی میں شامل رہے جو مشترکہ مقاصد کے حصول کی غرض سے ملک کے تمام مکاتب فکر (شیعہ' حنفی' اہلحدیث) سے تعلق رکھنے والے علماء وزعماء پر مشتمل ہوتی۔ ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں اسلامی نظریاتی کونسل سے استعفیٰ دے دیا کیونکہ وہ اس کی کارکردگی سے مطمئن نہیں تھے۔

مفتی صاحب بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ عربی' فارسی اور اردو پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ کبھی کبھی خود بھی عربی میں شعر بھی کہتے تھے لیکن اپنے اشعار کو انہوں نے کہیں محفوظ نہیں کیا۔ (بزم ارجمنداں ص 522' 523' 526)

(21) میاں محمد شفیع (م ش) م (2 ستمبر 1993ء)

میاں محمد شفیع جو م ش کے قلمی نام سے معروف تھے۔ مشہور صحافی اور کالم نویس تھے' اپنے فقہی مسلک کی بات انہوں نے ایک مرتبہ مولانا داؤد غزنوی سے ان الفاظ میں کی کہ

''وہ اہل سنت والجماعت میں بریلوی مکتب فکر کے پیرو ہیں''

اور اس لحاظ سے دیوبندی مکتبہ فکر کے کسی حد تک ناقد ہیں۔

(بزم ارجمنداں ص 530)

میاں محمد شفیع ہر مسلک کے اہل علم کو قابل احترام گردانتے تھے اور عالم دین کے لئے حضرت مولانا کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔ (صفحہ 532)

(22) مولوی شمس الدین (م 11 جنوری 1968ء)

مولوی شمس الدین مسلم مسجد بیرون لوہاری دروازہ پرانی اور نئی کتابوں کی دوکان کرتے تھے۔ بہت شریف النفس' مہمان نواز' با اخلاق اور محبت کرنے والے انسان تھے۔ کتابوں کے حصول کے لئے اہل علم وادب ان کی دوکان پہ چکر لگاتے تھے۔ ان حضرات کے اسمائے گرامی کا احاطہ کرنا ممکن نہیں چند مشہور اساطین فن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

علامہ عبدالعزیز میمن راجکوٹی' سید حسام الدین راشدی' مولانا عطاء اللہ حنیف' مولانا غلام رسول مہر' مولوی ظفر اقبال' شیخ محمد اکرام' رئیس احمد جعفری' ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ' علامہ علاؤالدین صدیقی' سید ابوبکر غزنوی' مولانا محمد حنیف ندوی' شورش کاشمیری' مولانا سید محمد داؤد غزنوی' علامہ حسین میر کاشمیری' ڈاکٹر سید عبداللہ' حفیظ جالندھری' احسان دانش' مولانا کوثر نیازی' مولانا ابوالخیر مودودی' مولوی عبدالخالق قدوسی' مولانا ابویحیٰ امام خاں نوشہروی' مولانا محمد بخش مسلم' مولانا محمد عبدہ' ڈاکٹر وحید قریشی' ممتاز حسن (صدر نیشنل بنک آف پاکستان) مولانا عبدالرحمان طاہر سواتی' حکیم عبدالرحیم اشرف' ڈاکٹر محمد ایوب قادری اور کئی دوسرے حضرات (نقوش عظمت رفتہ ص 629 تا 638)

راقم (عبدالرشید عراقی) بھی اپنے قیام لاہور کے دوران تقریباً ہر روز بعد نماز مغرب ان کی دوکان پر حاضری دیتا تھا۔

چند یادیں چند باتیں

ایک عظیم مؤرخ اہل حدیث

از حافظ ریاض احمد عاقب اثری نزیل مکہ مکرمہ

پیام اجل جب آجائے تو پھر بڑے سے بڑا انسان بھی اس سے بھاگ نہیں سکتا۔ یہ رب ذوالجلال والاکرام کا بنایا ہی نظام ہے۔ اسے کوئی چیلنج نہیں کرسکتا۔ موت ایک حقیقت ہے۔ اس سے کسی کو بھی مفر نہیں لیکن ایک عام انسان کی موت اور ایک عالم کی موت میں بڑا فرق ہے۔ یہ جملہ بڑا مشہور ہے "موت العالم موت العالم"۔ ایک عالم کی موت دنیا جہاں کی موت ہے۔ عالم کی موت کا صدمہ بڑا گہرا صدمہ ہے۔ مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کی وفات کی خبر پڑھ کر بڑا دکھ ہوا۔ ابھی ایک ماہ قبل مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد بھٹی صاحب سے تفصیلی گفتگو ہوئی تھی، وہ بڑے خوش ہوئے تھے اور میری کامیابی کی دعا کرتے رہے۔

وہ تو ایسے عظیم مرتبت عالم و محقق تھے کہ ان کی زندگی میں ہی کئی ریسرچ سکالرز نے اپنے مقالات ان کی شخصیت و خدمات پر تحریر کیے۔ ہمارے صاحب قلم دوست مولانا محمد رمضان یوسف سلفی نے ان پر مستقل کتاب مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی حیات و خدمات تحریر کی۔ جسے ہمارے بھائی مولانا عبدالحنان جانباز نے شاندار انداز میں طبع کرایا۔ خود بھٹی صاحب نے اپنی خودنوشت "گزر گئی گزران" کے نام سے تحریر کی جو 466 صفحات میں کتاب سرائے لاہور سے شائع ہوئی۔

مولانا گرامی جماعت اہل حدیث کے وہ واحد نامور قلم کار، منفرد خاکہ نویس، صاحب طرز ادیب اور عظیم مؤرخ تھے کہ جب سے وہ قلم و قرطاس سے وابستہ ہوئے پیرانہ سالی تک وہ مسلسل لکھتے ہی رہے۔

تقریباً چالیس سے زائد ضخیم کتب ان کے اشہب قلم سے ضبط تحریر ہوئی۔ آپ کی کاوش

زیادہ تر سوانحِ حیات اور خاکہ نگاری پر ہے۔

علاوہ ازیں مولانا صاحب نے پنجاب یونیورسٹی کے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں مختلف موضوعات پر پچاس سے زائد مقالات لکھے۔ ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلی ویژن میں مختلف موضوعات پر تقاریر کیں۔ ہفت روزہ الاعتصام لاہور اور ماہنامہ "المعارف" لاہور کے کافی عرصہ مدیر رہے۔ اپنا اخبار سہ روزہ "منہاج" کے نام سے شروع کیا۔ جو چودہ ماہ جاری رہا۔ اس کے علاوہ درجنوں کتب پر مقدمات اور جماعتی رسائل اور جرائد میں کئی مضامین تحریر کیے۔

مختصر یہ کہ وہ اس دور کے نامور مصنف، صاحب طرز ادیب اور بہترین انشا پرداز تھے۔ ان کی تصنیف کا شہرہ ہندو پاک کے دور دراز علاقوں تک پہنچا۔ ان کی عظمت اور خدمات و مساعی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے مختلف مقامات پر تقاریب منعقد ہوئیں۔ مولانا عارف جاوید محمدی صاحب کی کاوش سے کویت میں 2007ء میں مولانا بھٹی صاحب کے اعزاز میں ایک شاندار تقریب کا انعقاد ہوا۔ جس میں علمائے کرام نے بھٹی صاحب کی خدمات جلیلہ کو خوب سراہا اور ان کی تحریری خدمات کے پیش نظر انھیں "مؤرخ اہل حدیث" کے خطاب سے نوازا گیا۔

واقعی وہ عظیم عالم اور مصنف تھے۔ زمانہ طالب علمی میں راقم ان کی کتب بڑے شوق سے پڑھتا رہا۔ بعد میں مولانا بھٹی صاحب سے ایسا مضبوط تعلق استوار ہوا جو الحمدللہ ان کے آخری ایام تک برقرار رہا۔ میری پہلی ملاقات کا سبب "مولانا عبدالتواب محدث ملتانی" نامی کتاب ہے۔ راقم اس کتاب پر مقدمہ لکھوانے کی غرض سے ان کے دولت خانہ لاہور حاضر ہوا۔ دروازے پر دستک دی تو ایک سادہ سا انسان نمودار ہوا۔

میں نے کہا: مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب سے ملاقات کی غرض سے آیا ہوں۔ فرمانے لگے وہ آپ کے سامنے کھڑا ہے۔ بڑے تپاک سے ملے۔ بیٹھک میں بٹھایا، خاطر تواضع کے بعد کافی دیر حال واحوال دریافت کرتے رہے۔ میرے تحریری کام سے بڑے خوش ہوئے۔ میرے تحریری کام سے بڑے خوش ہوئے۔ بڑے اچھے انداز سے رہنمائی فرمائی اور قلیل مدت میں کتاب پر مقدمہ لکھ کر ارسال کر دیا۔ راقم ان کی سادہ مزاجی، اعلیٰ ظرفی اور مشفقانہ انداز سے بڑا متاثر ہوا اور

یہ تاثر ان کی آخری عمر تک قائم رہا۔

اتنے بڑے مصنف وقلم کار ہونے کے باوجود میں عاجزی انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی وہ کبر وعناد، غیظ وغضب اور غصے سے خالی تھے۔ اپنی بذلہ سنجی اور باغ و بہار طبیعت سے محفل کو کشت زعفران بنا دیتے تھے۔ ان کی یہ عظمت اور بڑا پن تھا کہ ہم جیسے چھوٹوں پر دستِ شفقت رکھے ہوئے تھے۔ جب بھی کوئی میرا مضمون جماعتی مجلّہ میں شائع ہوتا تو فون کر کے حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ وہ چھوٹے بڑے عالم دین کے بڑے قدر دان تھے۔ ان کی کتب اس پر شاہد ہیں ایک سال قبل ملتان شہر سے راقم نے مجلّہ نکالنے کا ارادہ کیا تو سب سے پہلے بھٹی صاحب سے مشورہ کیا، وہ بڑے خوش ہوئے۔ میں نے عرض کیا کہ مجلّہ کا نام بھی بتا دیں۔ فرمانے لگے: منہاج کے نام سے جاری کر لیں۔ راقم نے الحمد للہ المنہاج کے نام سے مجلّہ جاری کیا اور مجلس ادارت میں مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کا نام سرفہرست رکھا۔

بھٹی صاحب ہمارے لیے بڑے مشفق اور محسن ثابت ہوئے انھوں نے راقم کی قدم بقدم راہنمائی فرمائی۔ ان کے کئی خطوط راقم کے پاس موجود ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں۔ وہ ایک عظیم مؤرخ تھے کہ انھوں نے علمائے اہل حدیث کی تاریخ کو گوشہ تنہائی سے نکال کر شہرت دوام بخشی۔ انھوں نے علمائے اہل حدیث کے تراجم میں بخل سے کام نہیں لیا۔ اور ہر ایک کا تذکرہ دلنشین انداز سے کیا ہے۔ ان کی اعلیٰ ظرفی ہے کہ انھوں نے ناچیز کا ایک مستقل مضمون کی صورت میں اپنی کتاب "چمنستان حدیث" میں تحریر کیا۔ وہ ہمیشہ دوسروں کو بھی تذکرہ نگاری پر ابھارا کرتے تھے۔ ان کی ہدایت پر راقم نے کئی علمائے اہل حدیث ملتان کے احوال قلمبند کیے۔ اس عظیم انسان کے بارے میں یادیں اور باتیں تو بہت ہیں، لیکن وقت کی قلت درمیان میں اڑے ہے۔ جو کچھ راقم نے لکھا ہے وہ بلا مبالغہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مولانا بھٹی صاحب کی بشری لغزشات معاف فرما کر انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان اور لواحقین کو صبر وجمیل سے نوازے۔ آمین

مولانا محمد اسحاق بھٹی

چند ملاقاتیں اور چند یادیں

محمد اشرف جاوید

مجھے یاد ہے کہ جناب محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب سے راقم کی با قاعدہ ملاقات جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں دسمبر 1982ء میں ہوئی مفکر اسلام مولانا محمد حنیف ندویؒ اور مولانا بھٹی صاحب جامعہ سلفیہ کی تقریب میں تشریف لائے اس دور میں راقم جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی لائبریری کا انچارج تھا' مکتبہ جامعہ سلفیہ اس دور میں موجودہ دفاتر کی جگہ پر تھا۔

انتظامیہ جامعہ سلفیہ نے میری ڈیوٹی لگائی کہ آپ نے ان دو اہل علم وفضل کی خدمت کرنی ہے۔ میں نے اس کو سعادت سمجھ کر ان کی خدمت کی ان دونوں اہل علم کا قیام مکتبہ میں رہا۔ یہ دونوں صاحب علم وفضل چائے کے بہت شوقین تھے چائے کو اس طرح تیار کیا جاتا رہا کہ تھرمس میں چائے ڈال کر گرم گرم دودھ مع چینی ڈال دیا جاتا۔ چند منٹ کے بعد یہ سب کچھ تحلیل ہو جاتا اور ان کو پیش کی جاتی ان کا سارا دن مکتبہ میں گذرا ان کی ملاقات کو کچھ اہل علم بھی تشریف لائے۔

اور پھر شام کو مفکر اسلام مولانا ندوی صاحب نے لاہور جانا تھا راقم مولانا محمد خالد سیف سابق مترجم اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد ہمراہ مع مولانا کو ریلوے اسٹیشن پر ریل پر سوار کروانے کے لئے گئے وہاں دیر تک مولانا ندوی صاحب سے علمی استفادہ رہا اور شام کو جناب محمد اسحاق صاحب بھٹی اپنے آبائی گاؤں ڈھیسیاں 53ء جڑاں والا تشریف لے گئے۔

یہ ان سے پہلی با قاعدہ ملاقات تھی ان کو صاحب ذوق' لطائف کا بادشاہ اور علماء کے حالات واقعات کا حافظ پایا جناب بھٹی صاحب اس دور میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کلب روڈ لاہور میں علمی کام کرتے تھے۔ جب بھی لاہور جانا ہوتا پھر ضرور ان سے ملاقات ہوتی اور ان کی صحبت سے فیض یافتہ ہوتا۔

ایک دفعہ لاہور ادارہ ثقافت اسلامیہ میں حاضر ہوا تو دونوں صاحب فضل وعلم چائے مع

لوازمات کے ایک میز پر بیٹھے نوش فرما رہے تھے۔ میرے جانے پر انہوں نے ایک چائے کا کپ منگوایا' حضرت ندوی صاحب کی عادت تھی پہلے سوال کرتے دارالعلوم (جامعہ سلفیہ) کا کیا حال ہے' اساتذہ کرام ٹھیک ہیں طلبہ کی تعلیم کیسی ہے' کون کون سے اساتذہ کرام ہیں کیا کیا علوم' پڑھاتے ہیں۔ اس موقعہ پر فقہ کی بات چل نکلی۔

حضرت ندوی صاحب نے فرمایا ہمارے محمد اسحاق بھٹی صاحب نے فقہاء ہند تحریر کی ہے فقہاء کے حالات واقعات کو جمع کر دیا ہے' ان سے پوچھو۔ کیا انہوں نے ان کی فقاہت بھی لکھی ہے' فرمایا فقہاء بہت ہیں فقاہت کم۔

ایک مرتبہ غالباً 1983ء کی بات ہے کہ راقم مفکر اسلام مولانا محمد حنیف ندویؒ کی ملاقات کو ثقافت اسلامیہ لاہور حاضر ہوا۔ حسن اتفاق سے وہاں مولانا محمد اسحاق صاحب بھٹی بھی موجود تھے۔ باتوں باتوں میں مولانا بھٹی صاحب کہنے لگے کہ مولانا ہم تو بوڑھے ہو گئے ہیں۔

مولانا ندوی صاحب نے اس موقعہ پر فرمایا۔ جناب جس انسان میں فکر باقی ہے وہ ہر حالت میں جوان ہے' جس انسان میں فکر باقی نہیں چاہے۔ وہ جوان ہو وہ بوڑھا ہوتا ہے۔ آپ میں تو فکر باقی ہے اور کام کرنے کی صلاحیت بھی ہے لہٰذا آپ بوڑھے نہیں جوان ہیں مولانا نے مزید فرمایا جو قومیں فکر نہیں رکھتی' وہ کبھی زندہ نہیں رہتیں۔

ہمارے ممدوح نے زیادہ تر تحصیل علم مفکر اہل حدیث مولانا عطاء اللہ حنیف سے حاصل کیا تھا۔ مولانا ان کو سفر حضر میں ساتھ رکھتے تھے۔ مولانا نے مزید تعلیم کے لئے ان کو گوجرانوالا میں بھیج دیا وہاں انہوں نے حافظ محمد گوندلوی' شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی سے انتہائی کتب پڑھیں اور ان کے علاوہ ان کے استاذ مولانا ثناء اللہ شیخ الحدیث' ہوشیار پور مفتی جامعہ سلفیہ فیصل آباد بھی تھے۔

تعلیم کے بعد کچھ عرصہ مرکز اسلام لکھوکی میں مدرس رہے۔ اور سیاست پر جا منڈل پیپلز پارٹی' یا عوامی پارٹی کے نام سے جس کے صدر خواجہ عبدالرب ریاست پٹیالہ تھے۔ ریاست فریدکوٹ کے پرجامنڈل کا صدر ذیل سنگھ تھا اور جنرل سیکرٹری قاضی عبیداللہ پھر مولانا محمد اسحاق

بھٹی کو بنایا گیا۔اس تحریک آزادی کی تحریک میں پُر جوش حصہ لیا قید و بند سے بھی دو چار ہوئے۔اور اس تحریک کے دوران بڑے سیاست دانوں سے ملاقات کا موقعہ بھی ملا ان میں سے زیادہ تر مولانا ابوالکلام آزاد امام الہند' سیف الدین کھچلو وغیرہ تھے۔

ملک تقسیم ہو گیا وہاں سے ہجرت کر کے قصور ٹھہرے پھر کچھ قیام کے بعد فیصل آباد (لائل پور) کی طرف ہجرت کی اور ڈھیسیاں جڑاں والا ضلع فیصل آباد میں مستقل ڈیرے ڈال دیئے۔

استاد کا احترام

حضرت بھٹی صاحب اپنے اساتذہ کرام کا نام بہت احترام اور محبت سے لیتے تھے ایک دن ثقافت اسلامیہ لاہور حاضر ہوا تو فرمانے لگے ہوئے میرے ایک استاذ جناب مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری تھے۔نہ جانے کہاں ہیں بہت شفیق استاد تھے ملنے کو جی چاہتا ہے' بقول بھٹی صاحب ایک دن جامعہ سلفیہ کے لائبریرین مولانا محمد اشرف جاوید میرے پاس اس وقت دفتر ثقافت اسلامیہ آئے۔وہ لائبریری کے لئے کچھ کتابیں خریدنا چاہتے تھے ان سے باتوں کا سلسلہ چلا تو انہوں نے بتایا کہ مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری جامعہ سلفیہ میں فرائض تدریس انجام دے رہے ہیں سن کر نہایت مسرت ہوئی میں نے ان کا حلیہ بیان کیا تو کہا بالکل وہی انہوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ از راہ کرم وہ اس فقیر کو بھولے نہیں۔پھر بھٹی صاحب ان کی ملاقات کو جامعہ سلفیہ فیصل آباد حاضر ہوئے۔مولانا ثناء اللہ صاحب ایک چارپائی پر براجمان تھے۔بقول بھٹی صاحب میں ان کی پائنتی پر بیٹھ کر السلام علیکم کہا ان کے ہاتھوں میں ہاتھ دیتے ہوئے عرض کیا آپ کا دیرینہ شاگرد اسحاق بھٹی یہ الفاظ سن کر انہوں نے میری طرف گردن گھمائی اور عینک کے شیشوں کی اوٹ سے دیکھتے ہوئے فرمایا۔اچھا آپ۔چند منٹ باتیں ہوئی اور میں چلا آیا اس کے بعد ان سے ملاقات نہیں ہوسکی۔البتہ اشرف جاوید کی وساطت سے ان کی خیر و خیریت و عافیت کا علم ہوتا رہا۔شعر ان کی شان میں

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میر سے صحبت نہیں رہی ...... (کاروان سلف)

پھران کی وفات پر میں نے جناب بھٹی صاحب سے ذکر کیا۔ بہت رنجیدہ ہوئے دیر تک افسوس کرتے رہے کہا بہت نیک دل صاب علم کامیاب مدرس خاموش طبع انسان تھے۔ایک دفعہ مولانا نے بھٹی صاحب کی تعریف میں فرمایا بہت زیادہ ذہین' سبق کو اخذ کرنے والا تیز اور معاملہ فہم طالب علم تھا۔اور ساتھ یہ لفظ بھی ارشاد فرمائے۔

عادات و خصائل

جناب محترم بھٹی صاحب بہت اچھی خصائل کے مالک تھے۔

1) ان کی عادت تھی ہر صبح ضرور قرآن مجید کی تلاوت ترجمہ والا قرآن مجید سے کرتے تھے ان کو ہر دفعہ دیکھا جب بھی ان کے ہاں ٹھہرنے کا موقع ملا۔

2) انتہائی مودب' صلہ رحمی ان کے رگ و جان میں تھی احباب کا دکھ دیکھ کر اور سن کر تڑپ جاتے اور حتی المقدور اس کا تعاون کرتے۔

مجھے یاد ہے کہ جب میرے بھائی محمد ارشد بن محمد صدیق کی شہادت ہوئی تو انہوں نے تعزیت و تسلی کا خط لکھا۔ اور اسی طرح والد محترم کی وفات پر نماز جنازہ میں کھرڑیانوالہ ضلع فیصل آباد شرکت کی اور تسلی دی ان کے ساتھ عمر فاروق قدوسی مکتبہ قدوسیہ اردو بازار لاہور بھی تھے۔

(3) مہمان نوازی انتہائی مہمان نواز اور دوستوں کے دوست تھے۔

جناب محترم نے ایک دفعہ کہا کہ جس دور میں 88-1989ء "اہل حدیث لاہور" کا ایڈیٹر تھا اتفاق کہ چند علماء کی وفات پر شذرے لکھے حضرت شیخ الحدیث حافظ محمد عبداللہ بڈھی مالوی' (حافظ صاحب راقم کے استاد تھے راقم الحروف نے ان سے دیوان حماسہ عربی پڑھا حضرت کو تقریباً زبانی ہی یاد تھا خود ہی اشعار پڑھتے جاتے اور ترجمہ بھی کرتے جاتے)

بقول بھٹی صاحب جناب جماعت اہل حدیث کے مورخ مولانا عبدالخالق قدوسی۔ مولانا محمد حنیف ندوی وغیرہ پر لکھا ایک دن میری بیوی نے مجھ سے کہا۔ آپ اہل حدیث کی ایڈیٹری چھوڑ دیں میں نے چونک کر کہا آخر کیوں۔؟ پیسے ملتے ہیں۔ بیوی نے کہا۔" جدو دا تو اہل حدیث دا

ایڈیٹر بنیا دائیں توں بندے ای ماری جاندا ایں'' پھر جناب بہت ہنسے۔

ایک دفعہ راقم ان کی ملاقات کو حاضر ہوا۔ دیر تک کچھ علماء اہل حدیث پر گفتگو ہوتی رہی۔ پھر کہا آپ نے میری لائبریری دیکھی ہی نہیں آپ وہاں قیام کریں اوپر کی منزل پر خود آئے لائبریری کا دروازہ خود کھولا۔ یہ آپ کا بستر' پھر کہا۔ بیت الخلا۔ دکھایا اور ہاں بلب جلایا پھر بند کر دیا اگر رات کو ضرورت ہو تو۔ آخر یہ بات کہتے ہوئے نیچے اترے کہ اب آپ جانے اور آپ کا کام'

مرکزی جمعیت اہل حدیث کا قیام

قیام پاکستان کے بعد بطل حریت علامہ سید محمد داؤد غزنوی۔ امام انقلاب مولانا محمد اسمعیل سلفیؒ' مفکر اہل حدیث' مولانا عطاء اللہ حنیف وغیرہ نے غور وفکر کے بعد جماعت اہل حدیث کے قیام کا فیصلہ کیا۔

اس کا با قاعدہ اجلاس ہوا

اس کے اولین صدر سید داؤد غزنوی' اور ناظم اعلیٰ مولانا عبدالقیوم صاحب ایم اے مقرر ہوئے اور ناظم مالیات میاں عبدالمجید تھے۔

ناظم دفتر

اس جماعت کے قیام کے بعد مرکزی دفتر کے لئے ہونہار صاحب ذوق ومفکر حالات واقعات سے باخبر عالم کی ضرورت تھی۔ مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب مرحوم کی غور وفکر کے بعد نظر انتخاب جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی پر ٹھہری۔ حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف ان کو لینے ان کے گھر جڑاں والا ڈھیسیاں تشریف لائے۔ اور ہمارے ممدوح دوسرے دن ان کی خدمت میں لاہور شیش محل روڈ پہنچے۔ مولانا غزنوی صاحب کے انٹرویو کے بعد انکو مرکزی دفتر کا ناظم مقرر کیا گیا۔ واقعی انہوں نے اپنی خداداد صلاحیت کے ساتھ ان بزرگوں کے حسن انتخاب کو سچ کر دکھایا' بقول شاعر

حسن جہاں ہوتا ہے جس حال میں ہوتا ہے
اہل دل کے لئے سرمایہ جان ہوتا ہے

الاعتصام کا اجراء

مولانا عطاء اللہ حنیف نے کوشش بسیار کے بعد ہفت روزہ الاعتصام کا ڈیکلیریشن حاصل کر لیا اس کی باقاعدہ اشاعت 19 اگست 1949ء گوجرانوالہ سے ہوئی اس کے مدیر مفکر اسلام مولانا محمد حنیف ندوی مقرر ہوئے۔

چار پانچ ماہ کے بعد مولانا محمد اسحاق بھٹی کو الاعتصام کا مدیر معاون بھی مقرر کر دیا گیا اس طرح میری اور بھی ذمہ داری بڑھ گئی' جناب ممدوح نے ابتدائی دور میں شخصیات پر بہت کچھ لکھا اور بہت سے اہل علم کے تراجم لکھے' جس پر اس وقت کے پرچے شاہد ہیں۔

پھر حالات نے پلٹا کھایا کہ مولانا محمد حنیف ندوی' ثقافت اسلامیہ لاہور سے منسلک ہو گئے اب جناب ممدوح ہفت روزہ الاعتصام کے ایڈیٹر ہو گئے اور یہ سلسلہ 1965ء تک جاری رہا۔ اس طویل مدت میں جماعت اہل حدیث کا ہر طرح دفاع کیا جماعت اسلامی کا فکر نظر کی بھی خوب خبر لی اور دیگر کی بھی۔ جس کسی نے بھی جماعت کے خلاف کچھ لکھا اس کا نقد جواب دیا۔"

ادارہ ثقافت اسلامیہ ہمارے ممدوح باقاعدہ 1965ء کو اس ادارہ سے منسلک ہو گئے ہفت روزہ الاعتصام کے دور میں ان کی شہرت جماعتی حلقوں سے نکل کر دور دور تک پھیل گئی تھی ان کے قلم اشہب نے اپنا لوہا منوا لیا تھا ان کے مضامین کو اس وقت کے اخبار' مثلاً (امروز روزنامہ) جگہ دیتا تھا اور قارئین مشتاق رہتے تھے۔

فہرست ابن ندیم

اس کتاب کی حیثیت انسائکلوپیڈیا کی سی ہے' حضرت ممدوح نے اس کا ترجمہ اور حواشی حضرت مولانا محمد حنیف ندویؒ کی زیر نگرانی لکھے کتاب ادارہ ثقافت اسلامیہ سے طبع ہوئی تو اہل علم نے اس ترجمہ و حواشی کی تحسین کی۔ اس طرح اس کتاب سے ہمارے ممدوح کی شہرت وعلمیت کو چار چاند لگ گئے۔

فقہاء ہند

اس موضوع پر شاید یہ اول کتاب ہے' حضرت بھٹی صاحب نے بہت محنت و اشتیاق سے اس کو مرتب کیا۔ یہ کتاب بھی ثقافت اسلامیہ لاہور سے مطبوع ہے' اب اس کو کتاب سرائے

نے طبع کر دیا ہے۔ مجھے انہوں نے کئی دفعہ کہا کہ میں اس کتاب میں کچھ مزید اضافہ کرنا چاہتا ہوں مگر وقت ساتھ نہیں دیتا بہت کام اور ہیں۔ یہ ان کی تمنا پوری نہ ہو سکی اب اسی طرح یہ بغیر کسی اضافہ کے مطبوعہ ہے مگر اس کتاب کے مقدمے تاریخی لحاظ سے قابل دید و قراۃ ہیں ان سے ان کے علم و تاریخ سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔"

جناب محترم بہت اچھے انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب مترجم بھی تھے۔ فہرست ابن ندیم ان کی لیاقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جیسا کہ فہرست ابن ندیم سے ان کی اردو قالب میں کتاب کو ڈھالنے کا اندازہ ہوتا ہے۔

ریاض الصالحین مترجم مطبوع

ایک دفعہ راقم ان کی کتاب خرید کرنے کے لئے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور گیا کتاب خرید کی اور واپسی پر کلب روڈ سے پیدل ہم دونوں باتیں کرتے کرتے انار کلی تک پہنچے۔

ایڈیٹر

جناب محترم ہفت روزہ الاعتصام کے ایڈیٹر۔ بہت کچھ لکھا' ہفتہ روزہ اہل حدیث لاہور 1988-89ء تک ایڈیٹر رہے۔ ماہ نامہ المعارف' لاہور

سہ روزہ منہاج لاہور شیش محل روڈ) 21 جنوری 1958ء کو جناب محترم نے جاری کیا۔

بسم اللہ مجرھا و مرسھا۔ لکھتے ہیں کہ آج 21 جنوری ہے آج سے ہم اپنے وعدہ کے مطابق جماعت اہل حدیث کی تاریخ میں اس کے پہلے سہ روزہ اخبار منہاج کا باقاعدہ اجراء کر رہے ہیں۔

2) اپنی بساط کے مطابق کتاب وسنت کی نشر و اشاعت کریں۔

3) منہاج کا نصب العین جماعت اہل حدیث کا نصب العین ہوگا اور اس کی پالیسی جمعیت اہل حدیث پالیسی ہوگی۔

4) ملک کی سیاسی جماعتوں میں منہاج کی کسی جماعت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھے گا وہ ہر جماعت کی اچھی بات کی تائید اور ہر غلط بات پر تنقید کرے گا۔

میرے سامنے اس اخبار کے 66 پرچے ہیں جو 28 نومبر 1958ء جلد 1 تک ہیں امکان ہے کہ اس سے زیادہ بھی ہوں

ہفت روزہ توحید

مدیر مسؤل و محرر خصوصی محمد داؤد غزنوی' بطل حریت تحریک آزادی ہند کے عظیم سالار سید محمد داؤد غزنوی نے ایک ہفت روزہ اخبار ''توحید'' امرتسر سے جاری کیا۔

اجراء 27 رمضان 1345ھ یکم اپریل 1927ء مقام کوچہ غزنویہ امرتسر'

اس کی پیشانی پر یہ آیت کریمہ لکھی تھی۔ لاتھنو ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مومنین (القرآن)

شمارہ ایک پر صفحہ اول پر یہ لکھا تھا۔ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطانا نصیرا'' یہ سولہ صفحات پر ہوتا تھا' چند سال کے بعد یہ وسیع اخبار بند ہو گیا' قیام پاکستان کے بعد ان کے نامور بیٹے سید ابوبکر غزنوی سابق ناظم اعلیٰ مرکزی جمعیت اہل حدیث' وائس چانسلر بہاول پور یونی ورسٹی نے دوبارہ جاری کیا۔

توحید لاہور۔ نگران سید ابوبکر غزنوی۔ مدیر محمد اسحاق بھٹی' اجراء 30 جولائی 1965ء شمارہ نمبر 1 بیادگار حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ' یہ اخبار ہفت روزہ تھا۔''

تقریباً دو سال کے قریب زندگی گزار کر بند ہو گیا'' جناب بھٹی صاحب نے اس بات کو تحدیث نعمت کے طور پر کئی دفعہ کہا کہ جماعت اہل حدیث کے نامور عالم فکر اہل حدیث کے عظیم ترجمان مولانا محمد اسماعیل سلفی گوجراں والا ایک صاحب قلم عالم دین تھے۔ ان کے قلم کی کاٹ قابل تحسین ہوتی تھی۔ بھٹی صاحب نے کہا مولانا کا مضمون ہفت روزہ الاعتصام میں طباعت کے لئے آتا تھا۔ میں اگر کسی جگہ کوئی جملہ کاٹ دیتا مولانا ناراض نہ ہوتے تھے۔ بلکہ مجھ پر اعتماد کرتے تھے۔

ہمارے ممدوح نے مجھے یہ بات کئی دفعہ کہی کہ مولانا مودودی بانی جماعت اسلامی نے کہا تھا کہ جماعت اہل حدیث میں اسحاق و حنیف نامی اہل علم بہت ہیں۔

مثلاً شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق صاحب چیمہ' بانی ادارہ علوم اثریہ فیصل آباد' سابق ناظم جامعہ سلفیہ

فیصل آباد' شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق خائف پتوکی۔ نامور خطیب و مدرس' عبوری ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان محمد اسحاق حنیف' ایڈیٹر مبلغ امر تسر' ناظم طبع وتالیف۔ مرکزی جمعیت اہل حدیث

مولانا محمد اسحاق بھٹی' ایڈیٹر ہفت روزہ اہل حدیث والاعتصام لاہور' مصنف کتب کثیرہ۔

نقوش عظمت رفتہ

ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے بعد ان کی کتب میں سے اولاً نقوش عظمت رفتہ مکتبہ قدوسیہ لاہور سے طبع ہوئی۔ راقم عزیزم ابوبکر قدوسی کے ساتھ جناب بھٹی صاحب کے گھر گیا۔ اور معاملات طے پائے۔

کتاب طبع ہوئی تو جلد ہی ختم ہوگئی اور اس کتاب نے ان کے مقام ومرتبہ علم وفضل میں بہت اضافہ کیا میں نے ایک دفعہ ان سے کہا مکتبہ قدوسیہ لاہور نے آپ کی کتاب طبع کی آپ کو شہرت دی یہ قدوسیہ کا آپ پر احسان ہے کہا واقعہ یوں ہی ہے میں ان کا دلی شکر گذار ہوں میں نے مزید کہا ثقافت اسلامیہ میں آپ نے جو کچھ لکھا وہ ایک طرف اور ''نقوش عظمت رفتہ'' کے بعد آپ کا علمی تصنیفی کام بہت وقعت رکھتا ہے اس کے بعد آپ نے رجال پر ایک انبار لگا دیا۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو لکھنے کے لئے ہی پیدا کیا تھا۔

کاروان سلف

ایک دفعہ فیصل آباد تشریف لائے کہنے لگے میرا دل چاہتا ہے کہ میری کوئی کتاب فیصل آباد سے طبع ہو کیونکہ میرا علاقہ ہے ان ایام میں ''کاروان سلف'' پر کام شروع ہو گیا تھا تو مکتبہ اسلامیہ کے مدیر جناب عزیزم محمد سرور فاضل جامعہ سلفیہ فیصل آباد نے ان کی کتاب کی طباعت کا ذمہ اٹھالیا اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ کتاب کی اشاعت ہوئی۔ جب کتاب طبع ہو کر بازار میں آئی تو ملاقات میں کہا۔ میری دلی تمنا پوری ہوگئی۔ اور بہت زیادہ خوش وخرم تھے۔ اور فرمایا میں اہل فیصل آباد کا ممنون ہوں۔

لسان القرآن

مولانا محمد حنیف ندوی صاحب نے دو جلدیں ''لسان القرآن'' لکھی اور طبع ثقافت اسلامیہ لاہور سے ہوئیں تیسری جلد پر کام جاری تھا کہ موت نے ان کو آلیا۔ اس کتاب کی تکمیل جناب بھٹی صاحب نے کی۔

میاں فضل حق

میاں فضل حق مرکزی جمعیت کے ناظم اعلیٰ اور جامعہ سلفیہ کے رئیس تھے بلکہ جماعت اہل حدیث کے حاتم طائی تھے ان کی وفات کے بعد ان کی اولاد نے ان پر جناب بھٹی صاحب سے کتاب لکھوائی اس کتاب میں جماعت کی تاریخ بہت آ گئی ہے جب وہ کتاب لکھ رہے تھے تو جناب نے حکم دیا کہ جامعہ سلفیہ کمیٹی کے ارکان کے نام۔ اساتذہ کرام کے اسماء' مکتبہ کے انچارج کون کون رہے ہیں اور کتب کی تعداد لکھ کر بھیجوں میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام احوال وکوائف لکھ بھیجے تھے ملنے پر فون پر شکریہ ادا کیا۔

حضرت مولانا محمد ابراھیم میر سیالکوٹی

ملک وملت کے نامور عالم۔ مناظر' مدرس' مفسر قرآن' مورخ وسیرت نگار حضرت مولانا محمد ابراہیم تھے۔ قاضی محمد اسلم سیف نے ان پر ہی مختلف مضامین کو جمع کر کے کتاب مرتب کی' اس میں جناب بھٹی صاحب کا بھی مضمون ہے مجھے کہا کہ مولانا پر آپ کے پاس جو واقعات ہیں مجھے بھجوا دیں یا آ کر بیان کر دو۔ میں نے حاضر ہو کر بیان کر دیئے۔ انہوں نے راقم کے حوالہ کے ساتھ مضمون میں نقل کر دیئے۔

مولانا غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ...... مولانا بھٹی صاحب نے ایک کتاب مرتب کی جو مطبوع ہے جب وہ کتاب لکھ رہے تھے۔ تو انہوں نے مجھے فون پر کہا کہ کچھ ان کے واقعات لکھ بھیجو میں نے کچھ واقعات لکھ کر بھیج دیئے اور کتاب کے طبع ہونے پر مجھے یہ کتاب جناب ملک عصمت اللہ صاحب نے عنایت کی میں ان کا مشکور ہوں......

صوفی محمد عبد اللہ' ماموں کانجن

اس کتاب کے لکھنے کی تحریک جناب محترم مولانا عبدالقادر ندوی صاحب نے کی اصل یوں ہے کہ وہ جب بھی مکتبہ دارارقم فیصل آباد کتابوں کی خرید کے لئے تشریف لاتے راقم ان کو توجہ دلاتا کہ اب تو بہت سے لوگ زندہ ہیں جن کے پاس صوفی صاحب کے واقعات ہیں' آخر وہ تیار ہوتے اور جناب بھٹی صاحب کو انہوں نے لکھنے کا کہا انہوں نے کتاب لکھ کر جناب مولانا

عبدالقادر ندوی صاحب کو دیکھنے کے لئے دی۔

مجھے یاد ہے کہ مولانا بھٹی صاحب فیصل آباد تشریف لائے مرحوم علی ارشد کی سواری پر ہم ماموں کانجن گئے۔ بھٹی صاحب نے ملاقات میں مولانا ندوی صاحب سے کہا کتاب دکھا دیں۔ مولانا نے کہا وہ تو مجھ سے گم ہوگئی ہے۔ یہ جملہ سن کر جناب بھٹی صاحب بہت حیران پریشان ہوئے۔ اور انتہائی غصہ میں تھے۔ مگر ادب کا پہلو سامنے رکھتے ہوئے کچھ نہ کہہ سکے۔

میں ایک دفعہ ماموں کانجن گیا وہاں کچھ لوگوں سے مل کر واقعات لکھ دیئے اور ان کو بذریعہ ڈاک ارسال کر دیئے تھے ملنے پر ان کا شکریہ کا خط ملا اور انہوں نے میرے حوالہ سے کئی واقعات اپنی کتاب صوفی محمد عبداللہ میں لکھ دیئے۔ میں ان کا شکر گذار ہوں اور کتاب کے آخر میں لکھا۔ ''جن لائق احترام دوستوں نے حضرت صوفی صاحب کی قبولیت دعا کے واقعات از راہ کرم تحریری صورت میں مجھے ارسال فرمائے۔ ان میں مولانا محمد عائش اور مولانا محمد اشرف جاوید کے تحریر کردہ واقعات سب سے زیادہ ہیں میں ان سب حضرات کا پہلے بھی شکریہ ادا کر چکا ہوں اب بھی کرتا ہوں۔'' (صوفی عبداللہ صفحہ-408)

ایک دن میں ان کی ملاقات کو سانده گیا دیکھ کر بہت خوش ہوئے کھانا ان کے ساتھ کھایا پھر چائے کا دور چلا کہنے لگے میں دو تین دن سے آپ کو یاد کر رہا تھا میں نے آپ کے لئے دو چیزیں نکال رکھی ہیں صرف آپ ہی کو دینی ہیں۔

1) سہ روزہ منہاج لاہور' یہ ان کا اپنا ذاتی پرچہ تھا۔ یہ فائل اگرچہ ناقص ہے مگر تاریخی ہے۔

2) اور انہوں نے مجھے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی حیات۔ سیتارام کوہلی۔ طبع 1931ء

دونوں علمی تحفے دیئے۔ دیتے وقت وہ سر کو حرکت اور ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے۔ جاؤ لے جاؤ'' میں نے ان دونوں کو شکریہ کے ساتھ وصول کیا۔ اور اپنے پاس بطور نشانی رکھا ہوا ہے۔

یہ سینہ میں تا زندگانی رہے گا
تیرا داغ دل میں نشانی رہے گا

ایک زمانہ میں مرکزی جمعیت اہل حدیث نے لاہور مرکزی دفتر 106 راوی روڈ میں

علماء کرام کا انٹرویو وفاق المدارس سلفیہ کے سلسلہ میں لیا انٹرویو لینے والوں میں جناب محمد اسحاق صاحب بھٹی بھی تھے اس میں راقم بھی شامل ہوا۔ میرا نٹرویوانہوں نے لیتے ہوئے سوال کیا۔

طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ومسلمۃ؛ اس حدیث کا کیا حکم۔ عرض کیا علی کل مسلم تک حدیث صحیح ہے اور مسلمۃ کے الفاظ مدرج ہیں۔ تو کہا جاؤ ٹھیک ہے۔

جماعت اہل حدیث کا ذہبی

ہندوستان کی تاریخ میں بہت سے حضرات نے علماء کے تراجم لکھے مثلاً تذکرہ مصاء ھند مـاثـرالـکـرام نـزھۃ الـخـواطـر وغیرہ لکھی گئیں ان کے علاوہ اور بھی بہت لوگوں نے رجال ٗ شخصیات پر لکھا جو قابل تحسین ہے مگر ہمارے ممدوح جناب بھٹی صاحب نے اس فن میں کمال ہی کر ڈالا۔ جناب بھٹی صاحب کا کام سارے کا سارہ اردو زبان میں ہے۔

رجال اہل حدیث اور تاریخ اہل حدیث پر استاذی ڈاکٹر المکرّم ڈاکٹر جناب محمد سلیمان اظہر ایم اے گولڈ میڈلسٹ پنجاب یونی ورسٹی نے تاریخ اہل حدیث پر 10 دس جلدوں میں لکھنے کا پروگرام مرتب کیا۔ جب کہ چھ جلدیں منصۂ شہور پر آ گئیں ہیں باقی پر کام جاری ہے۔ اور انہوں نے تاریخ ختم نبوت پر بائیس جلدیں اہل علم کی نظر کر دی ہیں جبکہ کوئی دس جلدوں کا مواد نٹ پر موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمات کوئی کم نہیں۔ مگر بھٹی صاحب کا کام زیادہ تر تخلیقی ہے۔

جناب محترم مولانا بھٹی صاحب الاعتصام کے زمانے ہی سے رجال اہل حدیث وغیرہ پر لکھا کرتے تھے۔ پاک وہند کے نامور مورخ ایڈیٹر صحافی' مترجم جناب محترم مولانا غلام رسول مہر رحمہ اللہ۔ نے مولانا بشیر صاحب بن مولانا رحیم بخشؒ لاہوری کی تحریک پر جماعت مجاہدین لکھی' جو سید احمد شہید 2 جلد' جماعت مجاہدین' سرگذشت مجاہدین' 1857' اور 1857 کے مجاہدین پر مشتمل ہے بعض جگہ پر خصوصاً سرگذشت مجاہدین میں مولانا مہر مرحوم نے جناب بھٹی صاحب سے بھی مدد لی۔ اور انہوں نے انہی کے نام سے لکھا ہے۔

اور اسی طرح جب کوئی طالب علم' خصوصاً ایم اے' ایم فل' یا پی ایچ ڈی کا آتا تو ان سے دل کھول کر علمی تعاون فرماتے۔ مجھے یاد ہے ایک طالب علم ایم اے کا مقالہ جناب قاضی محمد

سلیمان صاحب سلمان منصوری صاحب کی رحمۃ اللعالمین پر لکھ رہا تھا۔ اس دور میں راقم نے بھی جناب قاضی صاحب کے متعلق مواد جمع کرنا شروع کیا تھا۔ وہ طالب علم ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے راقم کی طرف بھیج دیا۔ طالب علم جامعہ سلفیہ فیصل آباد آیا اور اس نے اپنا مدعا ظاہر کیا اور ساتھ بھٹی صاحب کا حوالہ بھی دیا راقم نے ان سے جس قدر ہوسکا مواد۔ اور بعض حوالہ جات کی نشان دہی کردی۔

مورخ اہل حدیث

جناب محترم کو مورخ اہل حدیث کے القاب وخطاب سے نوازا گیا ہے ہماری جماعت میں اس موضوع پر جناب محترم مولانا امام خاں نوشہروی نے تراجم علماء حدیث ہند کے نام سے کام کیا اور مطبوع ہے اس کو خشت اول کہنا چاہیے اس کتاب کی جلد اول دوبارہ سہ بارہ طبع ہو چکی ہے اس کا حصہ دوئم غالباً جناب ضیاء اللہ کھوکھر گوجراں والا کے پاس موجود ہے اللہ کرے کہ اس کی طباعت کی کوئی سبیل نکل آئے۔

جناب بھٹی صاحب نے بہت کچھ لکھا۔ اس کے باوجود ان کو اعتراف تھا کہ بقول بھٹی صاحب اس موضوع کی تحریر میں مجھ سے غلطیاں بھی ہوئیں ہوں گی۔ کہیں لغزش فہم کا ارتقاب بھی ہوا ہوگا۔ کسی واقع کو سمجھنے میں ٹھوکر بھی کھائی ہوگی اور کوئی اہم بات کرنے سے رہ بھی گئی ہوگی۔

لکھنے والا مبرہ عن الخطا نہیں ہوسکتا اس لئے میں اپنی کسی بات کو حرف آخر نہیں سمجھتا بس زیادہ سے زیادہ یہی عرض کرسکتا ہوں کہ میں نے تحریری خدمت کرنے کی کچھ کوشش کی ہے اور اپنی ہمت سے کرتا رہا ہوں۔ (گذر گئی گذران صفحہ 446)

جناب محترم بھٹی صاحب مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کے مرکزی دفتر کے اولین ناظم تھے۔ آپ کو جماعت کے ذمہ دار احباب حسن نظر سے دیکھتے تھے اور آپ کو رائے کو اہمیت اور اچھا مقام دیتے تھے۔

مرکزی جمعیت اہل حدیث ایک دور میں دو گروپوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے کرم و فضل سے پھر دونوں جماعتیں ایک ہوگئیں۔ واقعہ یوں کہ مرکزی جمعیت اہل حدیث اور جمعیت اہل حدیث کے نمائندے 4 اکتوبر 1988ء کو حاجی عطاء اللہ صاحب کے مکان واقع شاہ جمال لاہور میں جمع ہوئے۔ اور جماعتی اتحاد کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی اس مجلس میں مندرجہ ذیل حضرات نے شرکت کی۔

(۱) مولانا معین الدین لکھوی' (۲) مولانا محمد عبداللہ گوجراں والا' (3) پروفیسر ساجد میر' (4) میاں فضل حق' (5) مولانا محمد اسحاق چیمہ' (6) پروفیسر محمد یحیٰی' (7) حاجی عطاء اللہ' (8) حافظ محمد عبداللہ شیخوپوری' (9) ڈاکٹر عبدالغفار حلیم (10) مولانا محمد حنیف (11) مولانا محمد اسحاق بھٹی

ان علماء کے غور و خوض کے بعد جماعت کا اتحاد ہو گیا اس میں بھٹی صاحب کی شرکت بھی تھی جس سے ان کے قد کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا جماعت میں کیا مرتبہ و مقام تھا۔

ہمارے ممدوح مورخ اہل حدیث نے پوری زندگی دن' رات لکھا بلکہ ہر اخبار'' مجلّہ'' اور روزنامہ ماہ نامہ او ہفت روزہ میں پوری شان و شوکت و ذمہ داری سے تحریر کیا۔

پاکستان کے معروف صحافی جناب مجیب الرحمٰن شامی (ہفت روزہ زندگی) اور روزنامہ پاکستان) کے مالک کی خواہش پر ماہ نامہ قومی ڈائجسٹ پر ایک مضامین کا سلسلہ شروع کیا جو بہت ہی پسند کیا گیا' پاک و ہند کی معروف و مشہور شخصیات پر تھا جب سلسلہ شروع ہوا تو ادارتی نوٹ جو لکھا گیا وہ حضرت کی تعریف میں تھا۔ وہ یہ تھا۔

بھارت کے سابق صدر گیانی ذیل سنگھ جی کے بارے میں زیر نظر مضمون ان کے بچپن اور جوانی کے دوست جناب محمد اسحاق بھٹی نے تحریر کیا ہے۔

اگر چہ مرزا فرحت اللہ بیگ' پطرس' رشید احمد صدیقی اور محمد طفیل نقوش شہرت رکھتے ہیں لیکن۔ آج آپ گیانی جی ذیل سنگھ کا یہ خاکہ پڑھیں اور پھر فیصلہ کریں کہ محمد اسحاق بھٹی کا نام خاکہ نگاروں کی فہرست میں کس مقام پر آتا ہے۔؟؟؟؟؟ یہ مضمون اب نقوش عظمت رفتہ میں پڑھا جاسکتا ہے۔ پھر آپ نے قومی ڈائجسٹ میں بڑے بڑے اہل علم خطیب و سیاست

دانوں کے خاکے لکھے...... میں تو کہتا ہوں کہ آپ خاکہ نگاری کے بادشاہ تھے۔''ان کے سامنے کسی کا چراغ نہ جل سکا۔''

حضرت کے کثیر تعداد مضامین وکتب کی بنا پر ایک ملاقات میں جناب علامہ مولانا ارشاد الحق اثری نے فرمایا کہ اگر ان کے مضامین کو یک جا کر دیا جائے تو ایک انبار لگ جائے۔ بقول مولانا زبیدی' محمد اسحاق بھٹی ہماری جماعت کے امام ذہبی ہیں۔

راقم الحروف کی کتب کی خرید کے سلسلہ میں اکثر لاہور آمد و رفت رہتی تھی اردو بازار میں مکتبہ عالیہ سبحانی اکیڈمی لاہور کے قریب تھا اس کے مالک جناب محمد جمیل صاحب ذوق اور اقبال اکیڈمی کے ممبر تھے۔

مکتبہ عالیہ نے بہت سی علمی کتب کی اشاعت کی۔ ہم نے بھی ان سے بہت سی کتب جامعہ سلفیہ فیصل آباد کے لئے خریدیں ایک دن کہنے لگے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں۔

میں نے کہا راقم جامعہ سلفیہ فیصل آباد مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان کی ایک علمی دانش گاہ ہے وہاں کا مدیر مکتبہ ہوں انہوں نے کہا کہ اس کا کچھ تعارف' راقم نے اس کا محل وقوع اور اساتذہ کرام کا تعارف کرواتے ہوئے کہا وہاں شیخ الجامعہ مفسر قرآن مولانا محمد عبدہ صاحب الفلاح ہیں نام سن کر بہت خوش ہوئے اور کہا واقعتہ وہ بڑے عالم و فاضل عالم دین ہیں انہوں نے مفسرات القرآن امام راغب اصفہانی کا ترجمہ کر کے اہل علم سے تحسین حاصل کی ہے۔

پھر کہا کہ وہاں مولانا پروفیسر غلام احمد حریری' ایم اے' مترجم و مصنف کتب کثیر بھی استاذ ہیں کہا خوب! پھر تو وہ واقعتہ بڑا علمی ادارہ ہوگا۔

پھر کہا وہاں ایک اور بھی اہل علم مدرس ہیں جن کا نام مولانا مفتی ثناء اللہ صاحب ہیں جو محمد اسحاق بھٹی صاحب کے استاذی المکرّم ہیں یہ نام سن کر کہا ایسے علمی ادارہ کو تو دیکھنا چاہیے۔ پروگرام کے باوجود وہ جامعہ سلفیہ نہ آسکے۔ تو مقصد یہ کہ بھٹی صاحب علمی دنیا میں معروف ومشہور

تھے۔ لوگ ان کے نام سے متعارف تھے۔

جناب محترم کی پوری زندگی لکھنے پڑھنے میں گذری آخری ایام میں ان کو ہر طبقہ سے عزت افزائی اور تحسین ملی بلکہ کویت' مرکزی جمعیت اہل حدیث لاہور وغیرہ سے ان کو شیلڈز ملیں' جن کا ذکر ان کی کتاب ''گذر گئی گذران'' میں۔ ایک تقریب ان کے اعزاز میں بین الاقوامی شہرت یافتہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں ہوئی۔

یہ تقریب سعید 3 مئی 2015ء میں منعقد ہوئی ان کو شیخ الحدیث حافظ عبدالعزیز علوی' حافظ مسعود عالم' شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ' مولانا یٰسین ظفر' محقق زمان مولانا ارشاد الحق اثری' اور مولانا محمد یوسف انور' نائب امیر مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان نے ان کی علمی خدمات اور تحریر اور کتب رجال پر ان کی خدمات کی مدح سرائی کی۔ اور جواباً بھٹی صاحب نے جامعہ سلفیہ کا شکریہ ادا کیا۔ جامعہ سلفیہ کے احباب کی محبت دیکھ کر ان کی آنکھیں وفور مسرت سے نم ہو گئیں تھیں جامعہ سلفیہ کی طرف سے جماعتی تصنیفی خدمات پر شیلڈ اور ایک لاکھ روپے نقد دیئے گئے اور محترم محمد اسحاق صاحب بھٹی کو پورے اعزاز و اکرام اور ادب کے ساتھ رخصت کیا گیا۔

ہمارے ممدوح آخری ایام میں خاندان غزنویہ پر مفصل کتاب تحریر کا آغاز کر چکے تھے جب اس کی خبر جناب محترم حافظ احمد شاکر صاحب مدیر مسؤل ہفت روزہ الاعتصام کو ہوئی تو جناب محترم سے کہا یہ کتاب ہمارے آدارہ سے طبع ہوگی ان شاء اللہ انہوں نے حامی بھر لی۔

چند دن بیمار رہ کر کتب کثیرہ کا مولف' علم و دانش کا بادشاہ علم رجال پاک و ہند کا خوشہ چین تحریر کا سلطان القلم' ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دے گیا انا للہ وانا الیہ راجعون اولا نماز جنازہ لاہور ناصر باغ میں اور پھر ان کے آبائی گاؤں ڈھیسیاں میں حافظ مسعود عالم صاحب نے پڑھائی ملک کے نامور اہل علم نے ان کے جنازہ میں شرکت کی۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

پروفیسر ابوحمزہ سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ منکیرہ ضلع بھکر

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ وقت بہار آخر شد

22دسمبر 2015ء بروز منگل صبح سویرے عزیزم حافظ عمار فاروق السعیدی سلمہ اللہ نے بذریعہ میسج اطلاع دی کہ ذہبی دوران' مؤرخ ومحسن اہل حدیث' سیدی ومولائی مولانا محمد اسحاق بھٹی اللہ کریم کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے دارفانی سے کوچ کر گئے۔(انا للہ وانا الیہ راجعون) خبر پڑھتے ہی ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطیٰ وکل شئی عندہ لا جل مسمی کے الفاظ زبان پر جاری ہو گئے۔ آنکھیں نم اور دل از حد رنجیدہ ہو گیا

راقم کا آں محترم کے ساتھ ارادت مندانہ اور عقیدت مندانہ تعلق تھا۔آپ کا ہمارے والدگرامی مولانا ابوسعید عبدالعزیز السعیدی رحمہ اللہ کے ساتھ طویل عرصے گہرا تعلق رہا۔اور آپ نے ''کاروان سلف''میں بڑی تفصیل سے محبت کے ساتھ ان کا تذکرہ فرمایا۔

اسی نسبت کی وجہ سے میرے ساتھ بھی حد درجہ محبت وشفقت فرماتے میرا جب بھی لاہور جانا ہوتا۔میں آپ کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا۔

آپ خوشی کا اظہار فرماتے اور تاکید بھی کرتے کہ لاہور آؤ تو مل کر جایا کرو۔ساتھ ہی میری مصروفیات اور دیگر برادران کے متعلق بھی دریافت فرماتے۔اسی محبت کی وجہ سے آپ نے اپنی دو کتابوں میں میرا تفصیلی تعارف کرایا اور ایک کتاب میں برادر گرامی مولانا عمر فاروق

السعیدی حفظہ اللہ کا تذکرہ بھی شامل فرمایا۔ جزاہ اللہ خیرًا

آں مرحوم بلاشبہ ایک عظیم دانش ور، عظیم مفکر، بہت بڑے عالم دین، مشہور مصنف، اور مؤرخ، ازحد متواضع، اہل علم کے قدر دان اور حد درجہ منکسر المزاج تھے۔

آپ یقیناً گلشن اہل حدیث کا گل سرسبد تھے۔ آج آپ کی وفات پر پوری جماعت دل گرفتہ اور غمگین ورنجیدہ ہے۔ آپ مدح وستائش سے بے نیاز ہوکر اپنے انداز میں جماعت کے اسلاف، معاصرین اور اصاغر کی تاریخ مرتب کرتے رہے۔ اور آپ نے کبھی بھی کسی سے صلہ و ستائش کی امید نہ رکھی۔

بزرگوں کے احوال مرتب کرنا اور ان کی تاریخ لکھنا آسان ہے مگر معاصرین اور خود سے کم عمر کے لوگوں کو اہمیت دینا، ان کا تذکرہ اور ان کی خوبیوں اور خدمات کا اعتراف کرنا اکثریت کے لئے ناقابل ہضم ہوتا ہے مگر آں موصوف نے کھلے دل سے نہ صرف اپنے معاصرین بلکہ اپنے سے کم عمر لوگوں کی خدمات کا بھرپور طریقے سے اعتراف کیا اور قارئین کو ان سے بخوبی متعارف کرایا۔ اپنی مصروفیات کے باوجود آپ ہر شخص کو اس کے خط کا جواب ضرور دیتے۔

آپ کی تصنیف ''تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری'' اور ''سوانح صوفی محمد عبداللہ'' پڑھنے کے بعد راقم نے آپ کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کیا تو آپ نے وہ عریضہ من وعن ہفت روزہ الاعتصام کے 22 اگست 2008ء کے شمارے میں شائع کرادیا۔

آپ ماشاءاللہ ظریف الطبع اور ظرافت پسند تھے۔ اور اگر کوئی آدمی ظرافت کی بات کرتا تو خوب لطف اندوز ہوتے۔ بھٹی صاحب مرحوم نے تذکرہ قاضی محمد سلیمان منصور پوری میں ایک مقام پر قاضی صاحب کے کچھ اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا کہ

میں نے تو مکھی پر مکھی مارنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم نہیں ساری مکھیاں مرگئیں یا ان کے مرنے میں کوئی کسر رہ گئی ہے۔''

اس جملے کے پس منظر میں میں نے اس خط میں لکھا کہ آپ کے اس جملے پر خوب ہنسی آئی۔

آپ کو داد دی بلکہ میں تو کہوں گا کہ آپ نے پوری کتاب میں ہی کھیاں ماری ہیں اور کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑا۔

تو آپ نے اس پر کسی خفگی کا نہ تو اظہار فرمایا اور نہ اسے قلم زد کیا بلکہ پورا مکتوب من و عن شائع فرمایا۔ یہ آپ کی کمال برداشت ہے۔

بندہ ناچیز آپ کے متعلق کچھ لکھنے کی استعداد نہیں رکھتا۔ عالی قدر اہل علم وقلم آپ کے متعلق تفصیل سے لکھیں گے۔ آپ کی زندگی میں جن لوگوں نے آپ کی علمی خدمات کا اعتراف کیا۔ ان میں سے بعض تحریروں کو 'مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی' کے زیر عنوان مولانا محمد رمضان سلفی یوسف حفظہ اللہ نے جمع کر دیا۔ اور مکتبہ رحمانیہ سیال کوٹ سے انہیں خوب صورت انداز میں شائع کیا ہے۔ اللہ کریم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

خلاصہ یہ کہ محترم مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ بہت ہی عظیم شخصیت تھے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے۔ اور انہیں نبیین' صدیقین' شہداء اور صالحین کا ساتھ نصیب فرمائے۔ اور ان کے پس ماندگان اور پوری جماعت کو صبر جمیل اور ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

محترم پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ تعالیٰ کے نام بھٹی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب

عزیز القدر پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مکتوب گرامی۔ بہت بہت شکریہ۔ کمپوزنگ (یا پروف ریڈنگ) کی غلطی سے صرف ایک جگہ آپ کو "سید" لکھا گیا یعنی آل رسول بنا دیا گیا ہے۔ لیکن میرے بعض مہربان میرے نام پر باقاعدگی سے "ڈاکٹر" "السید" کا لفظ لکھتے ہیں

اور آگے ''بھٹی'' بھی تحریر فرماتے ہیں۔ یعنی میں دنیا کا واحد آدمی ہوں جو ان حضرات کے نزدیک سید بھی ہوں اور بھٹی بھی...... رہی یہ بات کہ قرآن مجید کی ایک خدمت جو آپ نے نہیں کی اور وہ آپ کی طرف منسوب ہوگئی ہے۔ تو یہ بھی کوئی بری بات نہیں۔ اچھا کام ہی آپ کی طرف منسوب ہوا ہے۔ غلط کام تو نہیں ہوا۔

اس سلسلے میں آپ نے جو معلومات ارسال کی تھیں' انہی کو سمجھنے میں مجھے غلط فہمی یا خوش فہمی ہوئی ہے۔ بہر حال جو ''فہمی'' بھی ہوئی ہے۔ وہ خیر کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ الحمد للہ کہ اس میں برائی کا کوئی عنصر شامل نہیں ہے۔

آپ کی طرف تو میں نے کسی ''فہمی'' کی بنا پر یہ کام منسوب کیا ہے۔ یہاں ایسے اہل حدیث حضرات بھی ہیں جو دوسروں کا پورا مضمون اپنی طرف منسوب فرما لیتے ہیں اور بڑے دھڑلے سے اس پر اپنا نام لکھتے ہیں اور اپنی جماعت کے اخباروں میں چھپواتے ہیں۔ اس کی تفصیل کی طرف پھر کبھی اشارہ کروں گا۔ ان شاء اللہ۔ میں نے ''برصغیر کے اہل حدیث خدام قرآن'' میں 155 حضرات کا تذکرہ کیا ہے جن میں سے متعدد حضرات بحمد اللہ جسماً زندہ ہیں مگر اخلاقاً اور ذہناً مردہ ہیں۔ ان میں سے کسی نے مجھے خط نہیں لکھا۔ آپ واحد آدمی ہیں جن کا خط آیا ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جس نے کوئی اچھا کام کیا ہو اس کا ذکر کیا جائے یا اس کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ یہ جماعت مردوں کی جماعت ہے جن کی خدمت میں ہم مصروف ہیں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

اخلاص کیش

محمد اسحاق بھٹی

17-08-06

مولانا عبدالرشید ضیاء ناظم تبلیغ مرکزیہ ضلع فیصل آباد

محسن جماعت
مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

مؤرخ اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر لوگ لکھیں گے اور ہر انداز سے لکھا جائے گا میرے خیال میں انہوں نے اپنی کتب میں بذات خود اپنے حالات' واقعات اس انداز سے سمو دیئے ہیں کہ مزید لکھنے کی گنجائش نہیں۔ وہ جس کسی شخصیت کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ اپنے حالات بھی بیان کرتے جاتے ہیں۔ نیز ''گزر گئی گزران'' میں انہوں نے اپنی سوانح عمری تفصیلات کے ساتھ بیان کردی ہیں لہٰذا ان باتوں کا بار بار تذکرہ تحصیل حاصل ہوگا۔ میں ان کا تذکرہ ''چند ملاقاتوں اور یادوں تک'' بیان کرنا چاہتا ہوں۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کا نام سب سے پہلے محترم قاضی محمد اسلم سیف' فیروز پوری رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا تھا۔ اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ تحریر میں وہ میرے استاد تھے کہ جب میں نے پہلا مضمون لکھا۔ انہوں نے ہر اعتبار سے اس کی قطع و برید کی اور عنوان تک بدل ڈالا میں زمانہ طالب علمی میں حضرت قاضی مرحوم کے پاس ان کے مضامین اور دیگر کتب کی املا کیا کرتا تھا اور جن دنوں بھٹی صاحب کی کتاب الفہرست ابن ندیم کا ترجمہ شائع ہوا۔ تو قاضی صاحب نے یہ کتاب اپنے دستخط کے ساتھ مجھے عنایت فرمائی۔ اور وہ کتاب اب تک میرے پاس ہے۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً ان کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ مولانا شاہد اقبال ظہیر جن کا تعلق ڈھیسیاں سے ہے۔ انہوں نے ایک مرتبہ بتایا کہ میں گاؤں گیا ہوا تھا اور مغرب کی نماز سے پہلے لوگ نوافل ادا کر رہے تھے۔ اچانک ہمارے گاؤں میں مولانا محمد اسحٰق بھٹی تشریف لائے تو اس موقعہ پر ان سے ملاقات اور گفتگو ہوئی۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی صاحب ہیں جو بہت بڑے مصنف اور مؤرخ ہیں ان کی زبان سے بھی

میں نے مولانا اسحٰق بھٹی صاحب کا نام سنا۔ لیکن ابھی تک ان کی زیارت سے محروم ہی رہا۔

اکتوبر 1993ء میں قاضی ریاض قدیر سابق صدر اہل حدیث یوتھ فورس پاکستان کی شادی کے موقع پر مولانا اسحٰق بھٹی صاحب تشریف لائے تو پہلی مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ اور یہ ملاقات صرف دعاء سلام اور زیارت تک محدود رہی۔ اس کے بعد ان کے مضامین مختلف رسائل میں پڑھنے کا موقع ملتا رہا اس سے دس سال بعد 6 مئی 2003ء بروز منگل دوسری ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مرکز الدعوۃ السلفیہ کے شیخ الحدیث استاد محترم مولانا عبداللہ امجد چھتوی حفظہ اللہ اور ناظم مولانا عتیق اللہ سلفی کی معیت میں چک نمبر 53 گ ب ڈھیسیاں جانے کا اتفاق ہوا۔ مغرب کی نماز کے بعد استاد محترم حضرت چھتوی صاحب نے جامع مسجد میں سورہ ''والعصر'' کی تفسیر بیان فرمائی اور بڑا عالمانہ فاضلانہ درس ارشاد فرمایا۔ سامعین میں مولانا اسحٰق بھٹی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ اور بڑے شوق سے انہوں نے درس سماعت فرمایا اور اس کے بعد جب ملاقات میں انکشاف ہوا کہ یہ مولانا اسحٰق بھٹی صاحب ہیں۔ تو میں دیکھ کر حیران رہ گیا کیونکہ اب ماشاءاللہ مولانا اسحٰق بھٹی صاحب نے پوری داڑھی رکھی ہوئی تھی۔ کافی لمبی مجلس ہوئی اور دیر تک مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔

پھر اگلے دن 7 مئی 2003ء بروز بدھ کو جامعہ سلفیہ فیصل آباد کی تعمیر ثانی کی تقریب تھی۔ اس موقع پر بہت سے اکابر اور علماء کرام تشریف فرما تھے۔ جن میں مولانا معین الدین لکھویؒ، مولانا محمد عبداللہ گورداس پوری اور مولانا محمد حسین شیخوپوریؒ سمیت بہت سے علماء کرام کے خطابات تھے اس تقریب میں مولانا محمد اسحاق بھٹی کو بطور خاص مدعو کیا گیا تھا اور معلوم ہوا کہ وہ اس تقریب میں شرکت کیلئے رات اپنے گاؤں تشریف لائے تھے۔ بہر حال اس مرتبہ بھی کافی باتیں ہوئیں اور کچھ باہمی تعارف ہوا۔

اسی طرح ایک مرتبہ جب مولانا عبدالحیی انصاری حفظہ اللہ نے فیصل آباد میں مکتبہ قدوسیہ کی شاخ کھولی تو اس کی تقریب میں حضرت بھٹی صاحب تشریف لائے اس وقت بھی ملاقات ہوئی' ایک دو مرتبہ ستیانہ بنگلہ اور چک 36 گ ب میں ملاقات کا شرف نصیب ہوا

اب یہ ملاقاتیں باقاعدہ دوستی میں بدل چکی تھیں۔ حافظ شعیب بھٹی حفظہ اللہ مدرس مرکز ستیانہ کی اہلیہ جب بیمار ہوئیں اس وقت بھی بھٹی صاحب ستیانہ بنگلہ تشریف لائے اور مجھے آپ کی ضیافت کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ جب کبھی بھی حضرت بھٹی صاحب کی کوئی نئی کتاب آتی تو بڑے شوق سے مطالعہ کیا جاتا دوست احباب کو اطلاع دی جاتی سب ساتھی ان کی کتب کا مطالعہ کرتے اور ان کے اقتباسات اور لطیفوں سے محظوظ ہوتے۔

استاد محترم فضیلۃ الشیخ مولانا عبدالخالق مدنی حفظہ اللہ جب کبھی کویت سے پاکستان تشریف لاتے تو ان کے ساتھ لاہور میں بھٹی صاحب سے ملاقات کا ضرور موقع مل جاتا ہے۔ اور وہ مجھے فرماتے آپ تو آجایا کرو۔ عبدالخالق صاحب تو سال کے بعد تشریف لاتے ہیں آپ نے بھی سال بعد ہی ملنا ہوتا ہے میں تدریسی' مصروفیات کی وجہ سے وقت نہ نکال سکتا تھا۔ ہم جب بھی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوتے تو آپ بڑے تپاک سے ملتے۔ ضیافت کرتے اور صبح کے ناشتہ میں بطور خاص ''حلوہ'' بنواتے اور فرماتے کہ میرے مہمان آئے ہیں۔ میں نے آپ کیلئے اسپیشل (کڑاہ) حلوہ تیار کروایا ہے۔ 18 فروری 2009ء کو ہم جب شیخ عبدالخالق مدنی حفظہ اللہ صاحب کو الوداع کہنے لاہور گئے تو آپ کے پاس حاضری دی تو آپ نے مٹن کی یخنی کے ساتھ ضیافت فرمائی۔

میں نے ایک مرتبہ الاعتصام میں فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مضمون لکھا اس کے بعد ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے۔ آپ مسائل پر لکھا کریں۔ شخصیات پر تو لوگ لکھتے ہی رہتے ہیں میں نے وعدہ کیا ان شاءاللہ ضرور لکھنے کی کوشش کیا کروں گا۔

چند سال پہلے قاری صہیب میر محمدی نے پھولنگر میں مولانا اسحٰق بھٹی صاحب کے ساتھ ایک مجلس کا پروگرام بنایا۔ میں بھی الشیخ عبدالخالق مدنی صاحب حفظہ اللہ کی معیت میں حاضر ہوا۔ اور آپ وہاں سے ہمارے ساتھ مہنتانوالہ تحصیل دیپالپور تشریف لائے اور پورے راستے بھرپور مجلس رہی۔

اس مرتبہ فضیلۃ الشیخ عبدالخالق مدنی صاحب پاکستان تشریف لائے۔ تو دو تین مرتبہ ملاقات کا پروگرام بنایا گیا۔ میری وساطت سے وقت طے کیا گیا لیکن کسی ایمرجنسی کی وجہ سے ملاقات نہ ہوسکی اور عبدالخالق مدنی صاحب واپسی جاتے ہوئے جب ان سے ملے تو فرمایا کہ عبدالرشید کو ساتھ کیوں نہیں لے کر آئے۔ انہوں نے فرمایا کہ انہیں کوئی مصروفیت تھی۔ اس لئے نہیں آئے اس کے بعد مجھے فون کیا اور فرمایا کہ آپ کیوں تشریف نہ لائے۔ اب آپ کب آؤ گے؟

میں نے جلد ملاقات کرنے کا وعدہ کرلیا۔

حسن اتفاق سے گذشتہ نومبر کے مہینے میں دو مرتبہ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ ایک مرتبہ مورخہ 5 نومبر 2015ء بروز جمعرات لاہور جانے کا اتفاق ہوا۔ میاں منیر بھٹی امیر مرکزی جمعیت تحصیل جڑانوالہ کی معیت میں ملاقات ہوئی میرا بڑا بیٹا عکاشہ رشید بھی ساتھ تھا۔

اس مجلس میں کافی باتیں ہوئیں میں نے عرض کیا ہم نے چناب نگر (ربوہ) ضلع چنیوٹ میں ایک کنال جگہ خریدی ہے میری خواہش ہے کہ آپ وہاں تشریف لائیں اور دعا کریں خوش طبعی کرتے ہوئے فرمانے لگے۔ مجھ سے دعا نہ ہی کروائیں تو بہتر ہے کہیں دعا الٹی ہی نہ پڑ جائے۔

مجھے پیغام دیا کہ مولانا عبدالخالق مدنی صاحب سے رابطہ کریں کہ وہ ''بوستان حدیث'' پر مقدمہ لکھ دیں۔

مجھے فرمانے لگے کہ ہندوستان میں آپ کے بزرگ کس جگہ رہتے تھے میں نے عرض کیا کھپیانوالہ ضلع فیروز پور تحصیل مکتسر میں۔ بڑے خوش ہوئے میں نے کہا کہ ''دبستان حدیث'' میں میرے حالات کے تحت اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور میں نے حافظ عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ آف ساہیوال سے بھی اس کے متعلق دریافت کیا تھا۔ تو انہوں نے فرمایا تھا واقعی آپ کے والد ہمارے گاؤں میں رہتے تھے۔ بلکہ ہمارے پڑوسی تھے اس کے بعد ہم آخری ملاقات کی طرف آتے ہیں۔

مورخہ 26 نومبر 2015ء بروز جمعرات ہمارے مرکز ستیانہ کے طالب علم عبداللہ جاوید کے والد محترم جاوید بھٹی صاحب کی معیت میں آپ سے ملاقات ہوئی اور یہ ملاقات تقریباً دو گھنٹے جاری رہی۔ بڑی محبت سے ملے۔ ناشتہ کا پوچھا میں نے کہا ناشتہ تو کرلیا ہے۔ سعید بھٹی صاحب کو چائے کا آرڈر دے دیا۔ کہ جلدی چائے لائیں اس موقع پر بہت ساری باتیں ہوئیں انہوں نے فرمایا میں نے جماعت اہل حدیث کی تاریخ مرتب کر دی ہے۔ آئندہ مؤرخ اس سے مستفید ہوتا رہے گا پاس ہی چند اوراق پڑے تھے میں نے دریافت کیا کہ آپ کیا لکھ رہے ہیں۔ فرمانے لگے یہ میں نے آپ کے استاد مولانا محمد علی حامد کے بارہ میں مضمون لکھنا ہے۔ اور آپ نے الاعتصام میں جو اپنے استاد محترم کے بارے میں مضمون لکھا تھا۔ وہ مضمون میرے لئے ماخذ ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت صاحب ہم نے ماخذ کیا بننا ہے۔ ہم تو آپ کے مضامین اور کتب پڑھ کر چار حرف لکھ لیتے ہیں۔ فرمانے لگے حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ یہ مضمون نہ لکھتے تو مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ کہ مولانا محمد علی حامد اتنے پڑھے ہوئے ہیں۔ یہ تو بہتر ہوا کہ آپ نے ان سے حالات پوچھ لیے۔ انہوں نے بتلا دیئے ورنہ مجھے کیسے معلوم ہوتا۔ میں نے اپنے انداز سے ان پر مضمون ''بوستان حدیث'' میں لکھ دیا ہے اور آپ کے مضمون سے پہلے ان کے متعلق مولانا حسن سعید صاحب ناظم تقویۃ الاسلام لاہور کا مضمون آیا تھا۔ میں نے ان سے کہا تھا۔ کہ مضمون اس طرح ہونا چاہئے جس طرح عبدالرشید ضیاء نے لکھا ہے۔

میں نے عرض کیا حضرت آپ اصلاح فرمائیں تا کہ آئندہ اس کے مطابق مضمون لکھا جائے۔ فرمانے لگے میں نے کیا اصلاح کرنی ہے۔ اور ٹالنا شروع کر دیا۔ میں نے جب زور دے کر عرض کیا کہ آپ ضرور راہنمائی فرمائیں مجھے آپ کی اصلاح کی ضرورت ہے تو عمومی انداز میں فرمانے لگے کہ جب بھی کوئی مضمون لکھا جائے تو اس کو بار بار پڑھنا چاہئے کیونکہ قاری مضمون نگار کا مضمون پڑھ کر تاثر قائم کرتا ہے۔ اگر ہم غلطی کریں گے یا نظر ثانی

نہیں کریں گے تو قاری ہمارے متعلق اچھی رائے نہیں رکھے گا۔ فرمانے لگے۔ مولانا ابوالکلام آزاد جب لکھتے تھے تو دوبارہ پڑھتے تو سطروں کی سطریں کاٹ دیتے پیرے تبدیل کر دیتے۔ محی الدین قصوری صاحب نے فرمایا کہ جمعہ کے دن اخبار چھپنا ہوتا تھا ہم روزانہ اصرار کرتے۔ فرماتے ابھی لکھ دونگا' جمعرات بھی آ جاتی تو بالکل خاموش۔ جب مضمون لکھنے بیٹھتے تو ہم نے دو صفحہ کی جگہ چھوڑی ہوتی ہے۔ اور مضمون چار صفحات کا برآمد ہو۔ چکا ہے یہ مرحلہ ہمارے لئے بڑا مشکل ہوتا تھا کہ اب کس طرح چار صفحات کی گنجائش نکالی جائے۔ بعض اوقات مضمون کی کتابت ہو چکی ہوتی۔ تو آ ڈر آ جاتا کہ فلاں فلاں فقرہ اس طرح لکھا جائے اور اس پیرائے کو ختم کرایا جائے بعض اوقات تو پریس میں جانے کے بعد تبدیل کرنا پڑتی تھی۔

اس ملاقات میں فرمانے لگے دینی مدارس کو اس بات کا اہتمام کرنا چاہئے کہ جو مدرس ان کے ہاں تشریف لاتے ہیں اس کے ضروری کوائف کا ریکارڈ رکھیں۔ اب مولانا محمد علی حامد جو کہ ماموں کانجن شیخ الحدیث تھے۔ لیکن ان کے مدرسے میں صرف ان کے رجسٹر حاضری پر آمد اور رفت کے اوقات تو مل جائیں گے لیکن ان کے حالات آپ کو نہیں ملیں گے مجھے پروفیسر عبدالقیوم صاحب کے حالات کے متعلق معلومات کی ضرورت تھی۔ ان کی اولاد کے پاس معلومات نہیں تھیں۔ مجھے معلوم ہوا کہ فلاں کالج میں پڑھاتے رہے ہیں میں نے ایک آدمی کو بھیجا وہاں سے مطلوبہ معلومات مل گئیں اسی طرح تمام مدارس والوں کو اپنے ہر استاد کے کوائف درج کرنے چاہئیں کہ اس نے کس کس اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی۔ کہاں کہاں پڑھتے رہے کہاں کہاں تدریس و خطابت کے فرائض درانجام دیتے رہے۔ اور کہاں علمی کام کیا۔ اس پر تمام منتظمین مدارس کو توجہ دینی چاہئے۔

نیز بھٹی صاحب نے فرمایا کہ میں اکیلا ہی تمام علماءِ ذی احتشام سے رابطہ کرتا ہوں خود خط لکھتا ہوں۔ خود ہی ٹیلیفون کرتا ہوں۔ آپ اندازہ کریں ہندوستان کے ایک مذہبی سکالر

حبیب الرحمان حفظہ اللہ اعظمی صاحب سے سعودیہ میں میری ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ میں حدیث نبوی کے متعلق ایک انسائیکلوپیڈیا لکھ رہا ہوں اور وہ اب آخری مراحل میں ہے جس میں تمام احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔

کچھ عرصہ بعد میں نے ان سے رابطہ کیا کہ وہ کام کہاں تک پہنچا ہے۔ میں نے سعودیہ فون کیا تو فون ان کے بیٹے نے اٹھایا اور فرمایا وہ تو انڈیا گئے ہوئے ہیں تو میں نے ان سے انڈیا کا رابطہ نمبر حاصل کیا۔ اور وہاں رابطہ کیا انہوں نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیسے ڈھونڈ لیا۔ میں نے کہا جس کو ڈھونڈ نا ہو اس کو ڈھونڈا ہی جا سکتا ہے آپ اندازہ لگائیں کہ یہ بات معلوم کرنے کیلئے میں نے 1400 سے 1500 روپے صرف فون پر خرچ کر دیئے۔

نیز مجھے بھٹی صاحب نے فرمایا کہ آپ اپنے جامعہ کے تمام اساتذہ کے حالات زندگی لکھیں سب سے پہلے اپنے حالات لکھیں اس کے بعد بڑے استاد مولانا عبداللہ امجد صاحب حفظہ اللہ کے اس کے بعد مولانا عتیق اللہ صاحب کے پھر اس کے بعد حافظ شعیب صاحب وغیرہ سب کے حالات لکھیں۔

اس موقع پر پھر فرمایا کہ عبدالخالق مدنی صاحب سے کویت رابطہ کریں کہ وہ ''بوستان حدیث'' پر مقدمہ لکھ دیں۔ میں نے گھر آ کر مولانا عبدالخالق مدنی صاحب سے رابطہ کیا انہیں بھٹی صاحب کا سلام پہنچایا۔ اور ان کی خواہش کا ذکر کیا شیخ صاحب نے فرمایا کہ میں ایک کلاس کا امتحان لے رہا ہوں ان شاء اللہ وہ مقدمہ لکھ کر بھیج دوں گا۔

اس آخری ملاقات کے موقع پر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے میرے ہاتھوں کو پکڑے رکھا اور فرمانے لگے آپ ابھی نہ جائیں۔ دوپہر کا کھانا کھا کر جانا میرے ساتھی نے دفتر جانا تھا۔ مجبوراً اٹھنا پڑا نہ میرا دل کرتا تھا اور نہ ہی بھٹی صاحب چاہتے تھے میں نے وعدہ کیا ان شاء اللہ دوبارہ حاضری دوں گا لیکن یہ ان سے آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ خود چل کر الوداع کرنے باہر تشریف لائے میں نے کہا کہ آپ تشریف رکھیں فرمانے لگے نہیں میں آپ کو الوداع کرتا ہوں

دروازے سے باہر آ کر معانقہ کیا۔ اور جب تک ہم نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئے۔ اس وقت تک کھڑے دیکھتے رہے۔ اب ان کا چہرہ اسی طرح سامنے ہے کہ وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں اور ہم ان سے جدا ہو رہے ہیں۔

22 دسمبر بروز منگل فجر کی نماز کے بعد حافظ عبدالخالق عتیق بن مولانا عتیق اللہ صاحب نے فون پر یہ اندوہناک خبر سنائی کہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب ہم کو داغ مفارقت دے گئے ہیں مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا میں نے کہا یہ کب اور کیسے ہوا؟ فرمانے لگے میں رات سے ان کے گاؤں ڈھیسیاں میں ہوں ادھر اطلاع آئی ہے میں نے تصدیق کرنے کیلئے ان کے بھائی محترم سعید احمد بھٹی صاحب سے رابطہ کیا ان کا نمبر مسلسل مصروف جا رہا تھا بالآخر رابطہ ہونے پر انہوں نے اس خبر کی تصدیق کر دی۔ میں نے دوست احباب کو اس خبر کی اطلاع کر دی۔ فیصل آباد سے محترم فضیلۃ الشیخ مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی مدرس جامعہ سلفیہ نے بھی وفات کی خبر دی' ان کے بعد محترم جناب محمد رمضان یوسف صاحب نے بھی اطلاع دی میں نے بھی جنازے کے متعلق معلومات حاصل کر کے درج ذیل میسج تیار کیا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ وبعد!

مؤرخ اہل حدیث محسن جماعت مخدومنا مولانا محمد اسحاق بھٹی قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون نماز جنازہ 2 بجے ناصر باغ لاہور میں اور بعد نماز عشاء چک نمبر 53 گ ب ڈھیسیاں نزد جڑانوالہ ادا کی جائے گی۔ ان شاء اللہ...... شریک غم۔ عبدالرشید ضیاء بعد ازاں پروفیسر عتیق امجد صاحب اور قاری عبدالباسط صاحب کی معیت میں پہلے لاہور ان کے جنازے میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اس کے بعد محترم بھائی منیر احمد بھٹی امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث تحصیل جڑانوالہ کی معیت میں ان کے گاؤں ڈھیسیاں میں بعد از نماز عشاء دوسرے جنازے میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔

(اللھم اغفرله ' وارحمه وارفع درجته فی المھدیّن)

ایک عظیم مورخ کا انتقال

علامہ ابتسام الٰہی ظہیر

ہر شخص نے ایک دن موت کا جام ضرور پینا ہے' لیکن بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اپنی گفتار وکردار کے انمٹ نقوش رہتی دنیا تک چھوڑ جاتی ہیں۔ انہی میں سے ایک یادگار شخصیت مولانا اسحاق بھٹی مرحوم کی بھی تھی۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب گو اس وقت ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن وہ اپنی تحریروں کے ذریعے اپنی ذہانت وفطانت اور کارکردگی کا احساس ہمیشہ دلاتے رہیں گے۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب کے ساتھ میرے تعلقات ہمیشہ خوشگوار رہے' اور جب بھی بھٹی صاحب سے ملاقات ہوتی' بھرپور ہوتی۔ والد مرحوم علامہ احسان الٰہی ظہیر کے انتقال کے وقت میری عمر فقط پندرہ سال تھی اور جن لوگوں نے میرے ساتھ انتہائی شفقت ومحبت والا برتاؤ اور رویہ رکھا ان میں اسحاق بھٹی صاحب بھی شامل تھے۔ آپ مجھ سے کبھی ایک نوعمر طالب علم کی حیثیت سے نہیں ملتے تھے بلکہ بڑے ہی بھرپور انداز سے میرے کاندھے تھپکتے اور میری حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ والد کی عدم موجودگی میں اس طرح کا مشفقانہ رویہ انسان میں آگے بڑھنے کا عزم پیدا کرتا ہے میں جوں جوں تعلیمی مدارج طے کرتا رہا' اسحاق بھٹی صاحب کی گرم جوشی میں اضافہ ہوتا رہا۔ وہ میری تعلیمی کامیابیوں پر ایک قریبی رشتہ دار والا رویہ اپناتے تھے اور ان کی شفقت اور فراخ دلی کے سبب میں انہیں انتہائی قریب محسوس کرتا تھا۔ اپریل 2004ء میں' میں نے مینار پاکستان کے احاطے میں ایک پروگرام کا انعقاد کیا۔ جس میں بہت سے اہل علم کے ساتھ ساتھ مولانا اسحاق بھٹی صاحب بھی شریک ہوئے۔ انہوں نے اس پروگرام کے فوراً بعد میری حوصلہ افزائی کے لئے ایک کالم تحریر کیا جسے پڑھ کر میں ان کی فیاضی کا مزید معترف ہو گیا میں نے آج سے پانچ برس قبل ماہ رمضان المبارک میں ایک قومی اخبار میں قرآن مجید کا خلاصہ تحریر کیا۔ اور اسی سال پاکستان ٹیلی ویژن پر خلاصہ قرآن بھی بیان کیا۔ اس سے قبل میں یہ کام باقاعدگی سے فقط

اپنی مسجد میں کیا کرتا تھا۔ایک بڑے پلیٹ فارم پر قرآن مجید کا خلاصہ بیان کرنا' یا تحریر کرنا میرے لئے بہت بڑے اعزاز کی بات تھی' اور میں اللہ تعالیٰ کی اس عنایت پر اس کا حد سے زیادہ شکر گزار تھا۔شکر گزاری کے ان لمحات میں جن بزرگوں نے میری بہت زیادہ حوصلہ افزائی کی ان میں اسحاق بھٹی صاحب بھی شامل تھے۔آپ نے نہ صرف یہ کہ زبان سے میری حوصلہ افزائی فرمائی' بلکہ آپ نے مفسرین قرآن پر اپنے مضامین میں مجھ ناچیز کو بھی جگہ دی۔میں نے اسحاق بھٹی صاحب کے ہمراہ کچھ سفر بھی کئے' اور ان کو انتہائی خوش طبع انسان پایا۔عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی طبیعت میں تھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے' لیکن علم' تجربے اور مشاہدے کی وسعت کے سبب بھٹی صاحب میں ہمہ وقت تازگی' خوشگواری اور شگفتگی برقرار رہی۔بھٹی صاحب کے ہمراہ ہونے والے سفروں کے دوران میں نے اس بات کا اندازہ لگایا کہ آپ صرف قلم کار ہی نہیں' بلکہ ایک بھرپور قسم کے مجلسی انسان بھی ہیں۔آپ علمی نکات بڑے ہی احسن انداز میں بیان کرتے۔ایک مرتبہ ان سے جادو کی حقیقت کے موضوع پر گفتگو ہوئی' تو انہوں نے اس حوالے سے بہت تفصیل سے اپنا موقف بیان کیا اس وقت میں نے محسوس کیا کہ بھٹی صاحب ایک مورخ ہی نہیں بلکہ قرآن مجید کی تفسیر اور احادیث نبوی شریف ﷺ پر بھی گہری نگاہ رکھنے والے معتبر عالم دین ہیں۔مولانا اسحاق بھٹی صاحب کو برصغیر کے نامور علماء کے ہمراہ وقت گزارنے کا موقع ملا تھا' اس لئے وہ ان کے واقعات اور خیالات کو نہایت شرح وبسط سے بیان کرتے تھے۔ان کا بیان کرنے کا انداز نہایت دلچسپ اور لطیف ہوتا تھا۔انسان ان کی سحر انگیز شخصیت اور مسحور کن گفتگو میں کھو جاتا اور اسے یوں محسوس ہوتا کہ وہ خود ماضی میں چلا گیا ہے' اور ان تمام واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔اسحاق بھٹی صاحب کے تعلقات صرف علماء اور مذہبی اداروں کے ساتھ ہی نہیں تھے' بلکہ برصغیر پاک وہند کی بہت سی سرکردہ شخصیات کے ساتھ بھی آپ کے ذاتی مراسم تھے۔ان کے تعلقات کا دائرہ نظریاتی اور مذہبی اختلافات کے باوجود انتہائی وسیع نظر آتا تھا۔انڈیا کے سابق صدر گیانی ذیل سنگھ ان کے ذاتی دوستوں میں شامل تھے۔ان وسیع مراسم کے باوجود ان کی شخصیت میں تواضع اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی' اور انسان ان کی مجلس میں بیٹھ کر یہ محسوس نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنے عہد کے اتنے بڑے انسان کے ساتھ بیٹھا ہوا

ہے۔مولانا اسحاق بھٹی صاحب کی زندگی میں کسی بھی قسم کے تکلفات نہیں تھے۔سادہ لباس زیب تن کرتے اور مجلس میں ایک عام شخص کی حیثیت سے تشریف فرما ہوتے لیکن جب بحث وتمحیص اور گفتگو میں حصہ لیتے تو پوری مجلس کی زینت بن جاتے تھے۔اسحاق بھٹی صاحب نے بہت زیادہ محنت والی زندگی گزاری۔متوسط طبقے سے تعلق رکھنے کے سبب اخبار اور رسائل میں اداریہ اور کالم نگاری کا سلسلہ مشن کے ساتھ ساتھ پیشہ وارانہ ضروریات کے تحت بھی انجام دیتے رہے' تاہم ایک مستقل مصنف کی حیثیت سے منظر عام پر آنے کے لئے ان کے پاس مطلوبہ وسائل موجود نہ تھے آج سے تقریباً پندرہ برس قبل برادر ابوبکر قدوسی نے ان کی حوصلہ افزائی کی۔یوں اسحاق بھٹی صاحب نے اپنی پہلی کتاب طبع کرائی۔بعد ازاں مکتبہ قدوسیہ کی معاونت سے ان کی درجنوں کتابیں منظر عام پر آتی چلی گئیں۔پچاس ہزار صفحات سے زائد مواد تحریر کرنے والا یہ عظیم مورخ کسی بھی سرکاری اور ادارتی سرپرستی کے بغیر اپنی مدد آپ کے تحت مضمون نویسی کا فریضہ انجام دیتا رہا۔بھٹی صاحب کی تحریریں پڑھنے والا ہر شخص آپ کی ثقاہت اور غیر جانب داری کا معترف بن جاتا تھا آپ کی ہر کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد آپ کی اگلی کتاب کا شدت سے انتظار کیا جاتا تھا۔آپ کی نئی کتاب سامنے آتی طالب علم خریداری کیلئے لپک پڑتے۔بھٹی صاحب مجموعی طور پر تندرست اور توانا رہے۔بڑھاپے کی کمزوری کے علاوہ انہیں کوئی خاص عارضہ نہ تھا۔آپ کی نماز جنازہ میں ہر مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء بالعموم اور اہل حدیث مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے افراد بالخصوص شریک ہوئے۔میں پہلے سے طے شدہ کسی سماجی مصروفیات کی وجہ سے بھٹی صاحب کے جنازے میں شرکت سے محروم رہ گیا' جس کا مجھے انتہائی شدید قلق رہے گا۔تاہم میں نے اس روز نماز جمعہ کے بعد لارنس روڈ پر آپ کی غائبانہ نماز جنازہ کا اہتمام کیا' اور پورے خلوص سے اپنے اس محسن اور مشفق بزرگ اور اس کے عظیم مورخ کے لئے دعائے مغفرت کی۔بھٹی صاحب دنیا سے رخصت ضرور ہوئے ہیں لیکن ان کی کتابیں پڑھنے والے طالب علم' علماء اور عوام ہمیشہ ان کے پیغام' اسلوب' انداز تحریر اور معلومات سے مستفید ہوتے رہیں گے۔بھٹی صاحب کی وفات نے ایک دفعہ پھر اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ دنیا میں جو شخص بھی آیا ہے۔ایک دن اسے جانا پڑے گا باقی فقط رب کی ذات رہے گی۔اللہ تعالیٰ بھٹی صاحب کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اس فانی زندگی میں اس جیسی اٹل حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مخدوم گرامی

مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد سلیم چنیوٹی ہفت روزہ الاعتصام لاہور

22 دسمبر 2015ء ربیع الاول 1437ھ کی دس تاریخ کا دن مؤرخ اہل حدیث' باغ و بہار شخصیت مخدوم گرامی حضرت مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ کی وفات کا دن ہے۔انا للہ وانا الیہ راجعون یقیناً دنیا میں آنا یہاں سے جانے کی تمہید ہے۔سو ہمارے یہ بزرگ جنہوں نے ایک بھرپور زندگی پائی اور کم وبیش 92 برس اس جہان رنگ وبو میں گذارے۔

اکابرین اہل حدیث حضرت سید محمد داؤد غزنوی' شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی' شیخ الحدیث حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور ممتاز دانشور مولانا محمد حنیف ندوی جیسے اساطین علم وقلم انکے دور کی یادگار ہستیاں تھیں۔جن میں ان کے یہ شب و روز گزرے اور ان سے علم وفضل کی بہاریں دیکھتے رہے اور انہوں نے ان بزرگوں کے دور میں ہی لکھنے کا آغاز کیا اور الاعتصام جیسے جریدے کے ایڈیٹر رہے۔ازاں بعد انہوں نے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کا رخ کیا۔یہاں بھی بہت سا علمی و تحقیقی کام سرانجام دیا۔

راقم کی سب سے پہلی ملاقات 91ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور آفس میں ہوئی۔ الاعتصام کے نائب مدیر جناب علیم ناصری علیہ الرحمہ نے راقم کو ایک خط موصوف کو پہنچانے کا فرمایا تو ادارہ ثقافت میں آپ ایک میز سجائے اپنے قلمی امور انجام دینے میں مصروف تھے۔انہیں لکھتا ہوا دیکھ کر میں کھڑا ہو گیا اور ان کی نگاہیں اٹھنے کا منتظر بھی......!

جب موصوف نے میری طرف دیکھا تو فرمانے لگے۔جی آپ نے کن سے ملنا ہے اور کیسے تشریف لائے میں نے کہا۔جناب ہفت روزہ الاعتصام کے دفتر سے آیا ہوں اور جناب علیم ناصری صاحب نے یہ خط جناب مولانا اسحٰق بھٹی صاحب کو دینے کے لیے بھیجا ہے۔نیز فرمایا

آپ نے اسحٰق بھٹی کو دیکھا ہوا ہے۔ میں نے کہا جی ابھی تک نہیں تو آپ کرسی سے اٹھے اور فرمایا' میں ہی اسحاق بھٹی ہوں اور اپنی میز کے دائیں طرف رکھی تین کرسیوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ تشریف رکھیے۔

اس پہلی ملاقات میں ہی انہوں نے گرم گرم چائے اور بسکٹ سے تواضع فرمائی اور بڑی اچھی گفتگو بھی کی مولانا محمد اسحٰق بھٹی علیہ الرحمہ ایک باغ و بہار شخصیت تھے۔ اکثر اوقات لکھتے لکھاتے رہتے۔ ہفت روزہ الاعتصام سے ریٹائرمنٹ کے بعد بھی انہوں نے ہمیشہ رابطہ رکھا اور اپنی تحریریں اکثر الاعتصام ہی کے لیے ارسال فرماتے رہے۔ دارالدعوۃ السلفیہ کی ورکنگ باڈی (مجلس عاملہ) کے یہ نائب صدر بھی تھے۔

مخدوم گرامی کے راقم کے ساتھ بڑی محبت و شفقت کے سلوک رہے۔ علمائے کرام' اکابرین اور اہل حدیث کے بیشتر اصاغر کے حالات و واقعات بھی انہوں نے اپنے قلم سے تحریر فرمائے' کئی ایک علمائے کرام کی تاریخ وفات' تاریخ پیدائش اور ان کے بارے دیگر معلومات کے لیے راقم کو دفتر الاعتصام میں فون کرتے۔ چونکہ ان کی سماعت کچھ کمزور تھی۔ بعض دفعہ ٹیلی فون پر میں انہیں کچھ بتاتا اور انہیں سمجھ کچھ اور آتی تو اصل موضوع سے ہٹ کر دلچسپ باتیں بھی ہو جایا کرتیں بعد میں جب آمنا سامنا ہوتا تو دونوں بڑے محظوظ ہوا کرتے تھے۔

ان کے قلم کی روانی اور تصنیفی و تالیفی سرگرمیاں کبھی ماند نہ پڑتی تھیں۔ کچھ نہ کچھ لکھتے ہی رہتے تھے۔ مرحوم کی وفات کا سنا تو انکے گھر میں پہنچے انہیں غسل وکفن کی سعادت بھی نصیب ہوئی' راقم نے نوٹ کیا کہ ان کے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا انگشت شہادت کے ساتھ اس طرح جڑا ہوا تھا کہ ایسے لگا کہ اب بھی کچھ لکھتے معلوم ہو رہے تھے۔ بعد از غسل مخدوم گرامی کا چہرہ کھل اٹھا' میں نے اپنی جیب سے کنگھی نکالی اور ان کے سر اور ریش مبارک کو کنگھی سے سنوارا۔

مرحوم کی میت کو فلاح انسانیت ایمبولینس میں لے کر ہم ناصر باغ لاہور پہنچے تو یہاں کثیر تعداد میں علمائے کرام' شیوخ الحدیث' طلبائے مدارس' دینیہ اور سماجی' کاروباری شخصیات موجود تھیں۔ جو انہیں اپنی دعاؤں سے نواز رہی تھیں۔

مخدوم گرامی مولانا بھٹی رحمہ اللہ نامور ادیب' مورخ تو تھے ہی لیکن اس کے ساتھ

ساتھ ایک ہنس مکھ اور مرنجاں مرنج طبع بھی تھے۔

یادداشت ان کی بڑی اچھی تھی برس ہا برس پرانے واقعات کو بڑی روانی سے بیان کرتے تھے۔ بڑے بڑے لوگوں سے انکی ملاقاتیں رہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد' سید عطاء اللہ شاہ بخاری' سید ابوالاعلیٰ مودودی' شورش کاشمیری' میاں طفیل محمد' میاں محمود علی قصوری' مولانا نصر اللہ خان عزیز' علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید' میاں فضل حق' مولانا محی الدین لکھوی' مولانا معین الدین لکھوی اور خاندان لکھویہ کے بزرگ حضرت مولانا محمد علی لکھوی مدفون مدینہ منورہ علیہم الرحمہ سے ان کی ملاقاتیں رہیں۔ حضرت صوفی محمد عبداللہ صاحب جو جماعت اہلحدیث کے عارف باللہ بزرگ ہیں۔ ان کے پاس بھی مخدوم گرامی کا آنا جانا رہا تھا۔ اور ان سے انہوں نے روحانی وظائف اور اوراد بھی حاصل کیے تھے۔ ایک دلچسپ بات یہ ہوئی کہ حضرت عارف باللہ صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ کی سوانح و حالات پر انہوں نے جب کتاب کی تکمیل کی جیسے المکتبہ السلفیہ نے شائع کیا۔ تو راقم ان کے دولت خانے پر (جسے حضرت مخدوم گرامی ہمیشہ ''فقیر خانہ'' فرمایا کرتے تھے) حاضر ہوا۔ میں نے کہا۔ حضرت آپ کے ہاتھوں حضرت صوفی صاحب علیہ الرحمہ کی سوانح پایہ تکمیل کو پہنچی ہے۔ صد مبارک باد' لیکن میں ایک غرض سے حاضر خدمت ہوا ہوں' کہ اب اس جہاں میں حضرت صوفی صاحب علیہ الرحمہ جیسی پاک باز ہستی تو موجود نہیں جن سے دعا کرائی جاسکے۔ میں ایک دعا کے لیے آیا ہوں۔ میں نے ان کو گوش گذار کیا کہ اللہ کریم نے اڑھائی مرلے کا ایک پلاٹ عنایت فرمایا ہے۔ اب اس کے تعمیری مراحل درپیش ہیں اور حضرت صوفی صاحب کی کئی کرامات آپ نے کتاب میں ذکر فرمائی ہیں آپ کے ہاتھوں دعا کی درخواست کے لے حاضر ہوا ہوں کہ میرا مکان تعمیر ہو جائے میری طرف انہوں نے غور سے دیکھا اور مسکرائے اور فرمانے لگے۔

اچھا...... تم دعا کرانے آئے ہو کہ سلیم کا مکان بن جائے...... پھر کچھ دیر بعد بازو سے کپڑا اٹانکنا شروع کیا اور فرمانے لگے میں اندر سے وضو کر کے آتا ہوں اور بعد میں تم بھی وضو کر لینا۔ انہوں نے وضو کے بعد میرے مکان کی تعمیر کے لئے بڑے خشوع و خضوع سے دعا فرمائی۔ پنجابی' اردو اور عربی الفاظ میں انہوں نے دعا کی کہ مجھے یقین ہو گیا کہ ان شاء اللہ

کریم مکان بنادے گا۔

الحمدللہ کچھ ہی دنوں بعد مکان کے تعمیری اسباب مہیا ہونے لگے اور آبائی مکان جو چنیوٹ میں تھا کا حصہ بھی مل گیا۔ اللہ نے مخدوم گرامی کی دعا میرے حق میں قبول فرمالی۔ اللھم اغفر له وارحمه

مخدوم گرامی علیہ الرحمہ کثیر التصانیف تھے۔ انہوں نے کئی ایک بزرگوں اور دوستوں کے حالات بلاتفریق مسلک و مشرب تحریر فرمائے۔

جماعت اہل حدیث کے عظیم مناظر و عالم مولانا احمد الدین گکھڑویؒ پر انہوں نے بڑی تفصیلی کتاب تحریر فرمائی تو ان کے بارے سب سے پہلے میں نے ایک مضمون تحریر کیا اور بعد میں اس کتاب کا اشتہار الاعتصام میں شائع کرایا گیا۔ فضیلۃ الشیخ مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ نے اس کتاب کی اشاعت میں بڑی دلچسپی لی۔ یوں یہ کتاب دو دفعہ زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔ حضرت صوفی محمد عبداللہ رحمہ اللہ پر بھی کتاب تحریر فرمائی۔ تو راقم نے ان کے لیے معلومات جمع کرنے میں بھرپور تعاون کیا۔ کئی جگہ میری معلومات اور میرا نام بھی حضرت نے تحریر فرمایا۔ یہ میرے لیے فخر کی بات ہے دارالدعوۃ السلفیہ شیش محل روڈ لاہور کے بانی حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے یہ اولین شاگردوں میں سے تھے۔ ادارے سے ان کی محبت تادم آخر رہی۔

16 دسمبر 2015ء کو ادارے کی میٹنگ میں تشریف لائے تو ان کی طبیعت مضمحل سی تھی۔ 20 دسمبر 2015ء کو طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو ان کے برادر اصغر جناب سعید احمد بھٹی نے انہیں میو ہسپتال میں داخل کرایا۔ یہاں پہلے تو افاقہ محسوس ہوا۔ مگر پیغام اجل یعنی وقت موعود آنے پر اپنے اللہ کے حضور پیش ہو گئے۔ خدا رحمت کند بندۂ پاک طینت را۔ مجلّہ ترجمان الحدیث فیصل آباد میں بزرگوں، کالم نگاروں اور کئی ایک نامور لوگوں کے مضامین کے جھرمٹ میں راقم نے بھی یہ چند سطور مخدوم گرامی پر ارسال کیں ہیں۔ دعا ہے اللہ کریم حضرت مخدوم گرامی کے درجات بلند فرمائے۔ اور ان کا معاملہ بہتر فرما کر جنت الفردوس عطا کرے آمین یارب العالمین۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ
......کچھ یادیں کچھ باتیں

عبدالمجید محمد حسین بلتستانی کراچی

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا۔

حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ جو اس عہد کے عظیم تاریخ دان' مصنف' مؤلف تھے جن کے اشہب قلم نے کئی گمنام لوگوں کو زینت کتاب بخشا اور ان کو کارناموں کے حوالہ قرطاس کر کے اس عہد میں بسنے والے انسانوں کو ان کے بارے میں بھرپور معلومات فراہم کیں' یہ یقیناً ان کی عظیم خدمت ہے اور آخر وقت تک اس خدمت کو انجام دیتے ہوئے اپنے رب کے حضور پہنچ گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ رحمہ اللہ 15 مارچ 1925ء کو مشرقی پنجاب کی سابق ریاست پٹیالہ کے ایک گاؤں "ہنڈائیہ" میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم وتربیت میں ان کے دادا میاں محمد مرحوم کا بڑا عمل دخل تھا' حضرت بھٹی صاحب نے اپنی خودنوشت "گزر گئی گزران" میں اس حوالے سے کافی کچھ لکھا ہے انہی کے حوالے سے ان کے دادا مرحوم کی تربیت کے چند پہلو بطور نمونہ پیش خدمت ہیں۔

بھٹی صاحب لکھتے ہیں "ایک دن میں چارپائی پر بیٹھا پاؤں ہلا رہا تھا انہوں نے دیکھا تو فرمایا! پاؤں نہیں ہلانے چاہئیں اس طرح کرتے ہوئے آدمی برا لگتا ہے" (گزر گئی گزران' ص 42)

بڑوں کے احترام کے حوالے سے انہیں نصیحت کی "اپنے سے بڑے سے کھڑے ہو کر مصافحہ کرو بیٹھے بیٹھے مصافحے کے لیے ہاتھ اس کی طرف نہ بڑھاؤ ایسا کرنا بے ادبی ہے"

بچوں میں انصاف کے پہلو کو بھی ان کے دادا مرحوم نے ترک نہ کیا' اور سادگی کی بھی نصیحت کرتے چنانچہ بھٹی صاحب لکھتے ہیں "ایک مرتبہ عید کے موقع پر میں اپنے دادا کے حکم کے

مطابق اپنے اور چھوٹے بھائی بہنوں کے لیے بازار سے کپڑا لایا۔ ہمارے گھر کے سامنے گلی میں چند عورتیں بیٹھی تھیں۔ انہوں نے مجھے آواز دے کر بلایا اور پوچھا کہ کیا لائے ہو میں نے وہ کپڑے انہیں دکھائے۔ تو وہ بہت خوش ہوئیں اور میرے خریدے ہوئے کپڑوں کا بھاؤ پوچھ کر کہا یہ بہت اچھے کپڑے ہیں اور سستے بھی ہیں۔ ان میں سے کوئی کپڑا تین آنے گز تھا' کوئی چار آنے گز کا' البتہ میری قمیص کا کپڑا سات آنے گز کا تھا۔ میرے دادا کپڑے' دیکھ کر خوش ہوئے لیکن ساتھ ہی میرے سات آنے گز کے کپڑے کے متعلق انہوں نے مجھے ڈانٹا۔ میں نے ان عورتوں کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ انہوں نے تو اسے پسند کیا ہے۔ فرمایا تم نواب ہو کہ چھوٹوں کے لیے ستا کپڑا لائے ہو اور اپنے لیے اتنا مہنگا۔ جاؤ اسے واپس کر کے ستا کپڑا لاؤ۔ چنانچہ میں دوبارہ بازار گیا اور سات آنے والا کپڑا واپس کر کے اپنے لیے تین آنے گز کا کپڑا لایا'' (گزر گئی گزران' ص 41-42)

اس سے اندازہ کیجیے کہ حضرت بھٹی صاحب مرحوم کے دادا محترم نے کس انداز میں اپنے پوتے کی تربیت کی جبکہ وہ بالکل چھوٹی عمر کے تھے ان کے دادا مرحوم کی وفات 1939ء میں ہوئی اس وقت بھٹی صاحب کی عمر چودہ سال تھی۔

ان کے اساتذہ کرام نے بھی ان کی بہترین تربیت کی انہیں اپنے دور کے جلیل القدر اساتذہ سے شرف تلمذ رہا ہے۔' استاذ الاساتذہ حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ' حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ' حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ جیسے اساطین علم وعمل کی صحبت انہیں میسر رہی۔ جن کی تربیت نے انہیں قیمتی گوہر بنا دیا۔ وہ واقعی اس عہد میں گوہر نایاب تھے۔

اپنے متعلق حضرت مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی رحمہ اللہ کا یہ جملہ لکھتے ہیں۔

''حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف مجھے فرمایا کرتے تھے کہ جو اچھا کام تم کر رہے ہو' یہ بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے' ورنہ جو کچھ تم ہو' میں اسے خوب جانتا ہوں'' (گزر گئی گزران' ص 43)

اس عاجز کو بھی ان کے ساتھ ایک عقیدت کا تعلق تھا ان کی زیارت کے مواقع دو مرتبہ میسر آئے' پہلی بار ان کی زیارت 2006ء میں نصیب ہوئی' عصر کے بعد ان کے گھر واقع سانده

لاہور حاضر ہوا ان کی زیارت کی' یہ جون کا مہینہ تھا موسم کے مطابق مشروبات باردہ سے تواضع کی' اور ان سے اپنی ایک ڈائری پر "آٹوگراف" لیا (تلاش بسیار کے باوجود وہ ڈائری نہ مل سکی' ورنہ ان کے لکھے ہوئے الفاظ کو میں یہاں درج کرتا) دوسری بار 2011ء میں ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ البتہ خطوط اور ٹیلی فون کے "وسیلے" سے آخری وقت تک رابطہ رہا ہے۔

2006ء کو جب میں تعلیم کے سلسلے میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ چلا گیا تو وہاں جا کر بھی ٹیلی فون اور خطوط کا یہ سلسلہ قائم رہا۔ میں اکثر ہفتہ عشرہ بعد انہیں فون کیا کرتا تھا میرے بعض خطوط کے جواب جامعہ اسلامیہ کے پتے پر بھی دیئے۔ فون پر ان سے طویل گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ ایک بار انہوں نے مجھے خود میرے سعودیہ کے نمبر پر کال بھی کی تھی۔

ان کی مزاح کی حس بڑی اعلیٰ وعمدہ تھی' مجھے یاد ہے کہ ایک بار میں نے انہیں لاہور کے ایک مقام چوک یتیم خانہ سے فون کیا (ملاقات کی غرض سے ان کے گھر کا پتا پوچھنا تھا) عرض کیا کہ چوک یتیم خانے سے فون کر رہا ہوں تو فرمانے لگے کہ "افسوس کہ اس عمر میں تم یتیم خانے پہنچ گئے۔"

دوسری بار 21 جون 2011ء کو جب جامعہ اسلامیہ سے سالانہ چھٹیوں پر پاکستان آنا ہوا تو گلستان جاتے ہوئے ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا میں ان کے لیے آب زم زم اور عجوہ کھجور بطور تحفہ لے کر گیا تھا جسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے (اس ملاقات کے موقع پر میرے دوست الشیخ عبدالعزیز بن عبدالواحد فاضل مدینہ یونیورسٹی وحال مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد بھی ساتھ تھے) ان سے کافی طویل مجلس رہی مختلف امور پر خوب گفتگو ہوئی ان دنوں میں نے ان کی کتاب ہفت اقلیم کا مطالعہ کیا تھا اس میں موجود ایک "ناقابل نوشت لطیفہ" (سریفو والا) کے بارے میں دریافت کیا جو انہوں نے بڑے دلچسپ پیرائے میں سنایا' ان کے سنانے کا انداز ہی لطف دے گیا جس سے علم ہوا کہ بھٹی صاحب مرحوم "فنون لطیفہ گوئی" کے اسلوب سے بہ خوبی واقف ہیں اور اس باب میں وہ آپ ہی "امام" کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ہماری انہوں نے خوب خاطر مدارت کی دوپہر کا کھانا کھلائے بغیر جانے نہ دیا' وہ واقعی مہمان نواز' ملنسار زندہ دل' خوش طبع آدمی تھے۔

اس مجلس میں انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جب ان سے کوئی اہل حدیث اہل علم ملاقات

کے لیے آتے ہیں تو بے چارے اکیلے آ رہے ہوتے ہیں اور جب کسی غیر اہل حدیث اہل علم کی آمد ہوتی ہے تو ان کے ساتھ ان کے متعلقین وخدام کا مکمل ''پروٹوکول'' ہوتا ہے' اور پھر فرمانے لگے کہ یہ ہے ہمارے لوگوں کے ہاں اہل علم کی ''قدر'' اور سلوک !!!

میں جب بھی انہیں فون کرتا ان سے ان کے قلمی کاموں کے بارے میں دریافت کرتا وہ بڑی تفصیل سے ان کاموں کے بارے میں بتاتے۔ میرے پاس دو چار کتابوں (الفہرست ابن ندیم' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ' لسان القرآن جلد سوم' ترجمہ ریاض الصالحین) کے علاوہ باقی تمام کتب موجود ہیں۔ وللہ الحمد۔ (مؤخر الذکر کتاب میں نے چلو بلتستان کی ایک پبلک لائبریری میں دیکھی تھی۔ اس وقت مجھے علم ہوا کہ محترم بھٹی صاحب نے ریاض الصالحین کا بھی ترجمہ کیا ہے۔ اور اس کا ذکر میں نے بھٹی صاحب سے بھی کیا تھا) میں نے ان کی کتب کا بڑے شوق وانہماک سے مطالعہ کیا ہے' ان کی کتب سے سب سے پہلے تعارف دور طالب علمی میں ہوا جب میں دار العلوم تقویۃ الاسلام اوڈانوالہ (ضلع فیصل آباد) میں پڑھتا تھا اس وقت ان کی دو کتابیں (بزم ارجمنداں اور نقوش عظمت رفتہ) مطالعہ کے لیے میسر آئیں اس کے بعد سے ان کی ساری کتابیں نہایت اہتمام سے خریدیں' حضرت بھٹی صاحب مرحوم کی کتب کی بدولت مجھے علماء کی سوانح عمری کی طرف رغبت ہوئی اور اس موضوع سے متعلق کتب کو خریدتا اور مطالعہ کرتا ہوں' دوران مطالعہ کئی ایک کتابوں میں درج کمپوزنگ کی غلطیاں نوٹ کر کے انہیں لکھ کر بھیجیں' جس پر وہ بہت خوش ہوئے۔ میرے نام بھیجے گئے خطوط میں بھی انہوں نے اس کا ذکر کیا ہے۔ اور اس کا تذکرہ انہوں نے گلستان حدیث میں بھی کیا ہے ان کی شائع ہونے والی کوئی بھی نئی کتاب خریدتا اور اس کتاب کے مطالعہ کے بعد انہیں فون کرتا تو مجھ سے اپنی کتاب کے بارے استفسار کرتے کہ تمہیں میری کتاب کیسی لگی؟ یہ ان کے اعلیٰ ظرفی کی دلیل ہے کہ وہ مجھ جیسے کم علم بے عمل آدمی سے اپنی کتاب کے متعلق پوچھ رہے ہیں اب بھلا میری کیا حیثیت کہ میں ان کی کتاب پر کوئی ''رائے زنی'' کروں۔

چہ نسبت خاک را بعالم پاک   کجا ذرہ کجا آفتاب

ایک کتاب ''تذکرہ مولانا احمد الدین گکھڑوی'' اور ایک اور کتاب (مولانا ثناء اللہ امر

تسری رحمہ اللہ کی کتاب برہان التفاسیر) انہوں نے مجھے بطور تحفہ ارسال کی' یہ ان کی اعلیٰ ظرفی تھی۔ ان کی تحریر نہایت عمدہ اور شاندار ہے پڑھنے والا دوران مطالعہ کہیں بھی کسی قسم کی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور دل کرتا ہے کہ ایک ہی مجلس میں کتاب کو ختم کر کے دم لے' واقعات کی ایک ایک جزئیات کو اس وضاحت سے تحریر کرتے کہ پڑھنے والا تصور میں اپنے آپ کو ان مقامات کی سیر کرتا ہوا پاتا ہے۔ ان کا حافظہ کس قدر مضبوط تھا اس کا اندازہ ''تذکرہ صوفی عبداللہ رحمہ اللہ'' (ماموں کانجن والے) کا مقدمہ پڑھ کر ہوگا کہ جب انہوں نے اس کو مکمل کیا اور مراجعت کے لیے حضرت صوفی صاحب مرحوم کے معتمد خاص مولانا عبدالقادر ندوی مرحوم کو دی وہ اسے کہیں رکھ کر بھول گئے اور یوں وہ کتاب گم ہوگئی تو انہوں نے اس کتاب کو دوبارہ اپنے حافظے کی مدد سے مکمل کیا۔

محترم بھٹی صاحب مرحوم نے دینی کتب میں ہر مکتبہ فکر کے علماء کا ذکر اچھے اور عمدہ پیرائے میں کیا ہے جہاں کہیں کسی سے اختلاف بھی کیا ہے تو وہ بھی انتہائی سنجیدگی اور متانت کے ساتھ کیا' (بزم ارجمنداں اور نقوش عظمت رفتہ کے خوانندگان کرام نے یہ چیز محسوس کی ہوگی) یہ چیز انہوں نے اپنے عہد کے جلیل القدر اساتذہ کی صحبت میں رہ کر سیکھی' اور اس چیز کی آج کے اس دور میں بھی نہایت اشد ضرورت ہے اس حوالے سے محترم بھٹی صاحب مرحوم کی کتب نہایت مفید ہیں اس تربیتی پہلو کو انہوں نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر اجاگر کیا ہے۔ ادب واحترام کے مظاہر بھی جابجا نظر آتے ہیں۔ خصوصاً اپنے اساتذہ کا ذکر تو نہایت ہی احترام کے اسلوب میں کرتے ہیں' کاش کہ ہماری نوجوان نسل انہی کتب سے کماحقہ مستفید ہو سکے۔

ایک مرتبہ فون پر فرمانے لگے کہ میرا ہم عمر کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ سب چلے گئے ہیں میں بھی ایک دن اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا'' اور وہ واقعی ہمیں سوگوار چھوڑ کر چلے گئے۔

آہ......وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے

رمضان المبارک میں میں نے انہیں فون کیا تو فرمانے لگے شدت موسم کے باوجود روزے رکھ رہا ہوں'' اور واقعی یہ رمضان جو گزرا ہے موسم کے اعتبار سے نہایت سخت تھا۔ ملک کے

اطراف واکناف میں شدت موسم کی وجہ سے کافی اموات بھی ہوئیں لیکن محترم بھٹی صاحب مرحوم نے اس پیرانہ سالی میں مکمل روزے رکھے۔

تقبل الله منه صالح الاعمال

عید قربان پر عید کی مناسبت سے میں نے فون کیا تو بہت خوش ہوئے قریباً کوئی نصف گھنٹہ یا اس سے بھی زیادہ وقت ان سے بات ہوئی۔اس موقع پر بھی اور جب بھی بار ہا ان سے بات ہوتی تو مجھے فرماتے کہ ''یار آ کر مل لو زندگی کا کیا پتا کب ختم ہو جائے'' میں اپنی مصروفیات کا رونا رہتا اور کہتا کہ ضرور زیارت کو حاضر ہوں گا لیکن ہنگامی زندگی نے مجھے فرصت نہ دی۔اور موت نے انہیں مزید جینے کی مہلت نہ دی نتیجہ یہ ہے بیٹھا کف افسوس مل رہا ہوں کہ کاش کوئی فرصت نکال کر زیارت کر لیتا!!

قدر الله ماشاء و فعل

ایک مرتبہ میں نے مذاقاً عرض کیا کہ آپ کی کتب سے آپ کے بیان کردہ لطائف و ظرائف کو جمع کر کے الگ کتابی شکل میں چھاپا جائے اور اس کا نام رکھا جائے ''محمد اسحاق بھٹی لطائف واقعات کے آئینے میں'' یہ سن کر کھل کھلا کر ہنس دیئے۔بھٹی صاحب مرحوم نے مولانا محمد حنیف ندوی رحمہ اللہ سے متعلق اپنی کتاب ''ارمغان حنیف'' میں ایک باب اسی طرح کے عنوان سے قائم کیا ہے یعنی'مولانا محمد حنیف ندوی واقعات و لطائف کے آئینے میں''

ایک بار میں نے عرض کیا کہ بھٹی صاحب! میرا ارادہ ہے کہ میں ''تذکرہ علمائے بلتستان'' پر کام کروں' میں نے ان سے کتاب کا تجویز کردہ نام کا بھی ذکر کیا ''اللؤلؤ والمرجان فی تذکرۃ علماء بلتستان' یہ سن کر نہایت خوش ہوئے اور فرمانے لگے اس کام کو ضرور کرو کچھ مفید مشوروں اور دعاؤں سے نوازا۔(ارادہ تو کر بیٹھا ہوں دیکھیں کب اس کام کے لیے موقع ملتا ہے۔؟؟)

ایک مرتبہ غالباً ستمبر میں فون کیا تو وہ گھر پر نہیں تھے کشمیر(اٹھ مقام) کے پروگرام میں گئے تھے۔'واپس آئے تو میں نے فون کیا تو کہنے لگے کہ یار کشمیر والے پیچھے پڑ گئے تھے اب مجبوراً جانا پڑ گیا۔اہل کشمیر نے اس پروگرام کا اشتہار بھی چھاپا تھا (میں نے وہ اشتہار دیکھا تھا کافی خوبصورت تھا اس کے وسط میں ہمارے ممدوح حضرت بھٹی صاحب رحمہ اللہ کا نام تھا)

حضرت بھٹی صاحب کی ہمت کہ وہ اس پیرانہ سالی میں اور تقریباً ٹھنڈ کے موسم میں دعوت و تبلیغ کی غرض سے کشمیر کے فلک بوس پہاڑوں پر بھی اہل کشمیر کی دعوت پر تشریف لے گئے اور یہ واقعہ وفات سے محض ڈھائی تین ماہ قبل کا ہے۔ تقبل اللہ جھودہ

وفات سے ایک دن قبل خیال آیا کہ بھٹی صاحب کو فون کروں لیکن مصروفیت اور دیگر امور میں مشغولیت کی وجہ سے ذہن سے نکل گیا۔(اس سے تقریباً کوئی دس دن قبل بات ہوئی تھی نہایت ہشاش بشاش تھے۔)22دسمبر کی صبح آٹھ بجے کے قریب الشیخ عبدالعزیز بٹ صاحب کا میرے موبائل پر میسج آیا کہ ''مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب وفات پا گئے ہیں'' یہ پڑھ کر حواس مختلف ہو گئے۔جب کچھ ہوش آیا تو تصدیق کی غرض سے ان کے گھر فون کیا تو بھٹی صاحب کے برادر زادے برادرم جناب حسان سعید صاحب نے بتایا کہ وہ وفات پا گئے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون

وفات کے کچھ دنوں بعد ان کے گھر فون کیا تو ان کے چھوٹے بھائی جناب سعید احمد بھٹی صاحب سے بات ہوئی ان سے ان کے آخری دنوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ سردیوں (دسمبر جنوری) میں انہیں ٹھنڈ کی وجہ سے کمر میں تکلیف ہو جاتی تھی اس بار بھی یہ تکلیف ہو گئی تھی ساتھ میں سانس کا بھی مسئلہ ہو گیا تھا' آخری دن سانس اکھڑنے لگی تو ہم انہیں لے کر میو ہسپتال آ گئے یہاں آکسیجن لگا دی گئی' بالآخر 22دسمبر کو صبح چھ بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

کچھ دن قبل مشہور مصنف محترم مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب سے فون پر بات ہوئی بھٹی صاحب مرحوم کے حوالے سے گفتگو ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ وفات سے ایک دن پہلے ان کا مجھے فون آیا کہ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب سے یہ مسئلہ پوچھ کر بتاؤ کہ پیشاب کی نالی لگی ہے نماز کس طرح ادا کی جائے تو انہوں نے مولانا اثری صاحب سے دریافت کر کے انہیں بتایا' مولانا سلفی صاحب تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہیں آخری وقت میں بھی نماز کی فکر تھی۔

اللہ پاک نے حضرت بھٹی صاحب کو یہ شہرت دوام عطا کی اس کا سبب کیا ہے بقول

محترم المقام مولانا حافظ احمد شاکر حفظہ اللہ (مدیر مسول ہفت روزہ الاعتصام لاہور) انہوں نے ان کی وفات پر الاعتصام کے اداریہ میں اپنے احساسات کا ذکر کیا ہے) کہ اس شہرت کا سبب ان کا اپنے اقربا سے صلہ رحمی ہے اپنے لیے کچھ نہیں بنایا جو بنایا وہ اپنے اقربا پر نچھاور کر دیا۔ ان کے اس عمل پر ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ حدیث صادق آتی ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "جو یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں برکت ہو اور مرنے کے بعد اسے یاد رکھا جائے اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔" (صحیح بخاری 2067، صحیح مسلم 2557)

بلا شبہ حضرت بھٹی صاحب ایک عظیم انسان تھے، عاجزی انکساری کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، سادہ طبع تھے، بذلہ سنج، ملنسار رکھ رکھاؤ والے انسان تھے۔ بھرپور انداز میں زندگی کو گزار کر 91 برس کی عمر میں اس دار فانی سے عالم عقبیٰ کی جانب روانہ ہو گئے اور خود بھی کئی ایک مقامات پر اپنے بارے میں لکھتے رہے کہ "اور کبھی ان سطور کا راقم عاجز بھی اس عالم فانی سے کوچ کر جائے گا" اور پھر وہ بھی اس عالم فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ رحمہ اللہ کی وفات پر کئی ایک اہل قلم نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا ہے اور ان کی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کی لغزشوں سے درگزر فرمائے ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے چھوڑے ہوئے عظیم الشان "تراث علمیہ" کو ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ اور ان کے اس مشن کو جاری رکھنے کی توفیق بخشے، آمین

احب الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

قارئین کرام میرے اور بھٹی صاحب مرحوم کے مابین ہونے والی بے ربط "ٹیلی فونک" باتوں سے اکتا گئے ہوں گے اس لیے اپنی ان ٹوٹی پھوٹی معروضات کو اس دعائیہ شعر پر ختم کرتا ہوں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ

پروفیسر مولا بخش محمدی

22 دسمبر 2015ء کو فجر نماز کی ادائیگی سے فراغت کے بعد کالج جانے کی تیاری میں مصروف تھا کہ میرے رفیق شفیق مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ کی طرف سے موبائل کی گھنٹی بجی فون اٹھایا تو سلفی صاحب نے لرزتی ہوئے آواز میں بتایا کہ ''مولانا محمد اسحاق بھٹی اب جہان فانی میں نہ رہے'' بے ساختہ آنکھوں سے آنسو اور زبان پر انا للہ وانا الیہ راجعون جاری ہو گیا۔ آہ۔ 15 مارچ 1925ء کی موسم بہار میں کھلنے والا یہ مہکتا ہوا سدا بہار پھول بالآخر زندگی کی 91 بہاریں دیکھ کر 22 دسمبر 2015ء کو سرد رات میں خزاں نے ہم سے چھین لیا۔ بلاشبہ مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ ایک تاریخ بلکہ تاریخ ساز شخصیت تھے۔ جو تاریخ کے اوراق پارینہ سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ اور ایک مدت تک ہمیں تاریخ سکھاتے رہے۔ اور وہ ایک تاریخ مرتب کر کے پھر ہمیشہ کے لئے تاریخ کی کتابوں میں واپس چلے گئے۔

اک موج تھی کہ دوش صبا پر گذر گئی

بفضل خدا مولانا بھٹیؒ سے میرے مدت مدید سے قلمی برادرانہ تعلقات قائم تھے۔ کبھی فون پر بات چیت ہو جاتی تھی کبھی خط و کتابت کے ذریعے راز و نیاز کی باتیں ہوتیں۔ علمی ادبی اور تحریری میدان میں ان کی ہمیشہ سرپرستی رہی۔

انکے مفید مشورے اور ہمت افزائی میرے لئے ہمیشہ باعث صد اعزاز رہی' گاہے بگاہے موبائل پر عزیز القدر مولانا محمد رمضان یوسف سلفی کے ذریعے بھی ان کی عافیت کی خبر ملتی رہتی تھی' ہم ان کا ذکر خیر کرتے ہوئے ان کو دعائیں دیتے تھے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

بڑے خوش نصیب ہیں محترم مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ جنہوں نے رفاقت کا حق نبھاتے ہوئے مولانا بھٹیؒ کی زندگی ہی میں نہ صرف انہوں نے ان کی ساری تصانیف کا تفصیلی تعارف تحریر فرمایا بلکہ خود مولانا بھٹیؒ کی حیات و خدمات جلیلہ پر ایک جامع' محققانہ' ڈھائی سو کے قریب صفحات پر مشتمل خوبصورت کتاب لکھ کر فرض کفایہ ادا فرمایا۔

اللہ تعالیٰ ان کی مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے' کتاب میں ان کی زندگی کے درخشاں پہلو قارئین کرام تک پہنچائے ہیں' افسوس کہ ہمیں ان کی محققانہ کتابیں پڑھ کر بھی داد تحسین دینے کا فن بھی کم ہی آتا ہے۔ ورنہ ماضی کے مشاہیر علمائے عظام فقہائے کرام کے پورے کوائف' تحقیق شدہ' حالات زندگی' ان کے ورثاء' پس ماندگان تلامذہ سے حاصل کرنے میں جو انہوں نے بے پناہ مصائب برداشت کیے ان کا ہم جیسے لوگ تصور تک نہیں کر سکتے۔ ان مرحومین کے لواحقین کی عدم دلچسپی اور بے اعتنائی کو برداشت کرنا اس قدر جان گسل مراحل تھے کہ بڑے بڑے باعزم لوگ بھی مایوس ہو جاتے ہیں۔ مگر مولانا بھٹیؒ نے ایک ایک بات کے حصول کے لئے بے حد محنت کی' وہ خون پسینہ ایک کر کے مواد حاصل کرتے تھے۔ وہ محنت کے عادی' جادہ حق پر چلنے والے ایسے مسافر تھے جسے زندگی کی پرخار وادیوں کی صعوبتیں اور طویل مسافتیں بھی ان کے حوصلہ و عزم کو شکست نہ دے سکیں۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

مختصراً مولانا بھٹیؒ نے اب تک جو کام کیا وہ کچھ اس نوعیت کا تھا۔

تصانیف و تالیفات' تراجم و تعلیقات' اخباری مضامین' اخباری اداریئے' مقالات و مضامین محققانہ و علمیہ' شذرات' کتابوں پر جاندار تبصرے' بہت ساری کتب پر بے بہا مقدمات اور دیباچے' ان کے علاوہ 35 سال تک ریڈیو اور ٹی وی پر ان کی بے شمار علمی' ادبی' اصلاحی بصیرت افروز تقاریر خصوصاً پیغام ٹی وی کو طویل تر دیئے ہوئے انٹرویوز وغیرہ دنیا میں ہمیشہ یادگار رہیں گے آپ نے قومی ڈائجسٹ میں خاکہ نویسی کا بھی باقاعدہ مقبول سلسلہ جاری رکھا۔

مر چکے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

مولانا بھٹیؒ کے قریبی احباب جانتے ہیں کہ آپ کے چہرے پر اطمینان و شادابی' لبوں پر دلفریب مسکراہٹ' لہجہ میں شیرینی' الفاظ میں شائستگی و وقار' آپ مجسمہ شفقت و محبت تھے۔ وہ پوری جماعت اہل حدیث کے سایہ دار سائبان تھے' ان کا تجربہ' مطالع' و مشاہدہ غیر معمولی اور بے انتہا وسیع تھا' آپ ہر کسی سے تواضع و انکساری سے پیش آتے اور تو اور۔ وہ ہم جیسے چھوٹوں پر بھی بے انتہا مشفق و مہربان نظر آتے تھے آپ علم کے قدر دان تھے۔ خصوصاً وہ علماء روپڑی' لکھوی' غزنوی' اور راشدی خاندان کے علم و دانش زہد و تقویٰ کے قائل تھے۔

خاک میں کیا کیا صورتیں پنہاں ہو گئیں

مولانا اسحاق بھٹیؒ کی وفات حسرت آیات کے بعد دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جب ان کا جنازہ اٹھا تو محاورۃً نہیں بلکہ حقیقتاً تل دھرنے کی جگہ نہ رہی لوگوں کی بے پناہ محبت کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا کہ اللہ والوں کی قدر و منزلت ان کی محنت' خلوص' پاکیزہ نیت' تقویٰ ' کارہائے نمایاں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ورنہ کسی فقیر کی ہمیشہ رخصتی کے بعد کسی نے ان سے کیا لینا دینا ہوتا ہے۔

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لیئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

مولانا اسحاق بھٹیؒ کی وفات حسرت آیات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ناممکن ہے۔ اس قحط الرجال کے دور میں ہمارے لئے یہ امر بھی ضروری ہو گیا ہے کہ ہم میں سے جتنے اہل علم' اہل قلم' اصحاب علم و فضل مشائخ کرام جو ابھی موجود ہیں ان کے علم و فضل سے فیض یاب ہونے کی کوششیں کریں اور ان کی زندگی میں ان کی قدر کرنا سیکھیں۔ چونکہ

ہوا کے دوش پے رکھے ہوئے چراغ ہیں ہم
جو بجھ گئے تو ہوا سے شکایتیں کیسی؟

مولانا محمد اسحاق بھٹی کی سادگی' سچائی' وضع داری' خوش اخلاقی اور علمی سرفرازی نے

ایک جہان کو متاثر کیا تھا' ان کے اچانک بچھڑ جانے کے بعد یوں لگتا ہے کہ ہم کسی دشت بے اماں میں تنہا رہ گئے ہوں۔ مولانا مرحوم کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ عمر رسیدگی' ضعف' ثقل سماعت کے باوجود نہ صرف فون بلکہ خط و کتابت کا بھی بڑی باقاعدگی اور محبت و خلوص بھرے انداز میں جواب دیا کرتے تھے۔ وہ صاحب عزیمت اور ایک صدی کی خود تاریخ تھے انہوں و نے اپنی پوری زندگی اپنی توانائیاں علم و ادب' تاریخ و ثقافت تربیت و اصلاح اور جماعت اہل حدیث کی مفصل تاریخ مرتب کرنے میں صرف کر دیں یہ ایک بڑی سعادت ہے اللہ جسے چاہے اسے عنایت فرمائے آپ بیک وقت مورخ' مفسر' مصلح' مترجم' مصنف' خطیب' مدرس اور مختلف جرائد کے مدیر مکرم رہے۔

مولانا بھٹی نے عجیب طبیعت پائی تھی۔ ان میں کبھی غرور' تکبر' نخوت اور خشونت نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی تھی۔ وہ حقیقی معنی میں قرون اولیٰ کے رفیقان پیغمبر ﷺ کا عکس نظر آتے تھے۔ روایتی علماء کی طرح نہ تو طبیعت میں یبوست'' سے ان کا خمیر اٹھا تھا۔ اور نہ ہی اپنے اوپر خود ساختہ مسکنت و عاجزی طاری کیئے رکھنے کے قائل تھے۔

جنہیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصؔر
وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے

طبیعت میں حلم' مزاج میں انکساری' زبان میں مٹھاس اور صلہ رحمی' ہمدردی کے قائل تھے۔ آپ ادب و دین کا مرقعہ' قرآن عظیم کے شائق' حدیث کے شیدا' فقہ اصول فقہ اور تاریخ فقہ کے نباض تھے۔ زبان و بیان میں پیچ' نہ قلم میں خم' چہرہ مہرہ سادگی و سعادت' شرافت و دیانت کی دلآویز داستان' کم سخن' کم آمیز' کم خوراک' عیب بینی و نکتہ چینی سے بیزار مرنجان مرنج' عمر عزیز کہولت کی منزل میں بھی بے شمار مثالی معیاری مصنف' لائق مرتب' ان کے نزدیک ہر چیز کی ایک ہی ترازو تھی' قرآن مجید' سنت رسول ﷺ' اسوہ حسنہ' سیرت صحابہؓ اور علمائے اسلاف کا فہم و تدبر' بلاشبہ وہ اپنے وقت کے قلم کے فرماں روا تھے ان کی سادگی سچائی' سنجیدگی نام و نمود سے نفرت کا انداز خود ان کی اپنی آپ

بیتی ''گذر گئی گذران'' کے مطالعے سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔

وہ جب بھی لکھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ گویا زبان و بیان کے ساتھ قلم بھی ان کا باندی ہو' الفاظ' مطالب' معانی' جملے' استعارے' ضرب الامثال ان کے سامنے دست بستہ نظر آتے' قدرت نے انہیں معجزانہ دل و دماغ عطاء کیئے تھے' آخر یہ ایک عظیم عہد' افسانہ اور حکایت بھی اختتام پذیر ہوئی۔ (قدرے تبدیلی پر معذرت)

زمانہ بڑے شوق سے ''پڑھ'' رہا تھا
تمہیں سو گئے داستان ''لکھتے لکھتے''

بھٹی مرحوم کو پڑھتے وقت کہیں ثقالت محسوس نہیں ہوتی۔ سلاست' بلاغت' رنگینی و روانی' برجستگی اور اثر انگیزی ان کی تحریروں کی خاصیت ہے دیگر علمی شخصیات کی دلچسپ کہانیوں میں خود بھٹی صاحب کی اپنی کہانی بھی شامل ہوتی تھی عبارت آرائی اسلوب انداز و بیاں میں ان کو امتیاز حاصل تھا' چونکہ آپ نے ایک لمبی عمر قلم وقرطاس سے دوستی نبھائی اور کبھی اپنی تحریروں میں توقف نہیں آنے دیا۔ ایک کتاب کے پیچھے ان کی دوسری دلآویز کتاب کا قاری منتظر رہتا تھا' اس لئے اس کے کہنہ مشق قلم میں ایک تاثیر اور نکھار نظر آتا' آپ مسلکی لحاظ سے 24 جولائی 1948ء میں مرکزی جماعت اہل حدیث کے بانی اراکین میں شمار ہوتے تھے۔ پھر آپ کو جماعت کا ناظم دفتر بھی مقرر کیا گیا' آپ نے مختصر وقت کے لئے سیاست کی پرخار وادی میں بھی آبلہ پائی کا شوق آزمایا جس کے نتیجہ میں قید و بند کی سخت صعوبتیں بھی بڑے حوصلے اور عزم سے برداشت کیں۔

خار صحرائے جنوں نے تیز کیں کیا کیا زبانیں
پھوٹے منہ بھی کچھ نہ بولے پاؤں کے چھالے میرے

آپ وسیع المشرب اور کثیر حلقہ احباب کے مالک تھے آپ مولانا عطاء اللہ حنیفؒ مولانا حافظ گوندلویؒ مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ اور متکلم دوران مولانا محمد حنیف ندوی جیسے اکابرین امت کی تربیت سے فیض یافتہ تھے خود بھٹی صاحب ایک جگہ اپنی تربیت

کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''میری تربیت جن علمائے کرام میں ہوئی وہ نہایت اونچی شخصیتیں تھیں' اور وہ بیحد معتدل مزاج تھے' اور اپنی بات مثبت انداز میں کرتے تھے۔ منفی نقطہ نظر سے کوسوں دور تھے۔ ان میں سے کسی نے کفرو شرک' الحاد و بے دینی کے فتاوے جاری نہیں کیے۔ وہ لوگوں کو مسلمان بنانے کے خواہاں تھے' وہ اسی لئے کوشاں رہتے تھے' ان میں سے کسی نے نہ الحاد کی دوکان لگائی نہ یہ کفر کی تقسیم کے لئے کوشاں ہوئے۔ نہ لوگوں کو مشرک بنانے کا دھندہ کیا نہ کسی کو جنت سے نکالنے اور جہنم میں داخل کرنے کی کوشش کی'' ایسے لوگ اب کہاں؟''

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرے سے صحبت نہ رہی

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کئی خوبیوں کا مجموعہ' جامع صفات' ذہبی دوران' ایک عہد' ایک تاریخ' ایک ادارہ' ایک تحریک اور جہد و عمل کے انسان تھے' ان کا سینہ بے بہا یادوں کا خزینہ تھا۔ مولانا بھٹیؒ کی زندگی کا ابتدائی خاکہ یہ تھا۔ ان کا تعلق کوٹ کپورہ فرید کوٹ سے تھا۔ جہاں سے قیام پاکستان کے وقت آپ ہجرت فرما کر 21 اگست 1947ء کو ایک سوتیں 130 افراد کے ہمراہ اپنے آبائی وطن کو ہمیشہ خیر باد کہہ کر بذریعہ ٹرک قصور پاکستان تشریف لائے۔ جہاں سے پھر مولانا محترم اکتوبر 1947ء میں اپنے پورے خاندان کے ہمراہ چک نمبر 53 گ۔ب۔ منصور پور تحصیل جڑانوالہ' فیصل آباد آ کر مقیم ہوئے جہاں آ کر آپ کو ابتداء میں بے پناہ مشکلات و مصائب کا منہ دیکھنا پڑا۔ مگر یہ سارا سفر صبر و استقامت خندہ پیشانی سے اختیار کیا۔

آپ کی پیدائش 15 مارچ 1925ء کوٹ کپورہ مشرقی پنجاب ریاست فرید کوٹ میں ہوئی۔ ان کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح تھا۔ محمد اسحاق بن میاں عبدالمجید بن میاں محمد بن وسوندھی' بن منصور' بن خزانہ' بن جیوا تھا۔

بھٹی صاحب کے والد ماجد اور دادا عبدالمجید نہایت صالح صفت پاک باز' متقی و پرہیز

گار انسان تھے۔ جنہوں نے مولانا محمد اسحاق بھٹی کی ان کے بچپن سے بہترین تعلیم و تربیت کا بندوبست کیا۔

اس کے ساتھ اسلامی تعلیم و تربیت پر بھی پوری توجہ دی' احکام اسلام کی ادائیگی کا احساس دلایا' بھٹی صاحب ابھی آٹھ سال کے ہوئے تھے کہ انہیں قرآن عظیم کی تعلیم دلائی۔ 1938ء میں جب آپ اردو کی جماعت چہارم پڑھ رہے تھے ایسے میں ان کے دادا جان مرحوم میاں عبدالمجید نے اپنے وقت کے جلیل القدر عالم فضل' حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ (متوفی 1987ء) کی خدمت میں حاضر بزم ہوئے۔ جنہوں نے اس صالحہ صفت اور سعادت مند ہونہار کو تعلیمات اسلامیہ سے سرفراز کرنے کی یقین دہانی کرائی' پھر انہیں عربی کی ابتدائی کتب' ترجمۃ القرآن' رحمۃ للعالمین اور تاریخ اسلام کی کتب شروع کرائیں۔ واضح رہے کہ اس وقت مولانا عطاء اللہ حنیفؒ کوٹ کپورہ کی جامع مسجد کے خطیب تھے۔ ان کتب کے بعد مروجہ درس نظامی کی کتب باقاعدہ پڑھائیں۔ چونکہ مولانا بھٹیؒ انتہائی زیرک ذہین و فطین اعلیٰ حافظہ کے مالک تھے لہٰذا انہوں نے گرائمر ادب' تفسیر' حدیث' فقہ' اصول فقہ' منطق' فلسفہ' اور تاریخ اسلام بڑی محنت سے پڑھیں جس کے بعد وہ اپنے لائق و فائق استاد معظم کے مشورہ پر ''مرکز اسلام لکھوکے'' میں جا کر مزید کتب محنت شاقہ سے پڑھیں۔ عرصہ کے بعد پھر اسی مرکز میں آپ نے درس نظامی کے طلباء کو باقاعدہ پڑھانے کا بھی اعزاز حاصل کیا تھا۔ آپ ایک منجھے ہوئے درس نظامی کے استاد بھی تھے' انہیں درسی کتب پر دسترس حاصل تھی۔

حافظ محمد محدث گوندلویؒ (متوفی 1985ء) اور حضرت مولانا محمد اسماعیل سلفی (1968ء) جیسے اصحاب علم و فضل سے استفادہ کرتے ہوئے صحیح بخاری اور صحیح مسلم پڑھ کر ''سند الفراغ'' سے سرفراز ہوئے۔

اس علمی سفر میں مولانا بھٹیؒ نے پاکستان و ہندوستان کے جلیل القدر اساتذہ کرام سے خوب علمی استفادہ کیا۔ مولانا بھٹی کی کتاب ''گذر گئی گذران'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت علم دین کی قدر شناسی اور بلند معیار تھا' اس کے علاوہ تحریر و نگارش میں آپ نے جن ارباب علم و فضل سے استفادہ کیا ان میں مولانا ابو

الکلام آزادؒ شورش کاشمیریؒ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ اور مولانا محمد حنیف ندویؒ جیسے استاد ادب وفن شامل تھے' کیسے کیسے مثالی لوگ تھے۔ مولانا ندوی سے مولانا بھٹیؒ کی تقریباً چالیس سالہ علمی رفاقت بھی رہی۔

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کر

مولانا بھٹی نے تمام عمر قلم وقرطاس سے رشتہ نبھائے رکھا۔ آپ نے جماعت اہل حدیث کے داعی وترجمان مؤقر ہفت روزہ الاعتصام (اجراء 19 اگست 1949ء) کے باقاعدہ 15 سال تک مدیر شہیر بھی رہے' آپ نے پنجاب یونیورسٹی کی دائرۃ المعارف اسلامی انسائیکلوپیڈیا جس میں 30 کے قریب گرانقدر محققانہ مقالات قلمبند کیے مزید یہ کہ 15 مئی 1951ء سے ادارہ ثقافت اسلامیہ کی علمی اور معیاری مطبوعات میں اپنے رفیق مولانا محمد حنیف ندوی کی رفاقت میں تحقیق کا کام بتیس سال کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اس کے علاوہ علمی مجلّہ ''المعارف'' لاہور کی 22 سال تک ادارت سنبھالنے کا بھی اعزاز حاصل کیا' جہاں سے مارچ 1996ء کو ثقافت اسلامیہ سے ریٹائر ہوئے ایک مدت تک ہفت روزہ ''توحید'' سہ روزہ ''منہاج'' کے مدیر مکرم بھی رہے جہاں رہے وہاں علم وادب کی خدمت کا حق ادا کیا' کبھی بھی قلم وقرطاس سے رشتہ منقطع نہ کیا۔

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں مرنے کی
دیوانہ مر گیا آخر کو ویرانے پر کیا گذری

یہ ان کی زندگی کا عظیم کارنامہ تھا۔ کہ آپ نے برصغیر کے علماء عظام وفقہائے کرام کے سربستہ حالات زندگی اوران کے علمی کارہائے نمایاں کے علاوہ اپنی چالیس سے زائد تصنیفات و تالیفات کے پچاس ہزار سے زائد صفحات قلمبند کر کے ایک مثال قائم کی ان کے تحریر کردہ سوانحی خاکے اس قدر خوبصورتی' دلکشی' اور جاذبیت سے بھرپور ہیں کہ آپ ان شخصیات کے علمی' ادبی سیاسی' سماجی اور معاشی ومعاشرتی زندگی کا جیسے سامنے مشاہدہ کر رہے ہوں مزید یہ کہ فاضل مصنف زیر بحث شخصیات کے حالات وواقعات اور کوائف تک ہی محدود نہیں رہتے۔ بلکہ ان کی اولاد' احفاد'

اعزہ' اقرباء' متعلقین و معاصرین کی بھی جزئیات کو بڑے دلچسپ انداز میں بیان کرتے جاتے ہیں' مزید کہ ان کی تحریر حشو و زائد سے پاک ہوتی ہے' اسی انداز سے آپ نے ہمارے علمائے کرام اکابرین امت ہستیوں کی درخشندہ زندگیوں کو بے حد خوبصورت اور سحر انگیز اسلوب میں تحریر کر کے آنے والی نسلوں کے لئے محفوظ کر دیا ہے' بھٹی صاحب اپنے اور غیروں کو کھلے دل سے داد تحسین دینے میں بھی بڑے فیاض واقع ہوئے ہیں چونکہ وہ کسی سے بھی بغض و کینہ نہیں رکھتے' آپ نے قرون اولیٰ سے عہد حاضر تک تین ہزار سے بھی زائد علماء کرام کے تذکرے' تراجم تحریر فرما کر ایک مثال قائم کی ہے۔

؎ اے تو مجموعہ خوبی بچہ نامت خوانم

آپ بیحد مطالع کے مالک تھے' نہ صرف اپنے عصر کے معروف مجلات' رسائل' جرائد کا مطالعہ کیا کرتے بلکہ ہر اچھی کتاب پڑھنے میں دیر نہ لگاتے تھے۔ خصوصاً ان کو فن سوانح نگاری' خاکہ نویسی' اور تاریخ سے عشق کی حد تک محبت تھی' اردو ادب و فن پر ان کی گرفت تھی' کسی موضوع پر جب بھی آپ قلم اٹھاتے تو برسوں ماضی کا واقعہ جس وقار' سنجیدگی اور شائستگی سے جزئیات کے ساتھ قلمبند کرتے جاتے وہ ان ہی کا خاصہ تھا۔

؎ زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

مولانا محمد اسحاق بھٹی قوت حافظہ' وسیع مطالعہ' وسعت نظر' اعتدال پسندی' علمی وجاہت' محبوب شخصیت' درویش صفت' سادہ مزاج' روشن فکر' دردمند دل' متواضع' بذلہ سنج' خوش خلق اعلیٰ ظرف مرد جلیل تھے۔ ان کی انشاء پردازی کا رنگ و ڈھنگ انتہائی دلآویز و دلفریب تھا' لوگ انہیں پڑھتے اور سر دھنتے تھے' چونکہ آپ تاریخ کی باریکیوں پر بھی تنقیدی نگاہ رکھتے تھے' جب سے انہوں نے تاریخ' سیرت' سوانح' تذکرہ' اور خاکہ نگاری پر لکھنا شروع کیا تو ان کا یہ تخلیقی سفر سادگی' سلاست' ثابت قدمی اور حقیقت پسندی سے جاری و ساری رہا۔ ان کے سیال قلم کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ وہ جو کچھ لکھتے وہ ایک شاہکار بن جاتا' جس نے بھی ان کی تحریر پر تاثیر پڑھی وہ ساری زندگی آن کا مداح بن گیا۔

مولانا بھٹیؒ صرف تذکرہ نگار ہی نہ تھے بلکہ وہ جملہ معقولات و منقولات کے ماہر بھی تھے' وہ اپنے وقت کے بہترین مترجم بھی تھے' فہرست ابن ندیم' ریاض الصالحین' حضرت ابوبکر صدیقؓ لشکر اسامہ کی روانگی وغیرہ ان کے بلند پایہ معیاری تراجم شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ ایک بہترین بلند معیار انسان تھے۔

آپکا حلیہ کچھ اس طرح کا تھا درمیانہ قد اکھڑا بدن' ذہانت کی غماز وروشن آنکھیں' کشادہ جبیں' بے داغ صاف ستھرا لباس' شیریں گفتار' بلند کردار' برجستہ حاضر جواب' میر بزم' مہمان نواز' متناسب اعضاء' چال میں متانت' لہجہ میں سوز' ہم جس مشت خاک (یعنی بھٹیؒ صاحب) کا ذکر خیر کر رہے ہیں اور جو اس وقت ''جڑانوالہ'' کی سرزمین کے ایک تودہ خاک کے تلے ابدی نیند سوئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے کبھی بت کدوں میں حوصلہ' عزم' اور یقین کی اذانیں بلند کیں تھیں بدقسمتی سے یہ اور بات ہے کہ ہماری نئی پود ابھی تک یہ نہیں جانتی کہ وہ کس قد و قامت کے عظیم انسان تھے۔ وہ کہاں سے اٹھا اور ہمیں کیا کیا علمی دولت لازوال دے کر مالا مال کر کے واپس تاریخ کا حصہ بن گیا۔

ہمارے نونہالوں' علمائے عظام' فضلائے کرام نے شاید ہی ان لوگوں کا کبھی نام سنا ہوگا جن کے تفصیلی کارہائے نمایاں کا مرحوم بھٹیؒ صاحب کے تذکرہ کر کے اپنی تصانیف لطیف میں انہیں لازوال کیا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کی موت بلاشبہ ایک جانگداز عظیم سانحہ ہے۔ ان کے اچانک بچھڑ جانے سے دل ودماغ ہل گئے' انہی ہاتھوں کو جن میں یہ تیز رو قلم 'ہفت اقلیم'' لکھتا رہا۔ انہیں قبر میں اتارا گیا۔ وہ ایسے جہاں چلے گئے جہاں سے لوٹ کر کبھی کوئی نہیں آیا۔

موت سے کس کو رستگاری

ایک تدفین میں شامل شخص نے گواہی دی کہ سفر آخرت پر جاتے ہوئے جب ان کی آخری زیارت کی تو چہرہ انتہائی پر رونق نظر آیا۔ البتہ ان کا انگوٹھا اور ان کی شہادت والی انگلی اس طرح آپس میں ملے ہوئے نظر آئے کہ گویا ابھی صاحب قلم اپنی انگلیوں

میں قلم دبائے کچھ تحریر کررہا ہو۔

آہ! انہوں نے ساری زندگی لکھا' خوب لکھا' انہوں نے بڑی محنت سے علمی کام کیا' اب وہ محو آرام ہیں اللہ کی ان پر رحمتیں نازل ہوں۔

آخری شب تک انہوں نے قلم و کاغذ' کتاب وقرطاس' کی زندگی گذاری وہ ہمیشہ لکھتے لکھتے پڑھتے پڑھتے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے' بلاشبہ وہ ایک ایسا وجود مسعود تھا جس کے اٹھ جانے سے علمی محفلیں ویران ہوگئیں' علم وقلم کے مالک اپنے معبود حقیقی سے جا ملے' بلاشبہ وہ ایک ایسا وجود مسعود تھا جس کے اٹھ جانے سے علمی محفلیں ویران ہوگئیں' علم وقلم کے اعتبار سے اب اس مرتبہ ومقام کا شاید ایک بھی شخص نظر نہیں آتا۔ جب تک علم وادب اور اردو زبان زندہ رہے گی تب تک ان کی شہرت دوام رہے گی۔ بلاشبہ ان کا وجود گرانمایہ تھا مگر

کس کی بنی ہے عالم ناپائیدار میں

مرنا تو سب کو ہے کوئی آگے کوئی پیچھے لیکن کچھ لوگوں کی موت پوری جماعت' پوری انجمن کی موت ہوتی ہے۔ سچ ہے **موت العالم موت العالم**۔ اللہ اکبر! اپنے وقت کا سب سے بڑا قلمکار آج ایک لفظ لکھنے سے بھی لاچار خالق کائنات ثابت کرنا چاہتا ہے کہ' جس فصاحت وبلاغت قوت تحریر وتقریر پر انسان ناز کرتا ہے وہ اس کا اپنا کمال نہیں یہ سب حی وقیوم کی عطاء ہے۔ جب چاہے طوطی خوش نما یا قلم کے بادشاہ سے طاقت واپس لے سکتا ہے۔ **کل من علیها فان** یہ سب کچھ دیکھ کر اس عالم کی بے ثباتی کی تصویر آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتی ہے' دل کی گہرائیوں سے دعا ہے کہ اللہ رب العزت مولانا مرحوم کی مغفرت کرے' انہیں جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔

اب یاد رفتگاں کی بھی ہمت نہ رہی
یاروں نے اتنی دور بسائی ہیں بستیاں

☆☆☆☆

ہمارا اعظیم محسن......

مولانا محمد اسحٰق بھٹی

ابوبکر قدوسی

سعادت کی زندگی کی اس سے بڑی مثال کیا ہوگی کہ جو محترم اسحاق بھٹی صاحب نے گزاری .. اور عزت کی موت ان کی موت کو نہ کہا جائے تو اور کس کو کہا جائے گا..

22 دسمبر 2016 کی صبح عین فجر کے وقت عمر فاروق قدوسی کا برقی پیغام ملا کہ اسحاق بھٹی صاحب فوت ہوگئے ہیں .. دکھ کی لہر میرے اندر تک اتر گئی .. بیس برس پرانی شام کا دھندلا منظر میری آنکھوں کے سامنے ہے... جب شام کے سائے اتر رہے تھے کہ اشرف جاوید میرے سامنے بیٹھے تھے اور کہہ رہے تھے کہ "آپ کے والد تاریخ اہل حدیث پر کام کرنا چاہ رہے تھے، نہ کر سکے.. یہ ذوق آپ کو بھی وراثت میں ملا ہے، سو اس کام کو آگے بڑھانا آپ پر قرض ہے..."

میں نے عرض کیا " کہ قرض چکانے کی کیا صورت ہو؟"...

کہنے لگے کہ "اسحاق بھٹی صاحب نے شخصیات پر خاصا کام کر رکھا ہے ان سے اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی درخواست کی جائے".....

اٹھتی جوانی کے دن تھے میرے اندر جوش ضرورت سے بھی کچھ زیادہ ہی تھا.. کہا "... دیر کیوں ابھی چلتے ہیں .. ہم اٹھے اور بھٹی صاحب کے گھر چل دیئے .. میری تب تک ان سے چند ہی ملاقاتیں تھیں کچھ اندازہ نہ تھا کہ کس طرح پیش آئیں گے"... ..

'غریبوں " کی اس قدیم بستی کو سانده کلاں کہتے ہیں جہاں دماغ کا یہ بے پناہ امیر انسان رہتا تھا...

ہم وہاں پہنچے، وہ گھر میں موجود تھے،،، ترشوائی ہوئی، سیاہ رنگی خشخشی داڑھی، میانہ قد، گندمی رنگ ... ایک بزرگ ہمارے سامنے بیٹھے تھے ... ہم نے عرض گزاری کہ "اپنا لکھا ہمیں دے دیجئے

بہت سوں کا بھلا ہوگا .. "ہم نے تو جیسے جان ہی مانگ لی تھی .. اپنا لکھا جان سا ہی پیارا ہوتا ہے" ... کہنے لگے کہ "ادارہ ثقافت اسلامیہ کو اعتراض ہوگا .. "میں نے عرض کی کہ "آپ ادارہ چھوڑ چکے، اب کسی کو کیا غرض کہ آپ کیا کرتے ہیں؟" ...

... ان دنوں ادارہ ثقافت کے ڈائریکٹر رشید جالندھری تھے جو مبینہ طور پر قادیانی کہے جاتے تھے اور انہوں نے بھٹی صاحب کو خاصا تنگ کیا تھا ... اس بنا پر ہی بھٹی صاحب ادارہ چھوڑ کر گھر آن بیٹھے تھے اور نصف صدی کے بعد "چھٹیاں "منا رہے تھے ... ادارے کی ملازمت کے دنوں میں سراج منیر صاحب کے کہنے پر آپ نے یہ مضامین لکھنے کا سلسلہ شروع کیا تھا ... جب کہ "ارمغان حنیف "بھٹی صاحب کی ملازمت کے دنوں میں ہی ادارہ شائع کر چکا تھا ... جو مولانا حنیف ندوی کے بارے میں بہت عمدہ کتاب تھی ..

بھٹی صاحب نے ہلکا سا انکار کیا مگر میرے اصرار کے سامنے ہار گئے ... کچھ اشرف جاوید صاحب نے بھی میرا ساتھ دیا ... اور انہوں نے کچھ مسودے میرے حوالے کر دیئے اور یوں ان کی پہلی کتاب "نقوش عظمت رفتہ "منظر عام پر آئی ... میں بتا چکا کہ کہ ان دنوں "آتش کو جوانی چڑھی ہوئی تھی "اور کام کا بہت شوق تھا ... اس کتاب کا ٹائٹل میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا ... حکومت ہند کی تاج محل آگرے کے بارے چھپی ہوئی ایک کتاب میرے پاس موجود تھی جس میں تاج محل کی ایک خوبصورت تصویر بھی شامل تھی، جو کتاب کے حسب حال تھی ... یعنی "نقوش عظمت رفتہ ..."اس کتاب میں اکیس شخصیات کے خاکے شامل کیے گئے ... اکتوبر ۱۹۹۱ میں اس کتاب کا پہلا اڈیشن منظر عام پر آیا ... اور بہت مقبولیت حاصل کی ... احباب نے اسے بہت شوق سے پڑھا .. چونکہ اس کتاب میں بھٹی صاحب صرف اہل حدیث افراد تک محدود نہ رہے بلکہ گیارہ غیر اہل حدیث حضرات کو شامل کیا، چنانچہ یہ کتاب تمام مذھبی اور ادبی حلقوں میں مقبول ہوئی ...

بلاشبہ بھٹی صاحب کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہو رہا تھا جس میں بہت زیادہ محبتیں اور کامرانیاں باخود ا کیے ان کی منتظر تھیں......

''نقوش عظمت رفتہ'' تمام مکاتب فکر میں مقبول ہوئی اس میں اہل حدیث اور غیر اہل حدیث شخصیات کا تذکرہ تھا۔ جبکہ ایک غیر مسلم شخصیت گیانی ذیل سنگھ بھی اس میں شامل تھے۔ گیانی ذیل سنگھ اسحاق بھٹی صاحب کے بچپن کے دوست تھے اور تحریک آزادی میں علاقائی سطح پر دونوں مل کر جدوجہد کرنے میں شریک تھے۔ بعد میں ذیل سنگھ بھارت کے صدر کے عہدے تک پہنچے۔ انہوں نے بھٹی صاحب کو ہمیشہ یاد رکھا اور بطور صدر ان کو ہندوستان آنے کی دعوت بھی دی مگر بھٹی صاحب نہ جا سکے۔

نقوش عظمت رفتہ کے بعد اس سلسلے میں دوسری کتاب ''بزم ارجمنداں'' شائع ہوئی حسب سابق اس کتاب کو بھی بہت پذیرائی ملی۔ اس میں انیس شخصیت شامل تھیں۔ بھٹی صاحب کا منفرد اسلوب تحریر ان دونوں کتب میں اپنے عروج پر تھا۔ آسان اور شستہ انداز تحریر قاری کا دل موہ لیتا اس کتاب میں انہوں نے مرحومین کے ساتھ چند زندہ شخصیات کے تذکرے کو بھی شامل کیا۔

ان دو کتب کے شائع ہونے کے ساتھ ہی ''مارکیٹ'' میں آپ کے مضامین کی طلب اور انتظار سوار ہو گیا۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ملازمت کے دور میں آپ ایک مخصوص حلقے میں محدود ہو کر رہ گئے تھے اور دائرہ کار بھی محدود تھا ادارہ ثقافت سے نکل کر گوشہ نشینی اختیار کرنے کو تھے کہ ان کتب کی صورت آپ جیسے عوام میں آ گئے۔ پاکستان بھر سے عوام اور خواص آپ سے اپنی محبت کا اظہار کر رہے تھے۔ آپ دوسرے تیسرے روز ساندے سے نکلتے اور مکتبہ قدوسیہ آ جاتے، دو، تین گھنٹے یہاں بیٹھتے، لوگ آتے، آپ کی باتیں سنتے، فیض یاب ہوتے۔ یعنی اک چشمہ فیض جو پوری آب و تاب سے رواں تھا۔ آپ کی مجلس اتنی دلچسپ ہوتی کہ گمان نہ ہوتا تھا کہ ستر سالہ بزرگ کے ساتھ بیٹھنے میں یا کسی ہم عمر کے ساتھ، عمر فاروق قدوسی میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ ان کے ساتھ آپ کا خاص پیار تھا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آتے اور کہتے یار عمر ''کل سے لطیفہ آیا ہوا ہے، تم کو سنانے کے لیے صرف آیا ہوں'' اور پھر گفتنی نا گفتنی......! بھٹی صاحب کا ''نیا حلقہ احباب'' تشکیل پا رہا تھا۔

ایک روز مجھے کہنے لگے کہ ''یار ابوبکر میری بیوی کہتی ہے کہ ان لڑکوں کا ساتھ نہ چھوڑنا، جب سے ان سے تعلق بنا ہے تمام معاملات میں برکت آ گئی ہے۔'' میرا قہقہہ بلند تر تھا۔ کہ لو بی ہم بھی برکت والے بابا جی بن گئے۔ حالانکہ اصل معاملہ یہ تھا کہ ان کا قلم اتنا جان دار تھا اور لکھا اس قدر شان دار کہ ہر سو دھوم مچا رہا تھا۔

انہی دنوں میں نے ان سے کہا کہ مختلف مکاتب ہائے فکر کے بزرگوں کے بارے میں آپ کے تحریر کردہ خاکے شائع کرنا ہمارا اصل مقصد نہیں تھا۔ میں چاہتا ہوں کہ برصغیر کے اہل حدیث کی جامع اور مبسوط تاریخ مرتب کی جائے، کہ یہ میرے والد مرحوم کا ذوق اور شوق تھا۔ انہوں نے اس پر ایک قدم اٹھایا تھا کہ اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ مشاورت ہوتی رہی اور معاملات اپنی درست سمت طے ہوتے رہے۔ ان ہی دنوں ہمارے ایک دوست اور برادر بزرگ عارف جاوید محمدی اس کہانی میں آ شامل ہوئے عارف جاوید صاحب کویت ہوتے ہیں۔ میرے والد محترم کے ساتھ بھی ان کا خاص پیار تھا میرے والد پاکستان سے باہر ایک ہی سفر کر سکے تھے اور وہ کویت کا تھا اور جمعیت اہلحدیث کے کسی کام کے لیے گئے تھے اور کام بھی عارف جاوید صاحب کے ادارے جمعیت ء التراث سے متعلق تھا۔ عارف جاوید کا اہل بزرگوں اور تاریخ کے متعلق بہت ذوق اور شوق کے حامل ہیں۔ آپ بھٹی صاحب کے پاس پہنچتے ہیں اور ان ہی جذبات کا اظہار کرتے ہیں کہ جن کے لیے میں چند برس ؟؟؟ اسحاق بھٹی صاحب کے دولت کدے پہ حاضر ہوا تھا اور یوں ایک ؟؟ کہ معاملہ طے پا گیا۔ عارف صاحب نے بھٹی صاحب کے بہت سے ''ذاتی معاملات'' اپنے ذمے لے لیے اور بہت حد تک ان کو روزمرہ امور کی فکر سے آزاد کر دیا۔ اس ''آزاد فکری'' نے بھٹی صاحب کے قلم کو کسی ؟؟؟ رواں سے بھی تیز کر دیا اور تاریخ اہل حدیث کے حوالے سے کتنے ہی شاہ کار منظر عام پر آئے۔

میرے والد محترم نے تاریخ اہل حدیث پر لکھنے کا جو ارادہ باندھا تھا اس کا ایک خاکہ لکھا تھا جس میں چند زمانی کے ساتھ بالترتیب ابواب بندی کی تھی۔ کہ اس ترتیب سے لکھا جائے گا۔

جناب اسحاق بھٹی صاحب کا انداز اور اسلوب اور سوچ الگ تھی ان سے طے ہوا۔ کہ مختلف میدانوں میں اہل حدیث حضرات کی کاوشوں اور ان کے ذاتی حالات کو قلم بند کیا جائے اس میں تاریخ اور تاریخی واقعات کے بہت سے پہلوؤں کا احاطہ ہو جائے گا۔ عارف جاوید صاحب نے بھٹی صاحب سے لکھوانے کی ذمے داری اٹھائی میں نے شائع کرنے کی۔ چنانچہ اس سلسلے کی پہلی کتاب منظر عام پر آئی۔ جس کا نام تھا ''برصغیر میں اہل حدیث کی آمد'' جناب اسحاق بھٹی صاحب ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ملازمت کے دنوں میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام ''برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش'' تھا۔ ''اہل حدیث کی آمد'' دراصل اس کتاب کا ہیپا روپ تھا۔ جس میں مناسب قطع و برید اور اضافے کیے گئے تھے۔ یہ کتاب خاصی پسند کی گئی۔ اس کتاب کو آپ اس سلسلے کی تمہید اور مقدمہ کہہ سکتے ہیں جو آگے شروع کرنے کا ہمارا ارادہ تھا۔

اس سلسلے کی دوسری کتاب ''برصغیر میں اہل حدیث خدام قرآن'' تھی جو تقریباً سات سو صفحات پر مشتمل تھی اس میں 185 اصحاب کے تذکرے شامل تھے جب کتاب لکھی جا رہی تھی تو ایک روز مذاق میں میں نے بھٹی صاحب کو کہا کہ آپ لاکھ لکھتے رہیں، اگر ہم ناشران ان کتب کو شائع ہی نہ کریں تو آپ کیا کر سکتے ہیں تو خدام قرآن صرف لکھنے والے تو نہ ہوئے، ناشران بھی تو ہیں بھٹی صاحب ہنستے ہوئے کہنے لگے بات تو تمہاری درست ہے کہ ان کتب کو شائع کرنا بھی تو خدمت ہی ہے۔ میں نے تو یہ بات ازراہ تفنن کی تھی مگر آپ نے اس کو سنجیدہ طور پر لیا اور اپنی کتاب خدام قرآن کے آخر میں چھتیس اہل حدیث ناشرین اور ان کے اداروں کا مختصر تعارف بھی دے دیا۔

جن دنوں خدام قرآن شائع ہوئی۔ ان ہی دنوں میں میری توجہ مکتبہ قدوسیہ کے علاوہ کچھ اور کاروباری امور کی طرف ہوگئی اور بھٹی صاحب کی کتب کی اشاعت میں تاخیر ہونے لگی۔ آپ اتنے زیادہ مروت والے تھے کہ بہت عرصہ مجھ سے اس بابت کوئی شکایت نہیں کی۔ دوسری طرف وہ مسلسل لکھ رہے تھے۔ فطری بات ہے کہ بندہ جب لکھتا ہے تو چاہتا بھی ہے کہ یہ شائع ہو اور میں ایسا کر نہیں پا رہا تھا۔ ایک روز مکتبہ قدوسیہ تشریف لائے۔ ان کو بات کرتے ہوئے جھجک ہو رہی

تھی لمبی تمہید باندھی اور کہنے لگے کہ ''میری کتب شائع نہیں ہو پا رہی اگر آپ بھائی ناراض نہ ہوں تو کچھ دوسرے ناشرین دلچسپی کا اظہار کر رہے ہیں۔ میں ان کو چند کتب دے دوں'' الحمدللہ! میرا مزاج ان معاملات میں بہت کھلا رہا ہے۔ میں نے ان کی ہچکچاہٹ بھری تمہید اور مدعا کو بھرپور ''انجوائے'' کیا اور یہ کہتے ہوئے کہ:

جا تجھ کو آزاد کیا

ایک قہقہہ لگایا اور کہا کہ ''اس میں ایسی کیا بری بات ہے۔ اگر دوسرے دوست اس نیکی کے کام میں شریک ہونا چاہتے ہیں تو مجھے کیا اعتراض ہے۔'' اور سچی بات یہ ہے کہ یہ اعزاز اور خوش نصیبی کہ اللہ نے یہ کام مجھ سے شروع کروایا یہ تو میرے لیے ہی خاص رہنا تھا۔ تو بخیلی کس بات کی۔ یقیناً سرد اور تاریک راتوں میں، اٹھ کر فصل کا بیج لگانا، اس کی راکھی کرنا، بہت محنت طلب کام ہوتا ہے، اس کے لیے حوصلہ مند دل درکار ہوتے ہیں اور جب فصل پک جاتی ہے اس کو کاٹنے کے لیے وہی راتوں کا شب بیدار کسان سب کو بلاتا ہے کہ آؤ اس کو مل کر کاٹیں۔ ایسے میں اگر کوئی تنگ دل ہو اور وہ کہے کہ میں نے ہی اس تمام فصل کو کاٹنا ہے تو کبھی فصل خراب بھی ہو جاتی ہے۔ تو میں نے اپنی اس کاشت کو خراب تو نہیں کرنا تھا۔ زندگی صرف منفی پہلو اور باتوں کے گرد نہیں گھومتی اس میں بے شمار مثبت باتیں بھی ہوتی ہیں جو دل کو حوصلہ دیتی ہیں جب اسحاق بھٹی صاحب فوت ہوئے تو جس طرح پاکستان بھر سے احباب نے مجھ سے آکر تعزیت کی، تب مجھے یہی لگا کہ جناب کو ہمارا اس کا آغاز کرنا نہ صرف یاد ہے بلکہ وہ اس کے قدردان بھی ہیں فجزاﷲ احسن الجزاء۔

اور سچی بات ہے کہ دوسرے احباب کا اس کام میں شرکت کرنا نفع مند بھی ثابت ہوا کہ بھٹی صاحب کا کام وسعت اور سرعت کے ساتھ منظر عام پر آیا۔

خدام قرآن میں ان احباب کا تذکرہ تھا جن کی خدمات کا محور قرآن کریم تھا۔ اس کے بعد خدمات حدیث کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب قافلہ حدیث تھی اس میں 26 ارباب علم کا تذکرۃ تھا اور یہ کتاب 646 صفحات پر محیط تھی۔ حسب سابق یہ کتاب بھی خاصی پسند کی

گئی۔ قافلہ حدیث کے بعد اسی سلسلے کی تین مزید کتب ہم نے شائع کیں، دبستان حدیث، گلستان حدیث، چمنستان حدیث، یوں خدمات حدیث کے اس سلسلے کی بالترتیب چار کتب شائع ہو چکی ہیں جبکہ آخری کتاب ''بوستان حدیث'' کے نام سے بھٹی صاحب مکمل کر چکے تھے۔ کتابت کے مرحلے میں تھی کہ داعی اجل کا بلاوا آ گیا اور بھٹی صاحب اپنے رب کے حضور چلے گئے۔ جبکہ متفرق شخصیات کے باب میں 2009 میں آپ کی تیسری کتاب ہفت اقلیم شائع ہوئی نام کی مناسبت سے اس میں سات شخصیات کا تذکرہ تھا، اور ساتوں اصحاب اپنے اپنے مقام میں صاحب اقلیم بھی تھے۔ جبکہ اس سلسلے کی اگلی کتاب ''محفل دانش منداں'' بھی لکھی جا چکی تھی۔

عمر کے تفاوت کے باوجود بھٹی صاحب سے ہمارا تعلق بے تکلفانہ تھا اور اس کا سبب ان کی بے پناہ شفقت تھی۔ انہوں نے اپنے مزاج پر کبھی بھی ناروا قسم کی بزرگی مسلط نہ کی تھی۔ وہ ہم کو بے تکلفانہ ناشر کی شر سے متصف کرتے اور کہتے کہ ناشر کہا جائے یا پبلی شر دونوں میں شر آتا ہے اور ان کی اس دریافت پر ہمیشہ ایک قہقہہ بلند ہوتا۔ ان کی مجلس میں بے جا تکلف کا دور دور تک نشان نہ ہوتا۔ عمدہ مزاج کا خود بھی لطف اٹھاتے۔ فیصل آباد کے رمضان سلفی نے ان کے حالات پر ایک کتاب لکھی۔ کتاب میرے پاس طباعت کے واسطے آئی تو رمضان سلفی صاحب کا فون آیا کہ بھٹی صاحب کے نام کے ساتھ ''مورخ اہل حدیث'' ضرور لکھنا ہے۔ میں نے لکھوا دیا ابھی سرورق کا ڈیزائن بنا تھا تو بھٹی صاحب تشریف لے آئے۔ مورخ اہل حدیث کا لفظ دیکھ کر کہنے لگے ''یار یہ ضرور لکھنا تھا! رہنے دیتے'' میں نے بے ساختہ کہا ''ٹھیک ہے مورخ کاٹ کر مورکھ کر دیتے ہیں۔'' بھٹی صاحب کا قہقہہ مجھ سے بلند تھا۔ انہوں نے میرے اس جملے کا بہت مزہ لیا اور دیر تک ہنستے رہے اور جملے کی تعریف کرتے رہے اور ہاں اسی صاحبِ وسیع القلب نے مجھ پر گستاخی بزرگاں کا کوئی فتویٰ بھی نہ لگایا۔

ایک روز میں نے مذاق میں کہا کہ آپ نے بے شمار افراد کے بارے میں لکھا۔ لیکن آپ کے بارے میں کوئی نہ لکھے گا۔ پھر میں نے خود کہا کہ بے فکر رہیں میں آپ کے بارے میں لکھوں گا۔ اس پر بہت ہنسے۔ پھر عارف جاوید محمدی صاحب نے ان سے کہا کہ آپ اپنی خودنوشت تحریر کریں

اور یوں ''گذر گئی گذران'' منظر عام پر آ گئی۔ شاید ان کے ذہن کے کسی گوشے میں ہم لوگوں کی ''استعداد کار'' رہی ہوگی کہ ہم لوگ واقعی ان کے بارے میں یا سوانح حیات نہیں لکھیں گے سوانہوں نے ہمارا یہ قرض بھی خود ہی ادا کر دیا اور اپنی ''سوانح حیات'' ''گذر گئی گذران'' لکھ گئے۔

ان کے مزاج میں اس قدر وسعت تھی کہ آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ جن دنوں ہفت اقلیم لکھی جا رہی تھی ان دنوں کا ذکر ہے کہ ان کے مضامین کمپوزنگ کے لیے آ رہے تھے۔ علامہ شہید اسلام احسان الٰہی ظہیر شہید کے بارے ان کا مضمون آیا۔ علامہ شہید سے گہرے تعلق کے سبب اس مضمون کا انتظار تھا۔ شاید ہم ''زیادہ'' کی امید پر تھے مگر:

ہم تو سمجھتے تھے برسات بھی ہوگی شراب کی برسات
جب آئی برسات، تو برسات نے دل توڑ دیا

مضمون ہماری امید کے خلاف تھا۔ میں نے بھٹی صاحب کو کئی صفحات پر مشتمل خط لکھا۔ اس میں ان کے مضمون کے بعض مندرجات سے اختلاف بھی تھا۔ غالباً بارہ صفحات پر مشتمل خط تھا۔ چند روز میں بھی تشریف لے آئے۔ میرا خط اور اپنے مضمون کا مسودہ ہاتھ میں تھامے ہوئے اور مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے۔ کہنے لگے ''اتنی محنت کی تم نے اور اتنا لمبا خط لکھا جو باتیں غلط تھیں بتا دیتے، میں کاٹ دیتا۔'' نہ ایک لفظ بہ بحث نہ اپنے موقف پر اصرار۔ نصف صدی کا فرق تھا ان کا مجھ سے۔ درجنوں کتابیں لکھ چکے تھے۔ کمال کا انکسار تھا ان میں۔

! مکتبہ قدوسیہ نے مولانا محمد اسحاق بھٹی کی گیارہ کتب شائع کیں۔ جبکہ دو کتب اشاعت وطباعت کے مراحل میں ہیں۔ اب آپ ان کے نام ملاحظہ کریں۔

(1) نقوش عظمت رفتہ (2) بزم ارجمنداں (3) ہفت اقلیم (4) برصغیر میں اہل حدیث کی آمد (5) قافلہ حدیث (6) دبستان حدیث (7) گلستان حدیث (8) چمنستان حدیث (9) برصغیر میں اہل حدیث خدام قرآن (10) مولانا احمد دین گکھڑوی (11) اسلام کی بیٹیاں (12) محفل دانش منداں (13) بوستان حدیث۔

عمر کے اس تفاوت کے باوجود ہماری ان سے دوستی تھی۔ ایسے ہی جیسے کسی پوتے کی اپنے دادا

سے بے تحاشا دوستی اور بے تکلفی۔ کچھ ایسا ہی تو رشتہ تھا ان کا اور ہمارا:

میں کیا لکھوں جو میرا تمہارا رشتہ ہے
وہ عاشقی کی زبان میں کہیں بھی درج نہیں

اور اس سے بھی زیادہ سچی بات یہ ہے کہ میرے سے کہیں زیادہ ان کی محبت برادر عزیز عمر فاروق قدوسی سے تھی۔ میں اپنی بے ہنگم مصروفیات کے سبب وقت کم بھی دے پاتا اس پہ وہ شکوہ کناں بھی رہتے۔ عارف جاوید صاحب سے جلدی گاہے گاہے شکایت بھی کرتے مگر میں ویسے کا ویسا ہی رہتا۔ مگر آج ان کا چہرہ آنکھوں کے سامنے ہے۔ وہی شفقت، ویسی ہی محبت مگر شاید یہ کہتے ہوئے کہ میں تم کو کہتا تھا کہ تم آتے نہیں، خیال نہیں کرتے میرا۔ لو اب ''ڈھونڈو'' مجھے چراغ رخ زیبا لے کر۔

ہائے آج میں سوچ رہا ہوں کہ عمر فاروق قدوسی خوش قسمت نکلے کہ ان کے پاس مسلسل جاتے ان سے سیکھتے۔ عارف جاوید صاحب بتا رہے تھے کہ بھٹی صاحب کے گھر والے ان کو کہنے لگے کہ اب ان کا جی نہیں لگتا، دل کی بات کسی سے کم ہی کرتے ہیں۔ صرف جب عمر فاروق قدوسی آتے ہیں۔ تب یہ بدلے بدلے لگتے ہیں جیسے کسی کو من پسند دوست مدت بعد ملے، عارف صاحب عمر فاروق سے کہہ رہے تھے کہ وہاں جانے میں سستی نہ کیا کرو۔

کئی برس پرانی بات ہے کہ ایک روز مکتبے پر آئے اور کہنے لگے کہ ''یار میں اس ڈاکٹر فضل الٰہی سے بہت خوش ہوا ہوں۔'' چند روز پہلے ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب نے مرکز اہل حدیث لارنس روڈ پر جمعہ پڑھایا تھا۔ نماز جمعہ کے بعد حاضرین ڈاکٹر صاحب کے گرد جمع تھے اور ڈاکٹر صاحب آہستہ آہستہ مسجد سے نکل رہے تھے۔ بھٹی صاحب جمعہ پڑھنے گئے اور ڈاکٹر صاحب کے گرد اس ہجوم عاشقاں کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ آپ ڈاکٹر صاحب سے ملے۔ ڈاکٹر صاحب نہایت عقیدت و احترام سے پیش آئے اتنے میں دروازہ آ گیا۔ بھٹی صاحب اپنا جوتا اٹھانے جھکے۔ ڈاکٹر صاحب تیزی سے آگے بڑھے اور بھٹی صاحب کا جوتا اٹھا لیا۔ لوگ حیران کہ یہ بابا جی کون ہیں کہ اتنی عزت افزائی کر رہے ہیں ان کی ڈاکٹر فضل الٰہی۔ بھٹی صاحب اس بات کو فراموش نہ کر سکے اور ڈاکٹر صاحب کے لیے

بہت محبت بھرے الفاظ کہتے رہے۔

جماعتوں میں اکھاڑ پچھاڑ اور گروپ بندی کا سلسلہ پرانا ہے اور ہمہ وقت جاری وساری رہتا ہے۔ ایک روز دو جماعتوں کے اختلاف کے بارے میں مجھ سے پوچھنے لگے کہ "یار ابوبکر یہ کیوں الگ ہو گئے ہیں" میں نے مذاقاً کہا ان کو چھوڑیں اپنی بات کرتے ہیں اور ایک الگ جماعت بناتے ہیں آپ امیر بن جایئے گا میں ناظم اعلیٰ جتنے دن چلیں گے بسم اللہ اور پھر نہ نبھے گی تو الگ ہو جائیں گے۔ پھر ہماری بھی دو الگ الگ جماعتیں بن جائیں گی اور بھٹی صاحب کا ایک قہقہہ بلند ہوا "یار تمہاری تجویز بہت پسند آئی لیکن فرصت میں یہ کام کریں گے۔"

پچھلے برس مجھے ان کے ساتھ سفر کرنے کا بھی موقع ملا، سیالکوٹ میں ہمارے مکتبے کی کتاب کی تقریب رونمائی تھی۔ جس کا اہتمام مولانا محمد علی جانباز کے ادارے جامعہ رحمانیہ نے کیا تھا۔ قاری عبدالرحمان جو مولانا جانباز کے داماد بھی ہیں اور ان کے مدرسے کے ناظم بھی اور ان کے ساتھ مولانا کے بیٹے عبدالحنان۔ دونوں بھٹی صاحب سے نہایت عقیدت کا رشتہ رکھتے ہیں، انہوں نے بھٹی صاحب کو بھی مدعو کر رکھا تھا۔ یہاں میں یہ ذکر کر دوں کہ بھٹی صاحب کی شخصیت پر جو کتاب محترم رمضان یوسف سلفی صاحب نے لکھی ہے وہ جامعہ رحمانیہ نے ہی شائع کی ہے قاری عبدالرحمان نے مجھے کہا کہ آپ نے بھٹی صاحب کو اپنی گاڑی پر لے کر آنا ہے، بہت خوش گوار سفر رہا۔ ہم نے تمام راستہ بھٹی صاحب کو سنا، لطائف، واقعات، سب چل رہے تھے۔ تحریک آزادی ہند سے متعلق کافی گفتگو رہی۔ دلچسپ امر ہے کہ میرے والد محترم مسلم لیگی سوچ کے حامل تھے جبکہ میں اس کے برعکس پاکستان سے تمام تر محبت کے باوجود تقسیم وطن کو تقسیم امت بھی جانتا ہوں۔ ہندوؤں کی تنگ نظری اور پست سوچ تقسیم کے حامیوں کے دلائل میں وزن پیدا کرتی ہے جبکہ ہندوستان کے مسلمانوں کا ایکا نہیں اور برصغیر کے مسلمانوں کی تین جگہوں پر تقسیم وحدت ہند کے حامیان کے لیے دلائل مہیا کرتی ہے۔ اس بحث کا یہاں مقام نہیں۔ لیکن چلتے چلتے ایک دلچسپ واقعہ لکھتا چلوں یہ 1986 کا ذکر ہو گا میں تب کالج میں پڑھتا تھا، اور اہل حدیث یوتھ فورس کے لیے خاصا سرگرم عمل۔ تب ہم اتنے

''بڑے'' نہ تھے کہ مسلم لیگی یا کانگرسی ہوتے۔ ہم دوستوں نے مل کر ایک مقابلہ مضمون نویسی منعقد کیا۔ اس کا عنوان تھا ''تحریک پاکستان میں اہل حدیث کا کردار'' مقالے جمع ہو گئے۔ میرے والد محترم مولانا عبدالخالق قدوسی اور حافظ صلاح الدین یوسفصاحبکو منصف ٹھہرایا گیا۔ میں مضامین کا پلندہ اٹھائے الاعتصام کے دفتر گیا۔ راستے میں مولانا عطاء اللہ حنیف رحمۃ اللہ علیہ کے لیے کوئی پیغام تھا۔ ان کے پاس رکا۔ وہ مجھ سے پوچھنے لگے یہ کیا کاغذات اٹھائے پھر رہے ہو میں نے عرض کی کہ یہ مقابلہ کروایا اور مضامین ہیں۔ مولانا بھوجیانی مسکرانے لگے اور کہنے لگے ''بڑے مسلم لیگی بنے پھرتے ہو'' تب تک مجھے مولانا کے سیاسی رجحانات کا پتہ نہ تھا۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ مدت بعد میں ذہنی طور پر مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے کا قائل ہو گیا

ایک اور بات یاد آئی جب ہم نے کتاب ''ہفت اقلیم'' شائع کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی خبر نکلی کہ اس میں پہلا مضمون مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے بارے میں ہے۔ تو جماعت اسلامی کے بعض قریبی احباب نے مجھ سے رابطہ کیا کہ بھٹی صاحب کو کہیں کہ اس میں مناسب قطع برید کر دیں۔ ویسے ہی نہ شائع کر دیا جائے۔ قصہ اس کا یوں تھا کہ مولانا مودودی کے بارے میں بھٹی صاحب کا مضمون گذرے وقتوں میں مجیب الرحمان شامی کے ''قومی ڈائجسٹ'' میں شائع ہو چکا تھا۔ اس مضمون میں بھٹی صاحب کے قلم کی کاٹ احباب جماعت کے نازک مزاجوں پر گراں گذری تھی اور بھٹی صاحب ان دنوں جماعت کے ناپسندیدہ افراد میں شامل ہو گئے تھے۔ میں نے بھٹی صاحب سے کہا کہ ان کی بات مان لینے میں کیا حرج ہے؟ ویسے بھی کسی ڈائجسٹ میں چھپنے والے مضمون اور کتاب میں فرق ہوتا ہے۔ کتاب کی حقیقت زیادہ بلند اور مضبوط ہوتی ہے۔ بھٹی صاحب نے اس بات کو تسلیم کیا اور بعض باتیں قلم زد کر دیں۔ یہ بھٹی صاحب کا بڑا پن تھا کہ وہ ہم جیسے ''چھوٹوں'' کی بات بھی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مان لیتے تھے یہی وجہ ہے کہ زندگی بھر ان کے ساتھ کبھی تکرار کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اللھم اغفرله وارحمه

ایک عجب مردِ درویش رح

چودھری سہیل گورداسپوری

کسی بڑے انسان کی سوانح حیات لکھنے کی غرض وغایت ایک انگریز شاعر نے کچھ یوں بیان کی ہے۔

''بزرگوں کی سوانح حیات اور زندگیوں کا مطالعہ ہمیں اس امر پر آمادہ کرتا ہے کہ ہم بھی ان کی طرح اعلیٰ اخلاقی اقدار اپنا کر جہد مسلسل سے رفعتیں وعظمتیں حاصل کر سکتے ہیں اور اس دنیا سے گزرتے ہوئے اپنے پیچھے وقت کی ریت پر ایسے نقش چھوڑ سکتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر وہ تنہا انسان جو بحرِ حیات کی تلاطم خیز موجوں کے ساتھ مقابلہ کرتا ہوا تھکن سے چور کسی شکستہ تختے پر طوفان اور امواج کے تھپیڑوں کے رحم وکرم پر ہو۔ پھر سے ایک نئی قوت وتوانائی حاصل کرے۔''

یہ غرض ہمیشہ سے سوانحات کے لکھنے والوں کے مدِ نظر رہی ہے۔ اور ویسے بھی آج کل سیاسی ہنگامہ آرائی، باہمی افراط وتفریط واختلافات کا دور دورہ ہے۔ زمانے کی اقدار بدل چکی ہیں خیالات اور رجحانات میں ایک غیر معمولی انقلاب برپا ہے۔ بے اعتدالیوں اور برق رفتاری کے ساتھ انجام سے بے خبر دنیا کسی نامعلوم اور یقینی غلط سمت کی طرف بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس افراتفری میں کسی کو اتنی فرصت نہیں کہ چند لمحوں کے لئے رک کر دیکھے اور سمت کا صحیح تعین ہی کر لے موجودہ نسل کسی نقش کہن کو دیکھنے کو تیار نہیں ہے۔ ایسے میں ماضی کی یہ فرسودہ بیانی بظاہر بے وقت کی راگنی ہے۔ جب تک قوموں میں اہل قلم موجود ہوتے ہیں وہ اپنی مذہبی و قومی تاریخ، اکابر کے شاندار کارنامے اور تابناک ماضی کو اپنا قیمتی سرمایہ سمجھتے ہوئے اسے آئندہ نسلوں تک منتقل کرتے رہتے ہیں اور ہر اس پرانی یاد اور پرانے واقعہ کو جس میں نوجوانوں کے لئے کوئی نہ کوئی اچھا سبق ہو کسی نہ کسی دل چسپ طریقے، بہانے سے منصۂ شہود پر لے آتے ہیں۔ ایک ایسے دور میں جب نوجوان نسل کا رشتہ اپنے اسلاف سے توڑ کر انہیں بے دینی اور بے راہ روی کا درس دیا جا رہا ہو ایسے میں اپنے اسلاف کی زریں تاریخ، شاندار کارنامے، روشن

خدمات اور قابل فخر روایات سے موجودہ نسل کو آگاہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ تاکہ نئی نسل اپنی مذہبی اور ملی ذمہ داریوں سے باحسن عہدہ برا ہو سکے۔ اپنے ان اکابر کی خدمات کو اجاگر کرنا اس لئے بھی ضروری ہوتا ہے کہ وہ لوگ روشنی کے وہ مینار ہوتے ہیں جن کے نقشِ پا کو نشان راہ بنا کر ہم منزل مقصود پر باآسانی پہنچ سکتے ہیں۔ ہم نے بھی ایک تو اسی غرض سے، دوسرا چند دوستوں و ساتھیوں کے مجبور کرنے پر قلم اٹھانے کی جسارت کی ہے۔ ورنہ حضرت بھٹی صاحبؒ جیسے بڑے انسان پر کچھ لکھنا ہمارے جیسے اطفال مکتب پر آسان نہیں ہوتا اس لئے کہ اتنے بڑے انسان پر کچھ لکھتے وقت ہر ہر لفظ سوچ سمجھ کر لکھنا پڑتا ہے تاکہ کہیں کوئی بے ادبی و گستاخی کا پہلو نہ نکل آئے۔ علاوہ اس کے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ مولاناؒ کی شخصیت ہمارے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ تھی۔

ہم دیکھتے ہیں کہ تحریکِ آزادی ہند، تحریک ختم نبوت ﷺ اور تحریک قیام پاکستان میں حصہ لینے والے سرفروشوں میں مسلک اہل حدیث سے وابستہ افراد نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔ ان متحرک اور فعال بزرگوں کی جہد مسلسل کی بدولت برِصغیر پاک و ہند میں بے شمار مدرسین، محدثین، مفسرین، واعظین، مبلغین، مجاہدین اور مصنفین پیدا ہوئے۔ جنھوں نے ایک طرف خالص دین اسلام کی مشعل روشن رکھی تو دوسری طرف اسلامی صحافت کا پرچم تھاما۔ اپنے تن من دھن کی قربانیاں دے کر ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیے جن کو رہتی دنیا تک یاد رکھا جائے گا۔ الغرض برِصغیر کی تحریک آزادی کی تاریخ میں حاملین مسلک اہل حدیث کا کردار ایک روشن باب کی طرح ہے تاریخ کا طالب علم ان عظیم سپوتوں کے کارناموں سے کبھی صرف نظر نہیں کر سکے گا۔ ہمیں اپنے ان کابر کے کارناموں پر ہمیشہ فخر رہے گا۔ جو کردار کی دنیا میں جبل عظمت تھے۔ ہمارے ممدوح حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ بھی انہی پاک باز لوگوں میں سے ایک تھے۔ محترم بھٹی صاحبؒ نے ہی ہم کو بتلایا تھا کہ مولانا ابوالکلامؒ کون تھے۔ حضرات لکھویؒ، غزنویؒ اور روپڑیؒ بزرگ کیا تھے حضرت شیخینؒ کیسے تھے قصوری خاندانؒ کے بود و باش کیسے تھے۔ جن کا تذکرہ اگر تاریخ سے نکال دیا جائے تو تاریخ کے پلے ہی کچھ نہیں رہتا۔ ایسی ایسی ہستیاں ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت میں سرتاپا غرق تھیں۔ آج کے اس پرفتن دور کے اندر جن کی مثل ڈھونڈنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔

محترم بھٹی صاحب ؒ کا ملک کے دینی وادبی حلقوں میں ایک نمایاں اور امتیازی مقام تھا۔ آپ ؒ کی زندگی پر اگر مفصل لکھا جائے تو طویل وقت اور اوراق کی ضرورت پڑے گی۔ جماعت اہل حدیث میں ان سے محبت تو فطری تھی لیکن دوسرے مکاتبِ فکر کے لوگوں میں بھی آپ کا بڑا احترام پایا جاتا تھا۔

محترم بھٹی صاحب ؒ نے جہاں قرآن اور صاحب قرآن ﷺ پر لکھا وہیں آپ ؒ نے حدیث اور علوم حدیث کے طالب علموں پر بھی اپنا قلم چلایا۔ بہت سارے اکابرین جماعت کا اجمالی تعارف شائع کیا۔ اک درِ نایاب جمع کیا۔ زمین نے گویا اپنے چھپے خزانے اگل دیے اور یہ سب کچھ اپنی کتب میں محفوظ کر دیا۔ پوری جماعت کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا۔ اہل ذوق کے لئے ایک گرانقدر سرمایہ چھوڑا۔ اتنا کام کیا جو ایک پوری جماعت یا سوسائٹی کے کرنے کا تھا۔ پھر اس پر بھی وہ فخر و غرور کی بجائے ہمیشہ عاجزی و انکساری سے جئے۔ محترم بھٹی صاحب ؒ نے وہ تحریری خدمات سرانجام دیں جس پر آنے والی نسلیں بھی ان کی احسان مند رہیں گی۔ ان کی تحریروں میں ہمیں غیرت و حمیت، جوان مردی اور جاں نثاری کا پیغام ملتا ہے۔

محترم بھٹی صاحب ؒ کی تصانیف پر ایک نظر ڈالیں تو بعض وجوہ سے آپ کی کتابیں اپنے معاصر حضرات سے امتیازی شان اپنے اندر رکھتی ہیں، معلومات کا خزانہ ہیں۔ آپ ؒ نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا دیانتداری کی بات ہے کہ ان کی تحریریں اس عنوان پر سند کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کو پڑھیں تو معلومات کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر نظر آتا ہے۔ اس کی گہرائی تک رسائی حاصل کریں تو موتیوں کے ڈھیر پائے جاتے ہیں۔ طرز تحریر، اسلوب بیاں، ایسا دل کش، سادہ، عام فہم اور معتدل جو ذہن و قلب میں نقش ہوتا چلا جائے۔

حضرت بھٹی صاحب ؒ نے جن شخصیات کے بارے میں لکھا ان میں پرانی وضع کے بزرگ بھی تھے اور نئی طرز فکر کے علمبردار بھی۔ اور کچھ ایسے حضرات بھی ہیں جنہوں نے جدید و قدیم کے درمیان مفاہمت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس اعتبار سے یہ مضامین صرف تنوع نہیں بلکہ دلچسپ اور بصیرت افروز بھی ہیں۔ ان میں نہ صرف عظیم واقعات۔ حادثات اور کئی نامور شخصیات کا ذکر ہے۔ بلکہ ان کی زندگی کے بعض چھوٹے چھوٹے ایمان افروز واقعات کا تذکرہ بھی ہے۔

آپؒ کی تحریروں میں اکابرین اہل حدیث کی زندگیوں کے وہ گوشے بھی ہمارے سامنے آئے جن سے ہم نا آشنا تھے۔

آپؒ کی تحریروں میں علم وتحقیق کی روشنی بھی تھی اور فکر سلیم کی سنجیدگی بھی۔آپؒ نہایت موثر اور ٹھوس تحریر کا ملکہ رکھتے تھے مختصر الفاظ میں لیکن جامع گفتگو کرنا آپ کا خاصہ تھا تحریر میں ایسا دل پذیر اسلوب اپناتے تھے کہ قاری کے لئے آپؒ کی پوری تحریر پڑھنا فرض ہو جاتا تھا۔آپؒ نے جب لکھنا شروع کیا تو اس میں اعتدال کی وہ مثال قائم کی کہ خود اس میں ضرب المثل بن گئے۔نامناسب و نازیبا الفاظ کا استعمال آپؒ پر گراں گزرتا تھا۔

یہی وہ خوبیاں تھیں جس نے آپؒ کو دوستوں اور غیروں کی نظروں میں باوقار بنا دیا تھا۔

آپؒ چلنے میں علم کا وقار، متانت و سنجیدگی لئے ہوئے جس مجلس میں ہوتے اہل مجلس کی نگاہوں کا مرکز ہوتے۔جب بولتے تو اہل مجلس میں تاریخ کے موتی لٹاتے۔آپؒ کی ان ہی خوبیوں نے آپؒ کو ہر دل عزیزی اور محبوبیت کے مقام پر فائز کرایا تھا۔آپؒ نمونہ اسلاف تھے۔آپؒ کی ذات سے بہت ہی خیر و برکت کی یادیں وابستہ ہیں۔

آپ میرے دادا جان حضرت مولانا محمد عبداللہ گورداسپوریؒ کے پرانے ساتھیوں میں سے تھے اس لئے کئی بار ہمارے ہاں بورے والا تشریف لائے آپؒ اپنی گفتگو اور تحریروں میں بھی حضرت گورداسپوریؒ اور ان کی حکیمانہ وظریفانہ باتوں کا اکثر ذکر فرمایا کرتے تھے۔حضرت گورداسپوریؒ کے بیٹے اور میرے چچا جان حافظ محمد لقمان سلفیؒ (میاں چنوں) کی وفات پر آپؒ اپنے داماد کے ساتھ تعزیت کے لئے بورے والا ہمارے ہاں تشریف لائے تو حضرت دادا جانؒ اپنی مسجد کے برآمدہ میں احباب کے ساتھ زمین پر ہی صفوں پر ہی تشریف فرما تھے آپؒ چپکے سے آئے۔سلام کیا اور حضرت گورداسپوریؒ جو بیٹھے ہوئے تھے کو عقب سے جپھی ڈال کر آنسو بہانے لگے۔حاضرین مجلس کو جب معلوم ہوا کہ آپ حضرت بھٹی صاحب ہیں تو تعزیت کے اس انداز سے بڑے متاثر ہوئے۔

حضرت گورداسپوریؒ کی وفات پر آپؒ ناسازی طبع کی وجہ سے خود تو تشریف نہ لا سکے لیکن اپنے چھوٹے بھائی جناب سعید بھٹی صاحب حفظ اللہ کو بھیجا۔خود فون پر طویل تعزیت فرمائی اور حضرت گورداسپوریؒ کے ایسے ایسے اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا جو ابھی تک خود ہمارے علم میں بھی نہ تھے۔

آپؒ اپنے معمولات اور اوقات پر اتنے مستقل مزاج تھے کہ امیر ہو یا غریب،

خواص ہوں یا عوام الناس میں سے کوئی، عالم ہو یا جاہل بلا امتیاز نشست اختیار کرتے، وہیں تشریف رکھتے اور ہر ایک سے محبت فرماتے۔ خوش روئی وخوش اخلاقی سے حال دریافت فرماتے۔ یوں محسوس ہوتا کہ ایک باپ اپنی اولاد سے یا ایک دادا اپنے پوتوں سے محوِ گفتگو ہے۔ غرض وسیع القلب ووسیع الصدر تھے۔

" محترم بھٹی صاحبؒ جب حضرت مولانا عارف جاوید محمدی صاحب حفظہ اللہ اور بقیۃ السلف حضرت مولانا محمد یوسف انور صاحب حفظہ اللہ جیسے بزرگوں کے ساتھ محوِ گفتگو ہوتے تو ایک اور ہی انداز ہوتا، جب جماعتی صحافت کی شان محترم جناب رانا شفیق خان پسروری حفظہ اللہ کے ساتھ ہوتے تو محبت وشفقت کا نرالا ہی ڈھنگ ہوتا، جب میرے برادرِ محترم جناب رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ اور حضرت مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی حفظہ اللہ کے ساتھ ہوتے تو محفل کا انداز کچھ اور ہی ہوتا تھا۔ غرض کس کس کا نام لوں آپ کے ساتھ جو بھی ایک دفعہ مل لیتا وہ آپؒ کو اپنا ہی سمجھتا تھا۔ ان کا وجود خیر وبرکت کا سبب تھا۔ ان سے علم اور علماء کا وقار قائم تھا۔

آپؒ کی وفات کو تقریباً دو ماہ ہو چکے ہیں مگر آپؒ کی یادیں ہیں کہ ختم ہونا تو دور کی بات، کم ہونے کا نام ہی نہیں لیتیں۔ یہ حال صرف میرا ہی نہیں ہے بلکہ ان سے تعلق رکھنے والے سب دوست احباب کا ایسا ہی حال ہے۔ کیونکہ آپؒ اپنے تعلق رکھنے والوں سے اتنی محبت کرتے کہ سامنے والا یہ سمجھتا کہ بھٹی صاحبؒ کو سب سے زیادہ میں ہی محبوب ہوں۔

یوں تو جانے والوں کی یادوں میں کمی ہونا ایک فطری عمل ہے۔ مگر آپؒ جیسی ہستیوں کی یادوں کو بھلانا ناممکن ہوتا ہے۔ آپؒ کی نماز جنازہ میں شامل ہونے کے باوجود آپؒ کی مرگِ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقین نہیں آتا۔ آپؒ جیسے لوگوں کا وجود ہر دور میں نشانِ منزل ہوتا ہے۔ وہ کیا گئے تاریخ کا ایک روشن باب بند ہو گیا۔ علم وتاریخ کا ایک جیتا جاگتا انسائیکلوپیڈیا نظروں سے پوشیدہ ہو گیا۔

محترم بھٹی صاحبؒ ریکارڈ رکھنے کے خوگر تھے۔ ایک ایک ورق سنبھال کر رکھتے تھے۔ ان کی ذاتی لائبریری قومی ومسلکی تاریخ کا ایک بڑا ذخیرہ رکھتی ہے۔ میں اکابرینِ جماعت سے نہایت ادب سے درخواست کروں گا کہ اس بارے میں کوئی عملی قدم اٹھائیں۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

خوش مزاج بابا

(مولانا اسحاق بھٹی صاحب)

مولانا محمد سلیم اعظم بلوچ شیخوپورہ

21 دسمبر 2015ء مغرب کی اذان کا وقت تھا میں گجرات اڈے پر کھڑا جہلم جانے کے لیے ویگن کا انتظار کر رہا تھا کہ جناب محترم رمضان سلفی صاحب کا فیصل آباد سے فون آیا آپ نے فرمایا یار مرشد صاحب میں سمجھ گیا کہ ان کی مراد مولانا اسحاق بھٹی صاحب ؒ بیمار ہیں اور لاہور ہسپتال میں داخل ہیں۔ان کی طبیعت خراب ہے میں نے کہا جناب آج تو جہلم ایک تبلیغی پروگرام ہے صبح ان شاء اللہ سیدھا لاہور جا کر ان کی خیریت دریافت کروں گا۔لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا صبح کی نماز جہلم کی مسجد مبارک مشین محلہ میں ادا کر کے ایک دوست کے گھر بیٹھا تھا سوچا تھوڑا سا آرام کر لوں اچانک فون کی گھنٹی بجی۔جناب فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب کی کال تھی دل میں کھٹکا سا ہوا جب انہوں نے انا للہ ہی کہا تو میں سمجھ گیا کہ بھٹی صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔بس کیا تھا نیند اڑ گئی اوسان خطا ہو گئے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور میری زبان پر ایک دعا جاری تھی یا اللہ میرے بھٹی صاحب کی مغفرت فرما۔

مولانا اسحاق بھٹی صاحب سے میرا کوئی چار پانچ سال پہلے کا تعلق تھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میرا ان سے برسوں پرانا تعلق ہے جب بھی میں ان کو ملنے گیا وہ بڑے خندہ پیشانی سے ملے خوش مزاجی ان کو اللہ تعالیٰ نے وافر عطا فرمائی تھی۔آپ ایک عظیم عالم دین' قلم کار اور مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ خوش مزاج انسان تھے۔عمر کے لحاظ سے اور روایتی خشکی ان کے ہاں دور دور تک نہ تھی۔جیسا کہ علامہ ابتسام الٰہی ظہیر صاحب نے فرمایا کہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی طبیعت بھی تھکاوٹ اور کمزوری کی وجہ سے انسان کی طبیعت میں چڑچڑا پن پیدا ہو جاتا ہے لیکن بھٹی صاحب کی ہمہ وقت تازگی اور خوشگواری اور شگفتگی برقرار رہی۔

میں جب بھی آپ کے ہاں حاضر ہوا آپ بڑے پرتپاک انداز میں ملتے دروازہ کھولتے ہی ماشاء اللہ ماشاء اللہ کے الفاظ کانوں میں رس گھولتے۔چہرہ پر شگفتگی ہوتی۔اندر بیٹھتے ہی آواز دیتے بلوچ صاحب آئے ہیں چائے کا انتظام کریں۔ہم بار بار انکار کرتے لیکن آپ کا اصرار غالب آتا

آپ چائے پلاتے اور فرماتے آپ کے ملنے سے بہت خوشی ہوئی ہے یہ ان کا بڑا پن تھا ہم تو علم اور عمر میں ان کے پوتوں کی مانند تھے یہ ان کی شفقت تھی۔

ان کی خوش مزاجی کے کیا کہنے کوئی بھی واقعہ بتاتے آپ بھی ہنستے اور دوسروں کو بھی خوش کر دیتے۔ایک دفعہ فرمانے لگے میرے پاس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب تشریف لائے اور فرمانے لگے بھٹی صاحب میری بیعت کر لیں میں نے کہا کیوں جی اب تو میں خود بیعت لیتا ہوں۔آپ کو بھی ترجمہ قرآن آتا ہے اور مجھے بھی آتا ہے۔آپ کے بال بھی سفید ہیں اور میرے بھی آپ میں اور میرے میں کیا فرق ہے؟ اس واقعہ کو سنانے کے بعد خود بھی مسکراتے رہے اور ہم بھی (ہم بھی سے مراد میں اور مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب اور مولانا رمضان سلفی صاحب ہیں۔ہم تینوں ہی اس وقت موجود تھے) پھر ایک دفعہ حاضری کے موقع پر فرمانے لگے ایک دیوبندی عالم دین نے اہل حدیثوں کے تنظیمی اختلاف پر کچھ لکھا تو میں نے اسے خط لکھا اور کہا کہ حضرت اہل حدیثوں کے اختلاف پر تو آپ برس پڑھے اگر آپ کے اختلاف کو اکٹھا کیا جائے تو آپ کی جماعت کا نام (فسق) بنتا ہے۔ف سے مراد فضل الرحمٰن گروپ س سے مراد سمیع الحق گروپ ق سے مراد اجمل قادری گروپ۔فرمانے لگے ان کا جوابی خط آیا فرمانے لگے بھٹی صاحب آپ کے لفظ ''فسق'' نے خوش کر دیا۔

میں نے عرض کیا آپ نے خوش مزاجی سے اس کی ساری جماعت کو فسق بنا دیا اور فرمانے لگے بس یارا ایسے ہی کام چلتا رہتا ہے۔ایک دفعہ میں حاضر خدمت ہوا تو وعدہ کے بارے میں بات چل نکلی فرمانے لگے آج کل ایک مولوی صاحب حدیث کی اسناد پر بڑے حکم لگا رہے ہیں اور وہ مجھے اردو بازار لاہور میں ملے تو میں نے ان سے کہا جی میں نے آپ کو خط لکھا تھا آپ نے جواب کیوں نہیں دیا کہنے لگے میں بھول گیا ہوں تو میں نے کہا جس راوی کو نسیان کا مرض ہو اس کی روایت قبول ہے کہ نہیں وہ صاحب معذرت فرمانے لگے اور مسکراتے ہوئے چلے گئے۔

آپ کی خوش مزاجی چھوٹوں بڑوں کے لیے یکساں تھی جیسے کہ میرے بھائی جامعہ سلفیہ کے متعلم محمد عابد رحمت فرماتے ہیں کہ میں نے بھٹی صاحب سے عرض کیا کہ آپ کی شخصیت پر مضمون لکھنا چاہتا ہوں فرمانے لگے رہنے دو بہت سے لوگوں نے مضامین لکھے ہیں بس اتنا ہی کافی ہے تم کچھ اور علمی کام کرو۔میں نے کہا یہ بھی تو علمی کام ہے مسکرا کر فرمانے لگے یہ علمی نہیں فلمی کام ہے۔

اپنے مربی مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی یاد میں

حکیم مدثر محمد خان

سال 1999ء میں دو کتابیں دیکھنے کو ملیں ''نقوشِ عظمتِ رفتہ'' اور ''بزمِ ارجمنداں'' میں ان کتابوں کے مندرجات اور اسلوب تحریر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے بعد ''کاروانِ سلف'' ہمارے مطالعہ میں آئی۔ اب ان کتابوں کے مصنف نامدار سے ملاقات کرنے اور ان کے ارشادات سے مستفید ہونے کے لیے میرے دل میں شوق پیدا ہو گیا۔ 2004ء کے وسط میں راقم السطور مکتبہ طارق اکیڈمی فیصل آباد سے منسلک ہو گیا۔ وہاں مجھے نقوش و بزم کے مصنف کو پڑھنے کا مزید موقع مل گیا۔ اس کے ساتھ ہی ان کی علمیت کا عکس میرے دل و دماغ پر گہرا ہو گیا۔ اور ان کی ادبیت کا نقش میری فکر میں پیوست ہو گیا۔ حالانکہ اس سے قبل مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا محمد اسماعیل السلفی اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کے انداز نگارش سے آشنا تھا۔ مولانا محمد حسین آزاد، آغا شورش کاشمیری، احسان دانش، مولوی عبدالحق، پطرس بخاری، ابن انشا وغیرہ عظیم ادباء کے طرز تحریر سے واقف تھا۔ لیکن مولانا محمد اسحٰق بھٹی کا اسلوب تحریر مجھے بے حد پسند آیا۔ میں نے ان کی کتابیں، جتنی میسر آئیں، پڑھ ڈالیں۔ ان کے طرز نگارش اور ان کی تصنیفات کے مندرجات کو پڑھنے کے بعد میں نے اس حقیقت کو پا لیا جو میری ذہنی کیفیت کے مطابق اور میرے قلم کی حرکت کے لیے معاون تھی۔ ''علم و آگہی'' سے تقریباً ایک سال وابستہ رہا۔ اور اس دوران میں نے جناب محمد سرور طارق حفظہ اللہ سے بہت کچھ سیکھا۔ اس کے بعد میں اپنے آبائی پیشے کی جانب راغب ہوا۔ اور ظفر چوک (نزد ماموں کانجن) میں مطب جاری کیا۔ اب میں علماء سے ملاقات اور مطالعہ کے لیے وقت نکال لیتا تھا۔ یہ 2005ء کا واقعہ ہے۔

اپنے بزرگوں سے سن کر علماء و زعمائے اہل حدیث کے کارہائے نمایاں معلوم کرنے کا شوق مجھے بچپن میں ہو گیا تھا۔ اور میں اس موضوع کی کتابیں تلاش کر کے پڑھا کرتا تھا۔ اس سلسلے میں مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی تصانیف کے مطالعے کے بعد ان کی اس موضوع سے محبت اور مہارت مجھ پر منکشف ہو چکی تھی۔ ان کی علمیت' جذبہ عمل اور خدمات جلیلہ سے واقفیت ہو چکی تھی۔ میرا دل ان کی عقیدت کا محل بن چکا تھا۔ اپنے عہد میں وہ کئی اعتبار سے قد آور شخصیت تھے۔ میں نے ان کا ٹیلی فون نمبر حاصل کیا تاکہ ان سے رابطہ قائم کروں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ اتنی قد آور شخصیت میرا فون سنے گی یا نہیں۔ بہت سی باتیں میرے حاشیہء خیال میں آئیں لیکن جی کڑا کر کے میں نے ان کا نمبر ملا دیا۔ میں نے اپنا تعارف کرایا اور فون کرنے کا مقصد عرض کیا۔ انہوں نے بڑی غور سے میری بے ربط باتیں سنیں اور میری بے حد حوصلہ افزائی اور رہنمائی فرمائی۔ ان کی گفتگو میں ہمدردی' اپنائیت اور بے تکلفی کے عناصر بالکل واضح تھے۔ بات ختم ہوئی تو انہوں نے رابطہ رکھنے کا حکم دیا' لاہور آنے کی دعوت دی اور دعاؤں سے نوازا۔ اس کے بعد ان سے فون پر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ کبھی میں فون کرتا' کبھی وہ خود تکلیف اٹھاتے۔ جب وہ فون کرتے تو مجھے بہت حیرت اور مسرت ہوتی۔ گفتگو کا موضوع کوئی کتاب' کوئی مضمون یا تازہ سرگرمیاں ہوتا تھا۔ میرے علاقے کے جن اہل علم سے ان کے مراسم تھے' ان کے احوال بھی دریافت فرما لیتے تھے۔ بالخصوص مولانا عبدالقادر ندوی' حکیم ثناء اللہ اور مولانا خلیل الرحمٰن اثری' نیز جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے بارے میں بھی پوچھ لیتے تھے۔

اسی دوران میں مولانا محمد اسحٰق بھٹی کے ایک بڑے مداح جناب مولانا محمد رمضان یوسف سلفی سے میری ملاقات ہوگئی۔ وہ اپنے ممدوح کے طرز نگارش کے امین سمجھے جاتے ہیں۔ تاریخ اہل حدیث کے موضوع پر ان کی متعدد کتابیں شائع ہو کر اہل علم سے داد و تحسین وصول کر چکی ہیں۔ میں جب بھی فیصل آباد جاتا' ان سے ملاقات کرنے کی ضرور کوشش کرتا۔ اب بھی یہی حال ہے ہر ملاقات میں کسی نہ کسی طرح مولانا کا ذکر آ جاتا تھا۔ وہ ان کا کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور سنا دیتے۔ اور میرا ان سے ملاقات کا جذبہ مزید بڑھ جاتا۔

مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ مولانا کسی زمانے میں ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور کے ابتدائی زمانے میں پہلے معاون مدیر اور پھر برس ہا برس تک مدیر رہے ہیں۔ "الاعتصام" میرے بزرگوں کے نام آیا کرتا تھا۔ اس کے متعدد فائل ہمارے پاس محفوظ ہیں۔ میں ان کی ورق گردانی تو کرتا رہتا تھا اب اس میں مولانا کے مضامین اور اداریے بڑے غور اور شوق سے پڑھنے لگا تھا۔ کسی جماعتی رسالے میں کسی شخصیت پر ان کا مضمون چھپتا تو اسے شوق سے پڑھتا۔ چند رسائل تو میرے نام آتے ہیں' باقی جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (ضلع فیصل آباد) کی لائبریری میں دیکھ لیتا تھا۔ جامعہ کی لائبریری میں ماہانہ درجنوں رسائل و جرائد آتے ہیں۔

2006ء کے وسط میں لاہور گیا۔ مولانا مرحوم نے اپنے مکان کا راستہ مجھے فون پر سمجھا دیا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ ان کے سٹاپ پر اتر کر انہیں فون کر دوں۔ میں نے انہیں فون کیا۔ انہوں نے جلدی سے فرمایا۔ یہیں ٹھہریے! میں ابھی آیا۔ اور اس کے فوراً بعد فون بند ہو گیا۔ چند منٹ کے بعد ایک بزرگ نمودار ہوئے جو میری طرف تیز قدموں سے آ رہے تھے۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ شاید یہی مولانا محمد اسحٰق بھٹی ہوں۔ اسی اثناء میں انہوں نے آ کر مجھے "جپھا" ڈال لیا۔ ایسے ملے جیسے بچپن کے دوست مدت دراز کے بعد ملے ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد سانده (لاہور) میں واقع ان کی بیٹھک میں موجود تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ سے زائد وقت میں نے ان کے ساتھ گزارا۔ ان کی گفتگو اور میزبانی سے اخلاص' محبت اور خدمت ایسے اوصاف حمیدہ ٹپک رہے تھے۔ انہیں اپنے موضوع خاص سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ اپنے ملاقاتی اہل قلم میں بھی وہ یہی جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اور اس سلسلے میں اہل قلم و اصحاب علم کی بے لوث رہنمائی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے تحریر و نگارش کے سلسلے میں میری بھی بھرپور رہبری فرمائی۔ ایسا کیوں نہ ہوتا؟ یہ تو ان کی "عادت عامہ" تھی۔

ایک مرتبہ میں نے انہیں فون کیا تو پتا چلا کہ وہ بہاول نگر تشریف رکھتے ہیں۔ میں نے فون بند کر دیا۔ اگلے ہی لمحے میرے موبائل فون کی گھنٹی بجی میں نے آن کیا تو آواز آئی السلام علیکم۔ حکیم صاحب کی حال اے۔ تگڑے او۔ یہ میرے محسن مولانا محمد اسحٰق بھٹی تھے۔ انہیں لاہور

سے میرے فون کرنے کی اطلاع دی گئی تو انہوں نے مجھے فوراً فون کیا۔ یہ تھا اپنے عقیدت مندوں کے لیے ان کا انداز محبت و شفقت۔ کیا ایسی صفات کے حامل لوگ آسانی سے مل جاتے ہیں؟ نہیں نہیں؟ ہرگز نہیں؟

ان کی یہ بہت بڑی خوبی تھی۔ کہ جو شخص ان سے ایک مرتبہ ملاقات کر لیتا یا جس سے وہ لقا کر لیتے تو اسے۔ یاد رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ان کا حافظہ بڑا زبردست تھا۔ دوسری اور اصل وجہ یہ تھی کہ وہ وضع دار اور رکھ رکھاؤ والے عالم دین تھے۔ اور تعلق بنانے اور نباہنے کے فن سے بخوبی آگاہ تھے۔ خاص طور سے پڑھنے لکھنے والوں کا پیچھا نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کی مسلسل رہنمائی کرتے اور حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ میرے ایک دوست ہیں۔ حافظ قمر حسن۔ مرید کے شہر میں جامعہ عربیہ اہل حدیث کے قریب رہائش پذیر ہیں۔ ہم نے 2002ء میں جامعۃ الدعوۃ الاسلامیہ مرید کے ضلع شیخوپورہ سے اکٹھے سند فراغ حاصل کی۔ کچھ عرصہ اپنی مادر علمی میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد وہ ''دارالسلام'' لاہور سے منسلک ہو گئے۔ ''زندگی سے لطف اٹھایئے'' اور ''ملکہ عالیہ'' انہی کے قلم سے نکلے ہوئے شاہکار تراجم ہیں اردو زبان و ادب کے بارے میں قمر حسن کے چند مضامین ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور میں شائع ہوئے۔ ایک مرتبہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی مرید کے شہر میں تشریف لے گئے۔ محترم قمر حسن کو علم ہوا تو وہ بھی ان کو ملنے کے لیے گئے۔ اور مصافحہ کر کے بیٹھ گئے۔ جب انہیں پتا چلا کہ اس نوجوان کا نام قمر حسن ہے۔ تو وہ دفعتاً کھڑے ہو گئے۔ اسے بھی ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ معانقہ کیا اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ فرمانے لگے کم لکھتے ہو لیکن بہت اچھا لکھتے ہو زیادہ لکھا کرو...... یہ تھا اپنے سے ساٹھ برس چھوٹے سے ملاقات اور قدر دانی کا انداز۔ میں نے نہیں سنا کہ انہوں نے کسی کو ''تو'' کہہ کر مخاطب کیا ہو۔ مخاطب چھوٹا ہوتا یا بڑا' لا یعلم ہوتا یا عالم سب کو ''تُسی'' یا ''آپ'' کہہ کر مخاطب کرتے تھے۔ معلوم نہیں انہوں نے کتنے اہل قلم کی کس کس انداز سے کہاں کہاں رہنمائی فرمائی لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ رہنمائی وہ پورے اخلاص سے فرمایا کرتے تھے۔

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن کے ساتھ مولانا کا قلبی لگاؤ تھا۔ وہ اپنی حیات مستعار میں

بہت مرتبہ جامعہ میں تشریف لائے۔ ایک مرتبہ جامعہ کی سالانہ تقریب تکمیل صحیح بخاری اور سالانہ تبلیغی جلسہ میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے۔ وہ آم کے درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھے چائے نوش کر رہے تھے۔ بہت سے اہل علم و عمل ان کے گرد تشریف فرما تھے۔ عصر کے بعد کا وقت تھا۔ میں شاہ محمد اسماعیل شہید ہال' جامعہ تعلیم الاسلام سے نکلا تو سامنے ان پر نظر پڑی۔ میں جلدی سے ان کی طرف بڑھا اور عقیدت سے ان کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور نظر اٹھا کر سلام کرنے والے کی طرف دیکھا۔ مجھے پہچانتے ہی میرے باصرار روکنے کے باوجود انہوں نے چائے کا کپ نیچے رکھا اور کھڑے ہو کر مجھے گلے لگایا اور فرمایا۔ شکل ای بدل لئی اے' میں بڑی مشکل پچھانیا اے۔ میں نے قدرے بڑی مونچھیں کتر کر سر پر سفید صافہ باندھ رکھا تھا۔ انہوں نے اس حالت میں مجھے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس لیے انہیں حیرت ہوئی۔

میں تین مرتبہ ان سے ملاقات کے لیے ساندے (لاہور) گیا۔ دو دفعہ ملاقات میں کامیاب ہوا۔ ایک مرتبہ وہ عمرے کے لیے تشریف لے جا چکے تھے۔ مجھے اس کی خبر نہ تھی۔ بہر حال میں عزیزی حافظ حسان بھٹی سے ملا اور چند علماء کے حالات زندگی اور بعض کتابیں اس کی تحویل میں دے کر واپس آ گیا۔ راقم نے ان کے ارشاد سے متعدد علمائے اہل حدیث کے کوائف حیات اکٹھے کر ان کی خدمت میں پیش کیے۔ ان میں سے بعض مضامین تو وہ اصلاح کے بعد ''الاعتصام'' میں شائع کرا دیتے تھے اور کسی کو وہ اپنے مستقل تصانیف میں جگہ دے دیتے تھے۔ ان کا اصلاح کردہ مضمون جب شائع ہوتا تو مجھے اپنی غلطیاں نوٹ کرنے میں بہت آسانی ہو جاتی تھی۔ اسی طرح فیصل آباد میں مولانا محمد رمضان یوسف سلفی کے ہاں (رحمانیہ دار الکتب' امین پور بازار میں) مولانا مرحوم سے کئی نشستیں ہوتیں۔ ان میں علاقے کے متعدد اہل علم شامل ہوتے تھے' بالخصوص علی ارشد چوہدری مرحوم اور محترم حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب درس جامعہ سلفیہ۔ یوں مجھے ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا۔ فللہ الحمد

مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے جنوری 2003ء میں کتاب ''صوفی محمد عبداللہ۔ حالات' خدمات' آثار'' مکمل کر لی تھی۔ اس کے بعد یہ کتاب انہوں نے نظر ثانی کے لیے مولانا عبدالقادر

ندوی کو دے دی۔ کتاب کا کمپوز شدہ مسودہ ان سے گم ہو گیا۔ اور ناشر کے کمپیوٹر میں وائرس آ جانے کی وجہ سے سافٹ کاپی بھی ضائع ہو گئی۔ اب وہ تین صد صفحات پر مشتمل عرق ریزی سے تصنیف کی گئی کتاب کے مسودے سے محروم ہو چکے تھے۔ خیر! مصنف علام کے صبر' حوصلہ اور استقامت کی داد دیجئے کہ کتاب دوبارہ تحریر کر دی۔ اور ضخامت بھی پہلے سے ڈیڑھ گنا ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ایک خط ضائع ہو جائے تو کئی روز تک طبیعت دوبارہ لکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔ یہ تو سینکڑوں صفحات تھے جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دوبارہ لکھ دیئے۔

مولانا مرحوم نے اپنی نگارشات کو کبھی حرف آخر نہیں سمجھا۔ انہوں نے اپنی خود نوشت سوانح حیات میں لکھا ہے۔

''میں اپنی کسی بات کو حرف آخر نہیں سمجھتا'' (گزر گئی گزران' ص:46)

اس سلسلے میں انہوں نے مجھے اپنی کتاب ''صوفی محمد عبداللہ'' بغور دیکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد راقم نے جو کچھ ان کی خدمت میں پیش کیا' اس کا کچھ حصہ کتاب مذکورہ کے تیسرے ایڈیشن میں انہوں نے شائع کر دیا۔ یہ ایڈیشن 2015ء میں نکلا ہے۔ اس کے صفحہ 447 سے آخر تک انہوں نے راقم کی تحریر کو جگہ دے کر اسے قبولیت کی سند افتخار عطا کر دی ہے۔ کہ آپ کے آخر میں ایک خط کا عکس چھپا ہے۔ یہ خط صوفی محمد عبداللہ وزیر آبادی کی طرف سے ''بخدمت جناب محمد یعقوب وعطا محمد صاحبان'' کے نام ہے۔ محمد یعقوب میرے دادا تھے مولانا حکیم محمد یعقوب خاں اور عطا محمد میرے پردادا تھے شمس الحکماء حکیم مولوی عطا محمد خاں' خط میں ''عبدالرشید'' کا ذکر بھی ہے۔ یہ میرے دادا کے بڑے بھائی تھے۔ اور میرے اولین استاد۔ راقم نے مولانا مرحوم کو متعدد بار خط لکھا۔ خط کا جواب وہ ضرور دیتے تھے۔ ڈاک خرچ بھی خود برداشت کرتے تھے۔ میرے پاس ان کے بارہ خط محفوظ ہیں۔ آخری خط کتاب مذکورہ کے بارے میں لکھا تھا۔ اس خط کا انہوں نے جواب تحریری طور پر نہیں دیا۔ بلکہ ٹیلی فون سے اس کا جواب دیا۔ انہوں نے فرمایا خط طویل ہے۔ اس کا جواب لکھنا اب میرے لیے مشکل ہے۔ لہٰذا فون پر تقریباً دس منٹ تک انہوں نے جواب دیا۔ یہ سال 2015ء کے آغاز کا واقعہ ہے۔ یہ میری ان سے آخری گفتگو اور آخری ملاقات تھی۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی کو 3 جولائی 2008ء کو ''مورخ اہل حدیث'' کا خطاب ملا۔ کویت کی جماعت اہل حدیث کی طرف سے دیا گیا یہ خطاب بہت جلد زبان زد عام ہو گیا۔ حتیٰ کہ مولانا محمد رمضان یوسف سلفی نے ان کے بارے میں ایک کتاب مرتب کی' اس کا نام رکھا؟ ''مورخ اہل حدیث مولانا محمد اسحٰق بھٹی' حیات و خدمات''

واقعہ یہ ہے کہ اس خطاب کے لیے ان کی شخصیت بالکل موزوں تھی۔ انہوں نے تحریک اہل حدیث کی تاریخ کو مرتب اور محفوظ کرنے کے لیے جس طرح اپنے قلم فیض رقم کو حرکت دی تھی۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس لیے وہی اس خطاب کے صحیح مستحق تھے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

1999ء میں انہوں نے علمائے اہل حدیث کے کوائف حیات اور ان کی خدماتِ اسلام پر مشتمل کتاب ''کاروانِ سلف'' تحریر فرمائی۔ اس کا انتساب انہوں نے اپنے استاد گرامی قدر شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کے نام کیا ہے۔ اور لکھا ہے۔

وہ (مولانا محمد عطاء اللہ حنیف' مصنف سے) فرمایا کرتے تھے۔ کہ تصنیف و تالیف کے سلسلے کی جو خدمت تم انجام دے رہے ہو۔ وہ اپنی جگہ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن تمہیں ایسا کام کرنا چاہیے جس کا تعلق خالص مسلک اہل حدیث اور علمائے اہل حدیث سے ہو۔

''اگر وہ زندہ ہوتے تو میں اپنی اس متاع حقیر کو فرمانبرداری کی طشتری میں رکھ کر نہایت عاجزی کے ساتھ ان کی خدمت میں پیش کرتا۔'' (کاروانِ سلف' ص 003)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ان کے قلم سے اس جیسی اور کتابیں بھی معرض تحریر میں آئیں گی۔ ان کا موضوع تحریک اہل حدیث ہو گا۔ چنانچہ اسی کتاب کے ''حرف چند'' میں انہوں نے اس بات کی وضاحت بھی فرمائی۔ لکھتے ہیں۔

''میں نے کچھ عرصے سے برصغیر میں اہل حدیث اور ان کی خدمات بوقلموں کے موضوع سے متعلق کام شروع کر رکھا ہے۔ یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس ضمن میں ایک اور کتاب تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ جس میں بتایا گیا ہے کہ مسلک اہل حدیث کیا ہے۔ اور برصغیر کو اس کے حاملین نے کب اپنا مسکن بنایا۔ اور اس خطہ ارض میں انہوں نے کیا خدمات

سرانجام دیں اور دے رہے ہیں۔

''اس کے بعد ان شاء اللہ یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے گا۔ ان اہل حدیث حضرات کا ذکر کرنا بھی میرے نزدیک ضروری ہے۔ جو مختلف اسلامی، افریقی اور یورپی ملکوں میں اپنے طور پر یا کسی اسلامی مملکت مثلاً حکومت سعودیہ یا کویت وغیرہ ملکوں کی طرف سے تدریسی، تبلیغی اور صحافتی قسم کی خدمات انجام دینے پر مامور ہیں۔

''اس سلسلے میں ایک کتاب کا یہ موضوع بھی زیر بحث آئے گا۔ کہ برصغیر کی سیاسی تحریکوں میں اہل حدیث نے کس قدر حصہ لیا اور کس انداز سے لیا۔ کون کون سی سیاسی اور علمی جماعتیں اہل حدیث اکابر کی تجویز و تحریک سے قائم ہوئیں۔ آزادی برصغیر اور قیام پاکستان کے لیے اہل حدیث کی تگ و تاز مجاہدانہ کب شروع ہوئیں اور کس رفتار سے آگے بڑھیں، کس بزرگ نے کس صورت میں استخلاص وطن کے لیے کوششیں کیں اور برطانوی حکومت کی طرف سے انہیں کن کن اذیت ناک سزاؤں کا مستوجب قرار دیا گیا۔''

(کاروان سلف، ص: 9، 10)

جب ہم اس کے بعد کی ان کی تصنیفات پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا مبالغہ یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ جتنا انہوں نے اپنا منصوبہ یہاں ذکر کیا ہے، اس سے کہیں زیادہ کام کرنے کی اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق دی۔ ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی درجنوں کتابیں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ 1999ء سے قبل وہ اس سلسلے میں غافل تھے۔ اور انہوں نے تاریخ اہل حدیث کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ فریضہ تو انہوں نے ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور کے اندر رہ کر سرانجام دیا۔ البتہ اس کا حجم کم ہے۔ ادارہ مذکورہ سے انسلاک کے زمانے میں انہوں نے تحریک اہل حدیث کی تاریخ کے سلسلے میں جو کام کیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ مولانا محمد حنیف ندوی کی خدمات پر ''ارمغان حنیف'' مرتب کی۔ مولانا عبدالقادر قصوری، اور ان کے خاندان کی خدمات کو ''قصوری خاندان'' میں بیان کیا۔ نیز ''فقہائے ہند'' میں اہل حدیث فقہاء کا تذکرہ جا بجا موجود ہے۔ اسی دوران میں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے اردو دائرہ

معارف اسلامیہ کے لیے انہوں نے جو مقالات سپرد قلم کیے' ان میں مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ لکھوی' شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب' مولانا ثناء اللہ امرتسری' مولانا محمد حنیف ندوی' اور مولانا سید ابو بکر غزنوی ایسے اہل حدیث علماء کے بارے مقالات تحریر کیے۔ قائد اہل حدیث میاں فضل حق مرحوم کے بارے میں' میاں فضل حق اور ان کی خدمات'' تصنیف کی'' نقوشِ عظمتِ رفتہ'' اور ''بزم ارجمنداں'' میں اہل حدیث حضرات کا تذکرہ لکھا۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ سے پہلے وہ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور سے منسلک تھے۔ اس دور میں بھی وہ تحریک اہل حدیث کی تاریخ سے تعلق خاطر رکھتے تھے۔ انہوں نے لکھا ہے۔

''مولانا محمد حنیف ندوی نے تحریری معاملے میں میری بہت رہنمائی کی اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ ان کے فرمان کے مطابق میں نے حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب مرحوم کی فارسی کتاب'' اتحاف النبلاء'' سے متعدد محدثین وفقہا اور آئمہ کرام کے حالات اردو میں منتقل کیے جو'' الاعتصام'' میں شائع ہوئے۔ بہت سے علماء کرام پر بھی الاعتصام کے ابتدائی دور میں میرے مضامین مسلسل چھپتے رہے۔'' (گزر گئی گزران' ص:215)

ایک دوسرے مقام پر انہوں نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے۔

''اگست 1949ء میں مولانا محمد حنیف ندوی کی ادارت میں گوجرانوالا سے ''الاعتصام'' جاری ہوا تو مجھے معاون مدیر کی حیثیت سے گوجرانوالا بھیجا گیا۔ میں ان دنوں اخبار میں'' ہمارے علماء'' کے عنوان سے اہل حدیث علماء کرام کے حالات لکھا کرتا تھا۔''

(قافلہ حدیث' ص:66)

''الاعتصام'' کے عہد ادارت ہی میں انہوں نے مولانا داؤد غزنوی نمبر مرتب کیا جسے بعد میں مولانا سید ابوبکر غزنوی نے'' سیدی وابی'' کے نام سے شائع کیا۔

اب یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ انہوں نے تحریک اہل حدیث پر لکھنے کے سفر کا آغاز 1950ء میں کیا۔ یہ سفر مختلف حالات اور کیفیات سے گزرتا ہوا 2015ء میں ان کی وفات پر اختتام پذیر ہوا۔ اس اعتبار سے انہوں نے سرسٹھ برس تک یہ خدمت انجام دی ہے۔ اور ان

برسوں میں انہوں نے سینکڑوں اصحاب علم وفضل کے تراجم کو کامل مہارت سے ہزاروں صفحات پر منتقل کر دیا ہے۔

اس طرح مورخ اہل حدیث کی حیثیت سے ان کی حیات مبارکہ کو تین ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلا دور 1950ء سے 1965ء تک ''الاعتصام'' کی ادارت کا زمانہ

دوسرا دور 1965ء سے 1996ء تک ادارہ ثقافتِ اسلامیہ سے انسلاک کا عہد۔

تیسرا دور 1996ء سے 2015ء تک ادارہ ثقافت اسلامیہ سے سبک دوشی کا دور

ان ادوار میں تاریخ اہل حدیث پر کیے جانے والے ان کے کام کی ہلکی سی جھلک گذشتہ سطور میں موجود ہے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ تیسرے دور میں انہوں نے جتنا کام کیا' وہ پہلے اور دوسرے دور میں کیے جانے والے کام سے ہر طرح فائق ہے۔

یہاں ایک اور دلچسپ بات ہے۔ 1956ء میں انہیں ایک خواب دکھائی دیا۔ اس خواب کی تعبیر مولانا محمد حنیف ندوی اور شاہ محمد جعفر پھلواروی نے کی۔ تعبیر یہ تھی کہ مولانا محمد اسحاق رجال پر اسی قسم کا کام کریں گے۔ جس قسم کا کام مہر صاحب نے کیا ہے۔ اور مہر صاحب کے کام کی طرح آپ کے کام کو بھی مقبولیت حاصل ہوگی۔ تفصیل کے لیے قافلۂ حدیث (ص: 346 تا 348) ملاحظہ کیجیے۔

مہر صاحب سے مراد مولانا غلام رسول مہر ہیں۔ مولانا محمد اسحاق کے رجال سے متعلق کام کو اور اس کی مقبولیت کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا کوئی مشکل معاملہ نہیں رہا ہے کہ خواب سچا تھا' جو حرف بحرف پورا ہوا۔ بلاشبہ خواب سچے ہوتے ہیں۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی 1925ء میں ریاست فرید کوٹ' ہندوستان میں پیدا ہوئے اور 2015ء میں لاہور میں وفات پائی اگرچہ ان کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن میں بلا مبالغہ یہ عرض کرتا ہوں کہ اگلے پچاس برسوں تک ان پر لکھا جاتا رہے گا۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات اسلام کو قبول فرمائے۔ اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

آہ...... وہ اک شخص

یاسر اسعد (مؤ ناتھ بھنجن)

شمع روشن بجھ گئی، بزم سخن ماتم میں ہے

22 دسمبر 2015ء کا دن جماعت اہل حدیث کے لیے بے حد المناک ثابت ہوا پے در پے مولانا محمد اسحق بھٹی اور مولانا عبداللہ مدنی کی وفات نے جماعت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا 1999ء کے عام الحزن کی یاد تازہ کردی۔ جماعت اہل حدیث کی آبرو اور اس کا سہارا اس کے منفرد مؤرخ صاحب طرز ادیب مولانا محمد اسحق بھٹی کی وفات حسرت آیات کی خبر جس نے بھی سنی ساکت رہ گیا۔ غیر متوقع تھی لیکن اس کی صداقت پر یقین کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا کیونکہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ پل بھر میں اتنے بے سہارا ہو جائیں گے۔ ان العین تدمع والقلب یحزن والا نقول الاما یرضیٰ ربنا وانا بفراقک المحزونون

ذرہ ذرہ دہر کا زندانی تقدیر ہے
پردہ مجبوری اپنے چارگی تدبیر ہے

قحط الرجال کے اس دور میں کبار علماء کی مسلسل رحلت کی خبریں قرب قیامت کا اشارہ دے رہی ہیں۔ یہ علم کی رحلت نہیں تو اور کیا ہے کہ وہ ہمارے اسلاف کی کاوشوں کو اپنے قلم سے صفحہ قرطاس پر نقل کر کے ہمارے سامنے پیش کرنے والے ہی نہ رہیں گے تو پھر ہم اپنی تاریخ سے واقف کیسے ہوں گے اور اپنی تاریخ سے بے خبری اور ناواقفیت قوموں کا حوصلہ پست کرنے اور انہیں قصہ پارینہ بنانے کے لیے کافی ہے۔

طول عمری اکثر لوگوں کے لیے باعث مشقت وحرج ہوتی ہے مگر کچھ نفوس قدسیہ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی حیات طیبہ دوسروں کے حق میں سراپا خیر ہوتی ہے۔ ساٹھ سال کی عمر تک

پہنچتے پہنچتے انسان کے قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں اور اعضاء جواب دیتے ہیں مگر جس شخص کا نوے اکیانوے برس کی عمر تک حرکت وعمل سے برابر رشتہ استوار ہو بلکہ عام لوگوں کی بہ نسبت اس کے کارنامے بھی زیادہ ہوں۔ خصوصاً اس صورت میں جب کہ اس کا کوئی معاون و مددگار نہ ہو تو یہ معجزہ اور کرامت نہیں تو اور کیا ہے۔

جی چاہتا ہے کہ بس بھٹی صاحب کی تعریف میں قلم رطب اللنسان رہے۔ان کی ذات کی بے شمار صفات تو خوبیوں پر سینکڑوں صفحات سیاہ کیے جائیں اور ایسی عظیم شخصیت کی پاک زندگی کے ایک ایک گوشے ظاہر کیے جائیں تا کہ قحط الرجال کے اس دور میں ہم جیسے نو آموزوں کے حوصلوں کو مہمیز ملے اور جماعت کے تعلق سے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ تاریخ اہل حدیث کا شیدائی ہونے کے ناطے جب میں نے بھٹی صاحب کی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا تو عجیب چاشنی ملی۔ اس سے قبل جماعت کے تعلق سے واضح مؤقف نہ ہونے کے سبب احساس کمتری گھر کرنے لگی تھی لیکن جوں جوں ورق گردانی کرتا گیا روشنی بڑھتی گئی یہاں تک کہ نگاہوں کو خیرہ کر دیا اور جماعت کے تابناک ماضی سے آنکھیں چرانا اب کسی کے بس کی بات نہیں رہ گئی۔ اور ہماری خوش نصیبی تھی کہ ہمیں ایسا مؤرخ ملا جو محض مؤرخ ہی نہیں بلکہ صاحب طرز ادیب بھی تھا تاریخ و ادب کے حسین سنگم سے جماعت کی سوانح کے جو چشمے پھوٹے ہیں وہ سب کے نصیب میں نہیں ہوتے لیکن اس کے رخصت ہو جانے کے بعد اب اس جیسا کوئی چراغ لے کر ڈھونڈنے سے نہیں ملتا۔

آئے عشاق گئے وعدہ فروا لے کر
اب انہیں ڈھونڈھ چراغ رخ زیبا لے کر

مختصراً یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ آپ کی شخصیت سیرت وسوانح نگاری کے باب میں جماعت کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور اس راہ میں آپ نے تن تنہا جو خدمات انجام دیں اس کا تصور ایک پوری انجمن اور ایک تنظیم سے بھی ممکن نہیں۔

خدائے تعالیٰ نے آپ کو بے حد خوش نصیب بنایا تھا علم وعمل سے گہری وابستگی کے

ناطے انہیں کبار علماء سے جو تعلق پیدا ہوا تھا وہ ہماری نظروں میں آپ کی سب سے بڑی خوش نصیبی تھی۔ علامہ عصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری، سرخیل جماعت مولانا محمد جونا گڑھی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد جیسوں کے محض دیدار سے ہی مشرف ہو جانا کیا خوش قسمتی نہیں ہے۔ کیا نعمت الٰہی کا تتمہ نہیں تھا کہ مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی، مولانا محمد گوندلوی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور مولانا محمد حنیف ندوی جیسے عربی علم وفن کے زیر سایہ اور زیر تربیت آپ کے ماہ وسال گزرے۔ شاید اسی قربت کا فیضان تھا کہ بھٹی صاحب کے قلم سے ان پاکباز نفوس کے تذکرے پر آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ اور دل تڑپ اٹھتا ہے۔ اپنی خوش نصیبی کا احساس بڑھ جاتا ہے۔ مولانا کی ذات پر اسی رشک نے ہمیں مجبور کر دیا کہ اگرچہ شرف دیدار ممکن نہ ہو۔ سماعت ہی آپ کی آواز سے مشرف ہو جائے چنانچہ ایک کرم فرما سے آپ کا نمبر حاصل کیا۔ بات کے لیے ماحول بنایا، موبائل کو متوسط مقدار میں خوراک فراہم کی اور دھڑکتے دل سے رابطہ کیا۔ ابتداء سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہوں گا، مگر جب مولانا شروع ہو گئے تو دل مطمئن ہو گیا۔ پہلے اپنا تعارف کرایا۔ جان کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ ہندوستانیوں سے بات کر کے انہیں بہت خوشی اور مسرت ملتی ہے۔ والد صاحب کی مدرسہ اہلحدیث رحمانیہ سے متعلق تازہ کتب پر مسرت کا اظہار فرمایا۔ اس پر اپنی تقدیم کا بھی ذکر کیا اسی اثناء میں بیلنس ختم ہو جانے کے سبب سلسلہ منقطع ہو گیا۔ بڑے آدمی کی بڑائی اس موقع پر دیکھنے کو ملی جب مولانا نے کمال شفقت سے اپنی طرف سے رابطہ فرمایا اور والد محترم سے سلام عرض کرنے کو کہا، مزید نصیحت فرمائی کہ اپنے موبائل کو غذا فراہم کر کے دوبارہ رابطہ کیجیے۔

دوسری کال کا دورانیہ تقریباً چھ منٹ کا تھا کال ختم ہونے کے بعد بڑی دیر تک اپنی خوش قسمتی پر نازاں اور مولانا کی خاکسار کی دل نوازی پر متعجب رہا مگر افسوس کہ اس کے بعد اپنی نا اہلی، کاہلی اور سستی کے سبب آپ سے دوبارہ رابطہ کا شرف حاصل نہ ہو سکا جس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔ مولانا اور میری حقیر ذات کے درمیان کوئی ادنیٰ سی بھی نسبت نہیں ہے۔ میں اپنے آپ کو

اس بات کا اہل نہیں سمجھتا کہ آپ کی بلند و بالا شخصیت پر قلم اٹھا کر آپ کے وقار کو مجروح کروں۔ مگر جذبات و احساسات کے بوجھ تلے دبے یہ چند ٹوٹے ہوئے الفاظ حوالہ قرطاس کر دیا ہے آپ کی حیات طیبہ کے متعدد گوشوں پر قلم کشائی کے لیے برصغیر کے ارباب علم وفن کی پوری جماعت موجود ہے۔ البتہ اس سلسلے میں میرے جو تحفظات ہیں ان کی روشنی میں کہنا چاہوں گا کہ مولانا کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کو پر کرنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔ جماعت کی تاریخ اور اکابرین کی سوانح نگاری کا جو مبروک و مسعود سلسلہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمہ اللہ نے شروع کیا تھا وہ کسی نہ کسی شکل میں جاری رہنا چاہیے۔ اور جماعت کے افراد کو اس کی جانب توجہ دینی چاہیے۔ کیوں کہ اگر اس پہلو سے چشم پوشی کی گئی تو مستقبل میں جو نقصان ہوگا اس کی تلافی ناممکن ہے۔

دوسری بات یہ ہے مولانا نے اپنی سوانح خود اپنی حیات میں مرتب فرما دی تھی۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے آپ کی حیات و خدمات پر متعدد مقالے و مضامین قلم بند ہو چکے ہیں لیکن اگر خود مولانا کی تحریروں سے آپ کی خودنوشت مرتب کر دی جائے تو یہ بہت مفید کام ہوگا۔ اسلاف کی سوانح سے متعلق کتب میں داعیان ملت اور مبلغین امت کے لیے سبق آموز واقعات کی شکل میں بے شمار جواہر پارے ہیں جن کا جمع و ترتیب اور مستقل اشاعت دعوت کے باب میں ایک عظیم اور حوصلہ افزاء خدمت ہوگی۔ علاوہ ازیں جلد ہی مولانا کی حیات و خدمات پر برصغیر کے پیمانے پر ایک سیمینار کا انعقاد بھی بے حد اہم ہے۔ اور رسائل و جرائد کے خصوصی نمبر اور شمارے بھی وقت کی ضرورت ہے۔ مولانا نے جماعت کو بہت کچھ دیا ہے اور جماعت آپ کی قرض دار ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہم اس قرض کو کس طرح پورا کر پاتے ہیں مولائے کریم آپ کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائے اور جماعت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ ایں دعا از من و جملہ جہان آمین باد۔

یادگار سلف مورخ اسلام

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

قاری حبیب اللہ ارشد حفظہ اللہ مدرس جامعہ سلفیہ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین والصلاۃ والسلام علیٰ اشرف الانبیاء والمرسلین نبینا محمد وعلیٰ آلہ و صحبہ ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین اما بعد

اولئک ھم الراشدون فضلا من اللہ و نعمۃ واللہ علیم حکیم

خیر الناس من طال عمرہ و حسن عملہ

برصغیر کی ممتاز علمی شخصیت، مورخ اسلام حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب 91 برس کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے انا للہ وانا الیہ راجعون

حقیت یہ ہے کہ موت العالم موت العالم کہ ایک عالم باعمل کی موت پورے جہان کی موت کے مترادف ہے اور ان کی خوش نصیبی ہے کہ ان کے دو جنازے ہوئے یعنی پہلا ناصر باغ لاہور میں اور دوسرا ڈھیسیاں جڑانوالہ میں اور کئی مقامات پر غائبانہ جنازہ بھی ہوا جو کہ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت کا گہرا ثبوت ہے۔

اور جنازے بھی کثرت تعداد کے ساتھ اپنی مثال آپ تھے ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد بالخصوص اہل علم علماء قراء حفاظ محدثین، خطباء اور داعی حضرات کی کثیر تعداد نے جنازے میں شرکت کی۔ جو کہ انشاء اللہ ان کی مغفرت اور رفع درجات کا ذریعہ بنے گی۔

وہ ایک منجھے ہوئے تجربہ کار عالم، خطیب، مورخ اور بہت بڑے ایڈیٹر اور صحافی تھے جو کہ ساری زندگی حق گوئی کے ساتھ کامیاب صحافتی، تبلیغی، دعوتی اور علمی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تمام خدمات اور مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ اور انہیں اعلیٰ

علیین میں بلند درجات نصیب فرمائے۔ ان کی وفات یقیناً عالم اسلام' اہل وطن اور بالخصوص' جماعت اہلحدیث کیلئے بہت بڑا سانحہ اور نہ پورا ہونے والا نقصان ہے۔ اور ایک ایسا خلا پیدا ہو گیا ہے جو شاید کبھی پُر نہیں ہو سکے گا۔

مرحوم ایک بلند پایہ صفات کے حامل ایک بہت بڑے خطیب' ادیب' مصنف کتب کثیرہ' مورخ اہلحدیث' مورخ اسلام اور داعی حق ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج سادہ طبیعت والے خوش مزاج انسان تھے۔ راقم الحروف کو ان سے کوئی پرانا واسطہ اور تعلق تو نہیں تھا فقط دو یا تین بار ملاقات ہوئی جامعہ سلفیہ میں اور امین پور بازار والی مرکزی مسجد میں ان کا بیان اور خطاب سننے کا شرف حاصل ہوا۔ اور ان سے اتنی کم ملاقاتوں کے باوجود یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ہمارا بہت پرانا اور گہرا تعلق ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ان سے ملاقات والے اکثر لوگ ان کے حسن اخلاق سے اتنے متاثر تھے کہ ہر کوئی یہی سمجھتا تھا کہ مورخ اسلام مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔

مورخ اسلام نے نہ صرف مسلکی سطح پر بلکہ عالمی سطح پر اپنے زور قلم سے دعوتی' صحافتی اور تاریخی میدان میں اپنا لوہا منوایا۔ کہ اپنے پرائے سب معترف ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں خوب داد و تحسین بھی دیتے ہیں۔ اور انہوں نے اپنے قلم کے ذریعے ہمیشہ حق کی ترجمانی کی اور حق گوئی و بے باکی کی مثال قائم کی۔

اور بلا مبالغہ یہ ان کا قلمی جہاد ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرما کر آخرت میں انہیں سرخرو فرمائے۔ اور ان کے ہزاروں روحانی بیٹوں اور شاگردوں کو اللہ تعالیٰ صبر و حوصلے اور استقامت کی توفیق عطا فرمائے۔ اور ان کے لگائے ہوئے اور سجائے ہوئے گلشن کی آبیاری کرتے ہوئے اس کی حفاظت کی توفیق نصیب فرمائے۔

یہ ایک حقیقت ہے۔

کل من علیھا فان و یبقٰی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام

مکتب کی کرامت

خادم سلف محمد اسحاق بھٹیؒ

عطا محمد جنجوعہ

خادم سلف مولانا محمد اسحق بھٹی 15 مارچ 1925ء کو کوٹ کپورہ فرید کوٹ (مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1948ء مرکزی جمعیت اہلحدیث مغربی پاکستان کے ناظم دفر مقرر ہوئے ایک سال بعد جماعتی جریدہ الاعتصام سے منسلک ہو گئے تو ان کے قلم نے اسلاف کی خدمات کے عطر بکھیرنا شروع کیا۔خانگی امور کی مصروفیات میں دوست احباب کی محفلوں کی زینت بنے رہے۔ مہمانوں کی خدمت کو سعادت سمجھتے رہے۔ 90 نوے سال کی عمر کو پہنچ گئے اللہ کے فضل وکرم سے ان کا قلم رکا نہیں تھا نہیں انہوں نے ایک ہزار کے لگ مذہبی وسیاسی شخصیات کے خاکے لکھے ان کی تاریخ وسوانح پر چالیس کتب مارکیٹ میں دستیاب ہیں بڑھاپے کو پہنچ گئے قوت ساعت ذرا متاثر ہوئی۔ الحمدللہ بصارت ٹھیک تھی اخبارات ورسائل کے مطالعہ کا ذوق پورا کرتے رہے۔ دماغ تندرست وتوانا رہا تادم زیست لکھنے پڑھنے سے رشتہ برقرار رہا۔ جسمانی نقاہت آ گئی لیکن محتاجی حائل نہیں ہوئی بھائی سعید کے ہمراہ غمی کے مواقع' خوشی کی تقریبات اور جماعتی پروگرام میں شرکت کرتے رہے۔ موت اٹل حقیقت ہے 22 دسمبر 2015ء کو ان کے قلم نے لکھنا چھوڑ دیا۔ احباب ان کی یاد میں لکھیں گے لیکن ان کا قلم جامد ہو گیا جماعتی احباب ''مجلوں'' میں تذکرہ کریں گے لیکن ان کی زبان ساکت ہو گئی پیغام چینل پر ہنستا' مسکراتا' پھلجڑیاں بکھیرتے ہوئے تو دیکھ سکیں گے لیکن وہ ان کی سننے اور جواب دینے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں۔

چند لمحے گزرنے کے برادر سعید بھٹی کا فون آیا فوراً اٹھے تعزیت کے لئے حاضر ہوا۔ گلی میں سسکیوں کی آواز آئی۔ عزیزم عمار چوہدری اپنے نانا جان کو سہارا دے کر لا رہے تھے چوہدری غلام حسین تہاڑیا کی طرح سینکڑوں ساتھی اور ہزاروں مداح آنسو بہا کر غم ہلکا کرتے رہیں گے لیکن قیامت تک ملاقات نہیں کر سکتے تاہم ان کی تحریریں زندہ وتابندہ رہیں گی۔ نئی نسل

اسلاف کی دینی خدمات اور تحریکی سرگرمیوں سے آگاہ ہو کر تازہ دم ہوتی رہے گی۔ اللہ کریم انکی کاوش کو قبول فرمائے۔ صحابہ کرام محدثین فقہاء کرام کا تذکرہ کرنے والوں کے پہلو میں جگہ عطا فرمائے۔

محترم بھٹی جی کو عقیدہ ختم نبوت سے والہانہ لگاؤ تھا۔ دفتر الاعتصام میں ایک دفعہ ان کی شگفتہ باتیں سننے کا اتفاق ہوا۔ محفل برخواست ہوگئی اپنا تعارف نہیں کرایا۔ راقم نے حیات عیسیٰ پر قادیانی وعیسائی اعتراضات کا رد پیش کیا۔ قادیانی جریدہ ہفت روزہ لاہور نے اس پر تعاقب کیا تو آپ کی مدد سے اس کا مدلل جواب دیا راقم نے حافظ محمد دین قلمبند مفتی محمد صدیق کے حالات تلمیذ کئے اس پر حرف چند لکھوانے کے لئے ستمبر 2012ء میں ان کے گھر حاضر ہوا۔ خوب تواضع کی اور قادیانیت کے رد میں عام فہم دعوتی تحریری انداز کو خوب سراہا اور حرف چند میں اس کا اظہار بھی کیا۔

''مرزائیت سے متعلق ان کے مضامین کو بالخصوص لائق مطالعہ سمجھا جاتا ہے اس موضوع کو وہ جس اسلوب میں زیر بحث لاتے ہیں وہ انہی کا حصہ ہے'' آپ نے مجھے حکم دیا جب بھی لاہور آؤ تو وقت نکال کر ملتے رہنا اس کے بعد جب بھی لاہور جاتا فون پر اطلاع کرتا وقت مقررہ پر حاضر خدمت ہوتا رہا۔ عزیزم عبدالرؤف آف جدہ کو بزرگوں کا ادب اور خدمت کا جذبہ اپنے باپ حافظ محمد دین سے ورثہ میں ملا تھا۔ وہ بھٹی جی کے مداحوں میں سے تھے ان کے حکم پر حافظ عبدالماجد نے مجھ سے فون پر رابطہ کیا کہ بھٹی جی کا خطبہ جمعہ لے کر دو۔ میں نے فون پر رابطہ کیا تو فرمانے لگے میں خطیب تو نہیں'' فوراً عرض کیا احباب جماعت اسی بہانے آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے حامی بھرلی۔ 24 جولائی 2015ء کا خطبہ جمعہ چک 23 الف جنوبی (سرگودھا) میں ارشاد فرمایا۔ سرگودھا شہر کی جماعت عرفان اللہ ثنائی کی قیادت میں ملاقات کے لئے تشریف لائی اسلاف کے حالات کا تذکرہ کرتے رہے اور آہ بھر کر کہا۔

''پہلے ہم قلت میں تھے تو آپس میں پیار و محبت تھا ایک دوسرے کے دکھ درد کے ساتھی تھے۔ جبکہ موجودہ دور میں کثرت سے ہیں لیکن باہمی الفت و یگانگت میں کمی آ گئی اس سے تو تھوڑے بہتر تھے۔''

مولانا محمد اسحٰق بھٹی قومی سیاست پر گہری نظر رکھتے تھے آپ ملی وقومی اور سماجی تحریکوں کے پس منظر سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ ایک دفعہ تحریک آزادی کے موضوع پر گفتگو شروع ہوئی

تو فرمایا کہ مسلم لیگ نے اپنے کسی اجلاس میں قرار داد پیش نہیں کی کہ پاکستان بن گیا تو اس میں اسلام کے قانون کا نفاذ ہوگا۔ میں نے برجستہ عرض کیا کہ مسلم لیگ کا کونسا ایسا سیاسی جلسہ تھا جس میں سٹیج سے نعرہ نہیں گونجا پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ

برجستہ مسکرا کر کہنے لگے ہم نے بھی یہ نعرے سن کر تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا فرید کوٹ جیل میں دو دفعہ قید رہے۔ ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے قافلہ حدیث کے سالاروں اور سپاہیوں کے حالات قلمبند کرتے ہوئے پیدائش' اساتذہ تلامذہ تصانیف کا تذکرہ کرنے پر اکتفانہ کرتے بلکہ موصوف کی دوران طالب علمی تدریس و دعوتی و تحریکی دور کی مشکلات' خدمات اور اہم واقعات کو اس طرح رابطے سے بیان کرتے قاری یوں محسوس کرتا کہ وہ ان کو چلتا پھرتا دیکھ رہا ہے۔ جب تک وہ مکمل۔ پڑھ نہ لیتا اسے چین نہ آتا۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کی ملازمت سے علیحدگی کے بعد انہوں نے خود کو تصنیف و تالیف کے لئے وقف کر دیا۔ لیکن تنگی و بیماری کے باوجود حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح کسی کے سامنے شکوہ نہیں کیا اور نہ ہی ہاتھ پھیلایا' ناشر صاحبان کتاب شائع کرنے کے بعد جو چند نسخے عنایت کر دیتے بھٹی جی انہیں فروخت نہ کرتے۔ بلکہ حلقہ احباب کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ عقیدہ توحید پر ثابت قدم رہے اللہ مسبب الاسباب خود حاجات پوری کر دیتا ہے۔ ان کے علمی قدر دانوں کا حلقہ پاکستان اور بیرون ملک وسیع تھا چند احباب بن مانگے آپ کی خدمت کرتے رہے وہ بھی دعا دیتے تھے ہم بھی ان کے مال اور عمل میں برکت کی دعا کرتے ہیں۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی علماء کے قدردان اور جماعتی رازوں کے امین تھے۔ طاغوتی چیلے مذہب کو بدنام کرنے کے لئے اسلام کی ترجمانی کرنے والوں کی کردار کشی کر کے معاشرہ میں رسواء کرتے رہتے ہیں۔ اختلاف فطری امر ہے مسلکی ہم آہنگی کے باوجود علماء میں نظم کے بارے تضاد رونما ہوتا رہا ہے تو بعض صاحبان کے قلم حرکت میں آتے رہے۔ اور مخالف کی بشری کمزوریوں کا پردہ فاش کرتے رہے بھٹی جی نے مرکزی جمعیت اہلحدیث سے تازیست تعلق برقرار رکھا۔ لیکن دوسری اہلحدیث تنظیموں کے علماء سے بدستور تعلق استوار رہا۔ وہ ان کی خوبیوں اور کمزوریوں سے پوری طرح باخبر تھے۔ لیکن انہوں نے تحریر میں کسی کی کردار کشی نہیں کی۔ متعدد بار ملاقاتیں ہوئیں جماعتی امور بھی زیر

بحث آئے لیکن انہوں نے کسی عالم کی عیب جوئی نہیں کی۔ البتہ ان کے مستحسن عمل کی داد ضرور دیتے تھے۔ ایک دفعہ ایک وفاقی وزیر نے مدارس اور علماء کے خلاف بیان دیا۔ تو بھٹی جی نے دیگر جرائد کی خاموش پالیسی پر افسوس کا اظہار کیا لیکن جناب بشیر انصاری صاحب کو خراج تحسین پیش کیا جنہوں نے مسلم لیگ سے الحاق کے باوجود ہفت روزہ اہلحدیث کے اداریہ میں سختی سے نوٹس لیا۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی جید عالم دین مورخ، مصنف، دانش ور، ادیب نقاد اور اپنے اپنے عہد کی موبائل تاریخ تھے۔ وہ اسلاف کی سادگی، حق گوہی اور عاجزی کا مہکتا ہوا پھول تھے۔ آپ بیتی میں خوب بیان کیا۔ ''بڑے سائز کے سولہ صفحات کے اخبار (الاعتصام) کا میں خود ہی خاکروب خود ہی چپڑاسی، خود ہی کلرک، خود ہی منیجر اور خود ہی ایڈیٹر تھا یعنی ان تمام مناصب پر میں اکیلا قابض تھا۔ الحمد للہ رب تعالیٰ نے بڑی توفیق عطا فرمائی تھی۔ (ص213)

تکبر فی العلم میں مبتلا کرنا شیطانی حربہ ہے۔ اللہ کے کرم سے بھٹی جی محفوظ رہے ان میں تحمل و بردباری کی صفت قدرتی تھی لیکن عجز و انکساری کی صفت میں ان کے اساتذہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ، مولانا حافظ محمد محدث گوندلویؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفی کی تعلیم و تربیت اور مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ اور مولانا محمد حنیف ندویؒ کی رفاقت وصحبت کا کمال تھا۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی

مولانا بھٹی جی نے اپنے اساتذہ کی تربیت وصحبت کا تذکرہ خود بیان کیا۔

''میری تربیت جن علماء کرام میں ہوئی ہے وہ نہایت اونچی شخصیتیں تھیں اور وہ بے حد معتدل مزاج تھے۔ اور اپنی بات مثبت انداز میں کرتے تھے۔ منفی نقطہ نظر سے کوسوں دور تھے۔ ان میں سے کسی نے بھی کفر و شرک، الحاد و بے دینی کے فتوے جاری نہیں کیے وہ لوگوں کو مسلمان بنانے کے خواہاں تھے اور اس کے لئے کوشاں رہتے تھے ان میں سے کسی نے نہ الحاد کی دوکان لگائی نہ یہ کفر کی تقسیم کے لئے کوشاں ہوئے نہ لوگوں کو مشرک بنانے کا دھندہ کیا نہ کسی کو جنت سے نکالنے اور جہنم میں داخل کرنے کی کوشش کی''

اللہ ذوالجلال والاکرام خادم سلف محمد اسحاق بھٹی اور ان کے اساتذہ کرام کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائی۔ آمین

چھوڑ کر جانے والے

مجیب الرحمٰن شامی

اپنے بزرگ دوست (مولانا) اسحاق بھٹی صاحب پر قلم اٹھانے کا ارادہ کر رہا تھا کہ ''عزیزم'' ڈاکٹر احسن اختر ناز کے انتقال کی خبر نے (مزید) اداس کر دیا۔ بھٹی صاحب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو میں کراچی میں تھا۔ جنازے کو کندھا دینے کی سعادت حاصل نہ ہو سکی۔ انہوں نے ماشاء اللہ 92 سال اس دنیائے رنگ و بو میں گزارے اور اس کی خوشبوؤں میں بہت سا اضافہ کر کے رخصت ہوئے۔ ان سے آخری ملاقات ''پیغام'' ٹی وی کے ایک پروگرام کے موقع پر ہوئی تھی جو تحریک پاکستان کے حوالے سے تھا۔ ثقلِ سماعت کا شکار تھے' لیکن میزبان ڈاکٹر حماد لکھوی کچھ نہ کچھ ان کے کانوں میں انڈیل دیتے تھے۔ مذاکرہ ختم ہوا تو عزیزم عبدالباسط نے اپنے رفقا کے ساتھ ہم تینوں کو کھڑا کر کے جامد تصویر بھی بنا ڈالی۔ بھٹی صاحب کا حافظہ ابھی تک بلا کا تھا۔ برسوں پرانے واقعات کی ایک ایک تفصیل ذہن میں محفوظ تھی' زبان کھولتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ماضی ان کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہے اور وہ اس کی عکاسی کرتے جا رہے ہیں۔

پنجاب کے قلب میں واقع ریاست فرید کوٹ میں پیدا ہوئے اور وہیں لڑکپن گزارا' جید علماء کی صحبت ان کو میسر رہی اور اس سے انہوں نے خوب فیض اٹھایا۔ چند برس سکول میں بھی گزارے۔ لیکن فیض اپنے ان استادوں سے براہ راست حاصل کیا' جن میں سے ہر ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتا تھا۔ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کا نام نامی ان میں نمایاں تر تھا 1933ء سے 1940ء تک سات سال ان کے ساتھ رہے' قرآن مجید کے علاوہ بلوغ

المرام سے صحیح بخاری تک صحاح ستہ کی نصابی کتابوں کی تکمیل ان سے کی۔ صرف ونحو' عربی ادبیات' منطق' اصول فقہ اور تفاسیر قرآن میں سے بیضاوی' تفسیر جلالین اور جامع البیان بھی ان سے پڑھیں گویا مکمل مولوی بن گئے' آج کل کی زبان میں علامہ کہہ لیا جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔ 1940ء میں مولانا عطاء اللہ حنیف نے انہیں علامہ حافظ محمد گوندلوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کی خدمت میں گوجرانوالہ بھیج دیا' جن سے حدیث وتفسیر کی بعض کتب دوبارہ پڑھیں' اسے سونے پر سہاگہ کہا جا سکتا ہے۔ فیروز پور میں مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوری مرحوم سے بھی بعض درسی کتابیں پڑھنے پہنچے اور پھر یہ کہ عمر بھر پڑھتے (اور لکھتے) چلے گئے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی لائبریری میں چودہ ہزار کتب موجود تھیں انہیں وہ گھول کر پی گئے'

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

عملی زندگی میں قدم یوں رکھا کہ ایک عزیز نے انہیں ہیڈ سلیمان کی کے اکاؤنٹس آفس میں سٹور کیپر مقرر کر دیا کہ کام کے ساتھ ساتھ آرام بھی کرتے جاؤ یعنی مطالعے میں وقت صرف کرو۔ بعد میں لاہور پہنچے تو صحافت کی وادی میں قدم رکھا لیکن "لہو ولعب" میں نہیں پڑے' دینی ہفت روزے اور ماہنامے ہی ان کی دسترس میں رہے۔ ابتدا سیاست میں قدم رکھا تھا۔ لیکن انگریزی محاورے کے مطابق یہ ان کی چائے کا پیالہ نہیں تھا۔ اب لوگوں کو کم ہی معلوم ہے کہ غیر منقسم ہندوستان کا ایک حصہ برطانیہ کی براہ راست حکمرانی میں تھا' تو دوسرا بڑا حصہ داخلی طور پر خود مختار ریاستوں پر مشتمل تھا۔ ساڑھے پانچ سو سے زیادہ ان ریاستوں پر نواب اور راجے حکومت کرتے تھے۔ دفاع' خارجہ امور اور کرنسی کے علاوہ دیگر امور میں یہ حضرات وخواتین خود مختار تھے اور کسی کے سامنے خود کو جواب دہ نہیں سمجھتے تھے۔ برطانوی ہند کا وائسرائے ان کے معاملات میں مداخلت سے گریز کرتا تھا اور عوام نام کی شے تو اس کا تصور ہی نہیں کر سکتی تھی۔

برطانوی ہند میں آزادی اور حقوق کی لہر اٹھی' تو ان ریاستوں میں بھی اس کا چرچا ہوا۔ پنجاب میں آٹھ ریاستیں تھیں' پٹیالہ' نابھہ' کپورتھلہ' فرید کوٹ' جنید' ملیر کوٹلہ' کلیلہ اور نادر گڑھ ان میں پرجا منڈل (پیپلز پارٹی) قائم ہوگئی۔ فرید کوٹ منڈل کے صدر گیانی ذیل سنگھ تھے' جنرل سیکرٹری نوجوان اسحٰق بھٹی کو بنا دیا گیا۔ بھٹی اس دوران قید ہوئے اور شہرت حاصل کر لی' لیکن سیاست میں زیادہ دیر چلے نہیں' یہ اور بات کہ ان کے اپنے بقول چور چوری سے جاتا ہے ہیرا پھیری سے نہیں' اس لیے سیاست سے دلچسپی بہرحال برقرار رہی۔ اکھاڑے سے باہر بیٹھ کر داد دینے یا اکھاڑے میں اترنے والوں کو داؤ پیچ سکھانے میں انہیں تامل نہیں تھا۔ بھٹی صاحب کا شاید یہی چسکہ انہیں کوچہ صحافت میں لایا' لیکن ان کے اندر موجود جستجو اور تحقیق کے مادے نے انہیں اس کی نذر نہ ہونے دیا۔ دقیق موضوعات کے ساتھ ساتھ مختلف شخصیات پر بھی قلم اٹھایا اور ان کے روز و شب کی گویا فلم بنا ڈالی۔ اپنی سوانح حیات لکھی اور ایک پوری صدی کے رہن سہن' رسوم و رواج اور حکایات و معاملات کو محفوظ کر دیا۔

بھٹی صاحب سادہ مزاج تھے' تکبر اور نخوت تو انہیں چھو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ اپنے عقائد میں کٹر تھے۔ لیکن زاہد خشک نہیں تھے۔ کسی سے نفرت کرنا انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ ان کے حلقہ احباب میں غیر مسلم بھی شامل رہے' گیانی ذیل سنگھ کی دوستی پر تو ان کو ناز تھا۔ گیانی صاحب صدر بنے تو انہوں نے اپنے لڑکپن کے دوست کو بھلایا نہیں...... وہ ہماری تاریخ اور سیاست کا ایک چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا تھے۔ اپنی بات نرمی سے کہتے اور دل میں نقب لگا لیتے۔ ان سے ایک بار ملنے والا دوسری بار ملنے کی خواہش لئے' ان سے جدا ہوتا۔ ان جیسا دوسرا' ان کی زندگی میں نہیں مل پایا' تو اب کہاں تلاش کیا جائے گا؟ اور کیونکر ملے گا؟

سیرو سوانح کے امام مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمہ اللہ علیہ

ابو عمر سوہدروی

پہلی ملاقات کا تذکرہ

برصغیر پاک و ہند کے عظیم مؤرخ اور منفرد سوانح نگار مولانا محمد اسحٰق بھٹی'' بھی ہمیں چھوڑ کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان پر مسلسل اپنی رحمتیں برسائے۔ آمین! محترم بھٹی صاحبؒ سے پہلی یادگار ملاقات کا تذکرہ اور بعد کے احوال کا تذکرہ عوام الناس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ خاکسار راقم جماعت کے متحرک سوانح نگار محترم عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ سے دیرینہ تعلق رکھتا ہے۔ راقم محترم عراقی صاحب کا اولین تلمیذ بھی ہے' انھی سے محترم بھٹی صاحبؒ کے بارے تاریخی واقعات و لطائف سننے کا شرف گاہے بہ گاہے حاصل ہوتا رہا۔ محترم بھٹی صاحبؒ سے ملنے کا اشتیاق دن بدن بڑھتا رہا۔ آخر ایک دن لاہور جانے کا موقع ملا' سانحہ' لاہور میں راقم کی تایا زاد بہن کا انتقال ہوا۔ تعزیت کے لیے وہاں جانا تھا۔ اتفاق سے محترم بھٹی صاحبؒ بھی وہیں مقیم تھے۔ راقم نے محترم عراقی حفظہ اللہ سے اڈریس اور فون نمبر لیا اور سیدھا محترم بھٹیؒ صاحب کے گھر پہنچ گیا۔ یہ 4 جون 2008ء بروز بدھ صبح 10 بجے کا وقت تھا۔ گھر کی گھنٹی دبائی ایک نوجوان لڑکا نمودار ہوا۔ یہ لڑکا محترم بھٹیؒ کا بھتیجا تھا۔ راقم نے اپنا نام بتایا۔ چند ہی لمحوں بعد دروازہ کھلا۔ راقم مہمان خانے میں بیٹھ گیا۔ کچھ ہی دیر میں درمیانے قد وقامت کے ایک بزرگ تشریف لائے ان کو دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔ نہایت سادہ لیکن دل دادہ شخصیت کے حامل عزت مآب محترم محمد اسحاق بھٹیؒ میرے سامنے کھڑے مسکرا رہے تھے۔ سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید' دھوتی پہنے اور چشمہ لگائے ہوئے تھے۔ حیات عظیم کی سینکڑوں بہاریں دیکھ چکے تھے۔ راقم ان کو دیکھ کر کرسی سے اٹھا اور گرم جوشی سے مصافحہ و

معانقہ کیا اور کرسی پر دوبارہ بیٹھ گیا۔ انہوں نے میرا بازو پکڑ کر اٹھنے کا اشارہ کیا اور ایک چارپائی کے ساتھ والی کرسی پر بٹھا دیا اور خود چارپائی پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے نام پوچھا اور آنے کا مقصد دریافت کیا۔ راقم نے محترم عراقی صاحب حفظ اللہ کے حوالہ سے اپنا مختصر تعارف کروایا۔

ان دنوں محترم بھٹی صاحبؒ کی قوت سماعت کمزور ہو چکی تھی اس لیے راقم کو ذرا اونچا بولنا پڑ رہا تھا۔ اگرچہ یہ چیز خلاف ادب سی لگتی ہے لیکن ایسا کرنا ضروری بھی تھا۔ محترم بھٹی صاحبؒ سے مستفید و مستفیض ہونے کے لیے ایسا انداز اپنانا پڑا۔ راقم انہیں انہماک سے دیکھ کر سوچ ہی رہا تھا کہ بات کہاں سے شروع کی جائے؟ انہوں نے خود ہی گفتگو کا آغاز کر دیا۔ ان کے منہ سے نکلنے ہوئے الفاظ وفقرات نہایت صاف ستھرے ادب سے لبریز تھے۔ وہ پنجابی زبان میں گفتگو کر رہے تھے ان کا انداز بیان نہایت دلکش' جاندار اور شاندار الفاظ وتراکیب کا مرقع تھا اس دوران وہی نوجوان لڑکا ٹھنڈا مشروب لے کر آ گیا اور ساتھ ہی چائے بسکٹ سے بھی تواضع ہوئی۔ ہلکے پھلکے طعام کے بعد فوراً کلام کا سلسلہ شروع ہوا۔ راقم نے فوراً ڈائری کھولی اور قلم کو تیار کیا اور کچھ پوچھنے لگا۔ اگرچہ یہ ملاقات تشنہ اور ادھوری رہی لیکن اس یادگار پہلی ملاقات نے راقم کو سیر کر دیا' جو تاریخی نکات ان سے سپرد قلم ہوئے وہ قارئین کے استفادے کے لیے قابل تحریر ہیں یہ تاریخی خاکہ ہمارے اسلاف کے عظیم کارناموں کی عکاسی کرتا ہے۔

تاریخ کے پس پردہ چند حقائق

مشہور ہے کہ شیر کا مارا ہوا شکار جنگل کے دوسرے جانور اس انداز سے کھاتے ہیں جیسے یہ شکار انہوں نے مل کر کیا ہے۔ بالکل اسی طرح برصغیر پاک وہند میں ادیان باطلہ کے خلاف تحریر و تقریر کی شکل میں علمائے اہل حدیث نے بہت عالی شان کام کیا۔ یہاں تک کہ عمل جہاد میں بھی ہراول دستے کے طور پر پیش پیش رہے۔ انہوں نے علمائے اہل حدیث کے کارناموں کو اپنے کھاتے میں ڈالنا شروع کر دیا۔ مگر حقیقت کبھی چھپ نہیں سکتی۔ برطانوی دور میں انگریز مؤرخوں کی لکھی ہوئی کتابیں بتلاتی ہیں کہ شکار پہلے کس نے مارا تھا؟

(1) The Arival of British Empire in India.

(2) Our Indian Muslims By W.W.Hunter

درج بالا دونوں کتب انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہیں ان میں حوالہ نمبر 2 کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ ان میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے لیے کون کون سی شخصیت کام کرتی رہی' اہل حدیث بزرگوں کے کارناموں پر محترم ڈاکٹر قیام الدین کا ایک شان دار مقالہ انگریزی زبان میں ''بعنوان'' Wahabi Movement in India''طبع شدہ ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے دلائل اور تاریخی حقائق سے ثابت کیا ہے کہ مذہب ہو یا سیاست' ہر میدان میں اہل حدیث علماء نے ابتداء کی اور سب سے زیادہ تحریر وتقریر کے ذریعہ قرآن وسنت کا دفاع کیا اور عملی جہاد میں بھی ہمیشہ پیش پیش رہے ان سارے حقائق کا اقرار انگریزوں اور ہندوؤں نے بھی کیا۔

محترم بھٹی صاحبؒ نے بتایا کہ ختم نبوت کے حوالہ سے آج ایک طبقہ ایسا ہے جو دھڑلے سے کہہ رہا ہے کہ ہمارے اکابروں نے مرزا کے خلاف بہت کام کیا جب کہ دوسرا طبقہ اپنے علاوہ کسی اور کے کام کو مانتا ہی نہیں۔ حالاں کہ اہل حدیث اس بات کا کھلے دل سے اقرار کرتے ہیں کہ ختم نبوت پر اہل سنت کے تمام گروہوں نے کام کیا لیکن تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ اس مسئلہ میں بھی علمائے اہل حدیث نے ہی پہل کی جس کا اعتراف مرزا خود اپنی کتاب ''آئینہ کمالات اسلام'' میں کرتا ہے۔ جب مرزا نے اعلان نبوت کا گستاخانہ اعلان کیا تو ہندوستان میں سب سے پہلے علامہ محمد حسین بٹالویؒ نے ایک ہزار علماء کے فتوؤں سے مرزا کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ علامہ قاضی سلیمان منصور پوریؒ نے سب سے پہلے کتاب لکھی اس کتاب میں قاضی صاحب نے دو پیش گوئیاں کی ہیں کہ مرزا زندگی میں اس کتاب کا جواب نہ دے سکے گا۔ اور حج کرنے سے بھی محروم رہے گا۔ یہ دونوں پیش گوئیاں بالکل سچ ثابت ہوئیں۔

مولانا عبدالحق غزنویؒ نے سب سے پہلے مرزا سے مباہلہ کیا۔ پھر شیخ الاسلام علامہ ثناء

اللہ امرتسریؒ نے مناظرہ ومباہلہ کیا۔ مرزا تو تمام عمر ان کو گالیاں ہی دیتا رہا اور مناظرہ ومباہلہ کے نتیجہ میں شیخ الاسلامؒ سے چالیس سال پہلے آنجہانی ہو گیا۔ مولانا معین الدین لکھویؒ کو خواب میں اللہ تعالیٰ نے دکھلا دیا کہ مرزا کفر کی موت مرے گا۔

مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ نے سب سے پہلے قرآن مجید کی روشنی میں ''شہادت القرآن'' نامی ایک جاندار کتاب تصنیف کی۔

پاکستان بننے کے بعد مولانا محمد حنیف ندویؒ نے سیاسی طور پر قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے میں جرنیلی کردار ادا کیا جس کا سارا کریڈٹ مولانا ندویؒ کو جاتا ہے۔

علماء اہل حدیث نے ہی 1826ء میں تحریک آزادی کا آغاز کیا۔ سلفی مجاہدین نے مختلف علاقوں میں جہادی تحریک کے ذریعہ کئی کارنامے سرانجام دیئے۔ ان کارناموں کی تفصیل مذکورہ انگریزی کتب میں موجود ہے۔ جو انڈیا آفس لائبریری لندن میں محفوظ ہیں۔

شیخ الاسلامؒ نے ''جمعیت علمائے ہند'' بنائی۔ جس نے تحریک آزادی میں کلیدی کردار ادا کیا۔ 1885ء میں کانگریس بنی' مولانا آزادؒ اس کے صدر آٹھ سال تک صدر رہے۔

دوران گفتگو تقسیم پاکستان کا ذکر ہوا تو محترم بھٹی صاحبؒ فرمانے لگے۔ تقسیم کے وقت پنجاب کے 29 اضلاع تھے ان میں 17 اضلاع پاکستان کے حصے میں آئے اور 12 اضلاع ہندوستان کو ملے' یعنی مشرقی پنجاب (بھارت) اور مغربی پنجاب (پاکستان) یہ سب گہری چال تھی۔ کیونکہ مشرقی پنجاب کے 12 اضلاع میں اہل حدیث کے 31 مدارس تھے اور مغربی پنجاب کے 17 اضلاع میں صرف 11 اہل حدیث مدارس تھے۔ ان تمام حقائق و واقعات کے بارے محترم بھٹی صاحبؒ نے راقم کو اپنی ایک غیر مطبوعہ کتاب کا مسودہ بھی دکھایا' جس کے بارے انہوں نے بتایا اس میں مزید اضافہ کر کے شائع کرواؤں گا۔ راقم نے اس مسودے کے بعض حصے دیکھے اور کچھ حصوں کو محترم بھٹی صاحبؒ نے خود پڑھ کر سنایا۔ محترم بھٹی صاحبؒ نے بتایا کہ سرحد سے ایک دوست کا فون آیا کہ آپ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ پر ایک مضمون لکھیں۔ اس کے بعد ان کے تین چار خطوط موصول ہوئے میں نے ان سب کا جواب دیا اور آخری خط کے جواب میں لکھا کہ میں

مولانا ندویؒ پر مضمون نہیں لکھوں گا کیونکہ انہوں نے ایک کتاب ''پرانے چراغ'' کے نام سے لکھی جو تین جلدوں میں ہے اس میں کسی ایک اہل حدیث عالم کا ذکر تک نہیں۔اس انکشافیہ جواب کے بعد ان صاحب نے دوبارہ مطلوبہ فرمائش نہیں کی۔ پھر محترم بھٹی صاحبؒ نے بتایا کہ میں نے ایک کتاب 'ہفت اقلیم'، لکھی ہے۔اس میں ایک حنفی عالم کا ذکر کیا ہے۔

قرآن پاک کی تفسیر کے بارے ذکر ہوا تو فرمانے لگے کہ پنجاب میں سب سے پہلے قرآن مجید کی تفسیر ایک سلفی عالم نے لکھی اور کہا ویسے مجھے تفسیر میں مولانا محمد حنیف ندویؒ کا کام سب سے عمدہ لگتا ہے کیونکہ مولانا ندویؒ کی تفسیر میں بڑی گہری نظر تھی۔انہوں نے مزید بتایا کہ مولانا ندویؒ سے میری رفاقت چالیس سال تک رہی۔تقریباً روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔وہ خوش طبع انسان تھے۔یہ تفصیل جان کر راقم نے محترم بھٹی صاحبؒ کی کتاب ''ارمغان حنیف'' کے حوالہ سے پوچھا کہ آپ جو لطائف بیان کرتے ہیں ان میں کچھ حقائق بھی ہوتے ہیں۔یہ سن کر آپ مسکرائے اور کہا لطیفہ تو لطیفہ ہوتا ہے۔لطیفہ بیان کرنا بھی ایک فن ہے اور لطیفہ لکھنا الگ فن ہے۔مولانا ندویؒ خود بھی بہت لطائف بیان کرتے تھے' اس دوران انہوں نے اپنی کتاب ''خدام القرآن'' کے حوالہ سے بتایا کہ اس کتاب میں حروف تہجی کی ترتیب سے کتاب کمزور ہوگئی ہے۔میں نے پوچھا وہ کیسے؟ انہوں نے مسکراتے ہوئے بتلایا کہ ''نکو'' (چھوٹے) مولوی پہلے آگئے اور اکابر علماء آگے پیچھے ہوگئے' یہ سن کر میں بھی ہنس پڑا۔

یہاں دوران چائے کا ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ جب چائے سامنے رکھی گئی تو میں اس وقت کچھ لکھ رہا تھا۔''محترم بھٹی صاحبؒ'' نے دو تین بار فرمایا کہ چائے پی لیں ورنہ مجھے پینی پڑے گی۔اس پر وہ خود بھی مسکرا دیئے محترم بھٹی صاحبؒ نے فرمایا کہ لکھنا بہت مشکل کام ہے اگر کسی کے بارے کچھ لکھا جائے تو لوگ سلیقہ سے ''جزاک اللہ'' بھی نہیں کہتے۔انہوں نے یہ بھی بتایا کہ تاریخ واقعات کا نام ہے' تعریفوں کا نام نہیں اس لیے سچ لکھنا چاہئے۔اس کے بعد راقم نے اجازت طلب کی اور دوبارہ ملاقات کا اظہار کیا تو آپ مسکرا کر بولے انشاء اللہ ملاقات ہوگی لیکن جیتے جی آنا صرف مرنے پر نہ آنا' راقم نے اٹھتے ہوئے پوچھا آپ کے نزدیک جمہوریت کا نظام

کیسا ہے؟ بولے جمہوری نظام کفر ہے اور تمام مذہبی جماعتوں کا اس میں شریک ہونا فساد ہے۔

دوسری ملاقات

محترم بھٹی صاحبؒ سے پہلی ملاقات کے بعد دوسری ملاقات محترم عبدالرشید عراقی حفظہ اللہ کے ہمراہ ہوئی اس کا پس منظر یہ تھا کہ راقم ان دنوں شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانبازؒ سیالکوٹی پر ایک کتاب مرتب کر رہا تھا۔ استاد محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ میری راہنمائی فرما رہے تھے۔ راقم نے محترم بھٹی صاحبؒ کے تاثرات لکھنے تھے اور ساتھ کچھ راہنمائی بھی لینی تھی۔ اور بھٹی صاحب سے کتاب کے لیے مضمون بھی لکھوانا تھا۔''

18 جولائی 2009ء بروز ہفتہ ہم دونوں محترم بھٹی صاحبؒ کے علم کدہ پہنچے۔ دستک دی تو اتفاق سے بیٹھک کا دروازہ خود شیخ نے کھولا۔ دیکھتے ہی مسکرائے اور محترم عراقی حفظہ اللہ سے مخاطب ہو کر بولے'' آپ تو بڑے مولوی بن گئے ہیں اور آپ تو کسی مسجد کے خادم بھی معلوم ہوتے ہیں'' یہ استقبالیہ کلمات سن کر راقم اور محترم عراقی صاحب بے ساختہ ہنسنے لگے۔ اور محترم بھٹی صاحبؒ خود بھی حسب عادت مسکرانے لگے۔ پھر انہوں نے اندر آنے کو کہا۔ ہم سب بیٹھ گئے تو بھٹی صاحب نے چائے' پانی کا آرڈر دے دیا۔ چائے آنے تک رسمی اور غیر رسمی گفتگو شروع ہو گئی۔ دوران گفتگو میں نے پچھلی ملاقات کا ذکر کیا اور مولانا ابوالحسن ندویؒ کی کتاب ''پرانے چراغ'' کے حوالے سے پوچھا کہ اس کتاب میں سید ابوبکر غزنویؒ کا ذکر موجود ہے جب کہ آپ نے فرمایا تھا کہ اس میں کسی اہل حدیث کا ذکر نہیں۔ آپ نے برجستہ فرمایا'' اس کتاب میں سید ابو بکر غزنویؒ کا ذکر بطور ''صوفی'' کیا گیا ہے۔ کیوں کہ ان کے خاندان میں اجتماعی ذکر کا رواج تھا لہٰذا ''پرانے چراغ'' نامی کتاب میں کسی اہل حدیث عالم کا ذکر نہیں۔ گفتگو میں مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کا ذکر ہوا تو بھٹی صاحب نے بتایا کہ مولانا دریا آبادی نے دو تین مضامین میرا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی انکشاف کیا کہ مولانا دریا آبادیؒ مرزائیوں کو کافر نہیں کہتے تھے۔

بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ دوپہر کا وقت ہو گیا اتنے میں کھانا تیار ہو کر آ گیا'

کھانے کے بعد میٹھی سویاں بھی آ گئیں۔ اس ڈش کو دیکھ کر محترم بھٹی صاحبؒ کہنے لگے ''بھئی یہ تو ''جمعرات'' والا کام ہو گیا ہے۔

دوران گفتگو راقم نے بریلوی علماء کے بارے کچھ معلومات حاصل کیں محترم بھٹی صاحبؒ نے بتایا مولوی محمود احمد رضوی نے ایک دفعہ مجھ سے پوچھا کہ آپ نے مولوی احمد رضا خان کا تذکرہ اپنی کتاب ''فقہائے ہند'' میں کیوں نہیں کیا؟ میں نے کہا مولوی احمد رضا خان تیرہویں صدی میں موجود نہ تھے۔ اس لیے ان کا ذکر نہیں ہوا۔

محترم بھٹی صاحبؒ نے ادارہ ثقافت اسلامیہ میں 82 سال ملازمت کی مولانا ابوالاشبال شغف آپ کو آثار قدیمہ کہتے تھے۔

چند لمحوں کے بعد محترم بھٹی صاحبؒ نے بتایا کہ مولانا غلام رسول مہرؒ سے کسی نے پوچھا آپ اداریہ کتنی دیر میں لکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایک فلم کی تقریب میں جانا تھا۔ کسی رسالے کا اداریہ لکھ کر بیگ میں رکھا تھا جب اس کو ڈھونڈا تو نہ ملا پھر 12 منٹ میں وہی اداریہ دوبارہ لکھ دیا۔

ہماری گفتگو اختتامی لحات میں جا رہی تھی' محترم بھٹی صاحبؒ نے محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ کو مخاطب کر کے چائے کا پوچھا تو محترم عراقی صاحب نے فوراً کہا نہیں اب اجازت دیں۔ یہ سن کر محترم بھٹی صاحبؒ نے کہا آپ اپنی ترجمانی کر رہے ہیں یا ان کی بھی' راقم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس ملاقات کے بعد نئی ملاقاتوں کا سلسلہ چل پڑا۔ 11 مارچ 2012ء بروز اتوار قلعہ میاں سنگھ (قلعہ اسلام) گوجرانوالا میں محترم بھٹی صاحبؒ کی تصنیف کردہ خوبصورت کتاب ''تذکرہ مولانا غلام رسول قلعویؒ کی'' تقریب رونمائی ہوئی جس میں راقم اور محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ بھی شامل ہوئے۔ اس تقریب میں محترم بھٹی صاحبؒ نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا۔

مولانا غلام رسولؒ تقریر و تدریس پنجابی زبان میں کرتے تھے اور خط و کتابت فارسی زبان میں کرتے تھے۔ مولانا کا زمانہ دعوت و تبلیغ سے بھرپور تھا اور اس وقت یہ مغلوں کا آخری دور تھا۔ مولانا ولی اللہ انسان تھے' ان کی کرامتوں میں جنات کا بہت عمل دخل تھا۔

ایک اور ملاقات

9 مئی 2012ء بروز بدھ راقم محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ کے ساتھ محترم بھٹی صاحبؒ کے علمی قیام گاہ پہنچا۔ حال احوال کے بعد محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ نے محترم بھٹی صاحبؒ کو بتایا کہ ''ماہنامہ الاحیاء' لاہور'' میں ایک مضمون شائع ہوا۔ ہے جس میں صاحب مضمون نے مولانا ابوالکلام آزاد کو مقلد ثابت کیا ہے۔ میں نے دلائل کے ساتھ اس مضمون کا رد لکھا تو جواب میں مضمون نگار نے ناکام تاویلات کا سہارا لے کر اپنا دفاع کیا۔'' یہ سن کر محترم بھٹی صاحبؒ نے کہا محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ اب اس کا جواب نہ دینا یہ علمی گفتگو نہیں رہے گی۔

لاہور' گوجراں والا اور سیالکوٹ میں محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ کے ہمراہ محترم بھٹی صاحبؒ سے لاتعداد ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ فون پر بھی کئی دفعہ گفتگو ہوئی۔ آپ جب بھی محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کو فون کرتے یا عراقی صاحب آپ کو فون کرتے خاکسار راقم کا ضرور پوچھتے کہ عراقی صاحب آپ کے ''سیکرٹری'' کا کیا حال ہے؟ ان کو میرا سلام کہنا! محترم بھٹی صاحبؒ اپنی کتاب 'چمنستان حدیث' میں خاکسار راقم کا تذکرہ محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ کے ترجمہ میں نہایت قیمتی الفاظ میں کیا ہے جو راقم آثم کے لیے باعث شرف وعزت ہے۔ یہ کتاب بھٹی صاحب نے راقم کو بذریعہ ڈاک بھجوائی۔

ملاقاتوں کا اختتام

22 دسمبر 2015ء بروز منگل بمطابق 10 ربیع الاول 1437ھ نماز فجر کے بعد محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ گھر جا کر سورج نکلنے کے بعد دوبارہ مسجد میں آئے راقم اس وقت مسجد میں ہی تھا' محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ نے نم آلود آنکھوں سے بتایا کہ بھٹی صاحب انتقال کر گئے ہیں۔ یہ سنتے ہی زبان سے ''انا للہ وانا الیہ راجعون'' کے کلمات زبان سے نکل پڑے فوراً مختلف علماء سے رابطہ کر کے تصدیق کی

اور لاہور جانے کا انتظام کرنے لگے۔ وزیر آباد میں حکیم محمد عتیق الرحمٰن سلفی حفظہ اللہ کو اطلاع دی اتفاق سے وہ اپنا چیک اپ کروانے کے لیے لاہور روانگی میں مصروف تھے۔ انھوں نے محترم عراقی صاحب حفظہ اللہ سے کہا کہ آپ 11 بجے وزیر آباد آ جائیں۔ حکیم صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی جو وزیر آباد کے نہایت معروف ڈاکٹر ہیں' ڈاکٹر محمد یوسف فاروق حفظہ اللہ کو فون کر کے گاڑی منگوالی' ڈاکٹر صاحب نے اپنا ڈرائیور بھی ساتھ بھیجا' وہ اپنی انتہائی مصروفیت کی بنا پر خود نہ جا سکے۔ ناصر باغ لاہور میں 2 بجے جنازہ تھا نماز جنازہ پروفیسر ڈاکٹر حماد لکھوی حفظہ اللہ نے رقت آمیز انداز میں پڑھایا۔ محترم بھٹی صاحبؒ لکھوی خاندان کے بزرگوں کو اپنا ''پیر'' کہا کرتے تھے جنازہ ادا کرنے سے پہلے ڈاکٹر حماد صاحب نے بتایا کہ انتقال سے چار پانچ دن پہلے محترم بھٹی صاحبؒ نے مجھے فون کیا اور کہا کہ دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں لیکن میں آپ کو دس بار یاد کرتا ہوں کسی دن آ کر مل جاؤ' میں حسب حکم انکے گھر گیا کیونکہ میں ان کو اپنے باپ کی طرح سمجھتا ہوں' ملاقات ہوئی محترم بھٹی صاحبؒ فرمانے لگے اب کسی سے ملنے اور بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔ آہستہ آہستہ سارے ساتھی دنیا سے جا رہے ہیں''

نماز جنازہ کے بعد جب چہرہ دیکھا تو اسے محسوس ہوا جیسے قیلولہ فرما رہے ہیں لیکن یہ قیلولہ بڑا طویل ہوگا اب نہ کوئی ''فونی'' ملاقات اور نہ کوئی ''خونی'' (بالمشافہ) ملاقات کا امکان ہے جنازہ میں شامل ہونے کے جہاں شرعی اور روحانی فوائد حاصل ہوئے ہیں وہاں معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ نماز جنازہ کے بعد جماعت کے نامور اور جید علماء اور اہل قلم حضرات سے ملاقاتیں ہوئیں جس سے دل و دماغ کا غم قدرے ہلکا ہوا۔ جنازہ میں شیخ زبیر علی زئی کے ہونہار شاگرد حافظ ندیم ظہیر نے بتایا کہ محترم بھٹی صاحبؒ سے جب بھی ملاقات ہوئی مجھے چھوٹے زبیر کہہ کر مخاطب ہوئے۔

جہدِ مسلسل کی علامت

مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم

حافظ محمد مشتاق ربانی

مولانا محمد اسحاق بھٹی مرحوم ایک عظیم اسلامی محقق اور ممتاز عالم دین تھے۔ دسمبر 2015ء میں وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ آپ مارچ 1925ء کو کوٹ کپورہ (ریاست فرید کوٹ، مشرقی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ وہ مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ (مؤلف: پیارے رسول ﷺ کی پیاری دعائیں) کے شاگردوں میں سے تھے، جن سے آپ نے عقلی و نقلی علوم کے ساتھ ترجمۃ القرآن بطور خاص سیکھا۔ شیخ المحدثین حافظ محمد گوندلویؒ اور شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ (یہ دونوں اہل حدیث مکتبہ فکر کے چوٹی کے علماء میں سے ہیں) سے احادیث کی بعض کتابیں پڑھیں۔ مولانا بھٹی نے درس نظامی کی تکمیل اپنے وقت کے چوٹی کے علماء سے کی۔ آپ تمام عمر مختلف اسلامی موضوعات پر لکھتے رہے۔ فقہائے ہند، بزم ارجمنداں، اہل حدیث خدام قرآن، نقوشِ عظمت رفتہ، کاروانِ سلف، ہفت اقلیم ان کی بطور خاص تصانیف ہیں۔ ان کی تصانیف کی کل تعداد چالیس کے قریب بنتی ہے۔ ان کی کتاب فقہائے ہند، دس جلدوں پر مشتمل ہے۔ سوانح نگاری سے ان کو خصوصی دلچسپی تھی۔ وہ ایک بہترین خاکہ نویس تھے۔ تذکرہ نویسی ان کے ہاں بطورِ فن نظر آتی ہے۔ خاکہ نویسوں کی اگر تاریخ مرتب کی جائے تو مولانا محمد اسحاق بھٹی اس میں نمایاں مقام پائیں گے۔ ان کے ہاں خاکہ نویسی کا فن دیکھنا ہو تو 'ہفت اقلیم' اس کی واضح مثال ہے۔

وہ لکھوی خاندان اور امام عبدالجبار غزنوی کے خاندان کی علمی اور دعوتی سرگرمیوں سے بہت متاثر تھے۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزادؒ (صاحب ترجمان القرآن) اور مولانا حنیف ندویؒ (ایک عظیم متکلم اور ہفت روزہ الاعتصام کے پہلے ایڈیٹر) کی عظمت کے معترف رہے۔ انہیں

مولانا آزادؒ کو براہ راست سننے کا موقع بھی نصیب ہوا۔ مولانا بھٹی تاریخ اور تراجم میں ایک مضبوط سند تھے۔ دینی اردو ادب پر ان کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ خاص طور پر اہلحدیث علماء کرام پر انہوں نے خوب لکھا۔ ان کی صحافتی زندگی بہت پھیلی ہوئی ہے۔ مولانا صاحب نے آزادی کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لیا اور اسیر بھی رہے۔ اس سیاسی جدوجہد سے ان کے مزاج کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کی سیاسی جدوجہد کی تفصیل ان کی کتاب ''نقوشِ عظمت رفتہ'' میں پڑھی جا سکتی ہے۔ آزادی کی جدوجہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک جری انسان تھے اور کسی قسم کا خوف بھی ان کا راستہ نہیں روک سکتا تھا۔

مولانا اسحاق بھٹی ہفت روزہ مجلّہ 'الاعتصام' سے منسلک رہے۔ اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ مولانا حنیف ندوی بھی اس کے ایڈیٹر رہے۔ یہ قرآن وسنت کی تعلیمات کی نمائندگی کرتا ہے۔ مجلّہ الاعتصام کے ساتھ وہ تقریباً 16 سال وابستہ رہے۔ مولانا بھٹی کی ادارہ ثقافت اسلامیہ سے بھی تقریباً 32 سال وابستگی رہی۔ اس ادارہ میں انہوں نے محنت اور جانفشانی سے کام کیا اور ان کی صلاحیتیں مزید نکھر آئیں۔ وہ جہاں بھی رہے خوب لگن سے کام کیا۔ وہ کوئی سیلانی طبیعت کے مالک نہ تھے' بلکہ ان کے مزاج میں ٹھہراؤ تھا۔ انہوں نے کئی اخبارات میں مضامین لکھے اور مجلات سے منسلک رہے۔

ترجمہ نگاری میں بھی مولانا بھٹی کا عمدہ کام ہے۔ ابن ندیم کی 'الفہرست' کا عربی سے اردو میں بڑا رواں اور سلیس ترجمہ کیا۔ آپ ان کے ترجمہ کے لیے منتخب کام پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بالغ نظر شخصیت تھے۔ ''الفہرست'' کتب کے حوالے سے ایک جامع انسائیکلو پیڈیا ہے' جس کی ہر طرف طلب ہے۔ یہ کتاب ہر محقق کی ضرورت ہے اور موجودہ دور میں تحقیق کی بڑی اہمیت ہے۔ ہمارے ہاں ترجمہ نگاری کی طرف کم توجہ ہے۔ ایک دوسرے کے فکر و فلسفہ سے ہمیں استفادہ کرنا چاہیے۔ اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ وہ زبان سیکھیں جس میں وہ فکر و فلسفہ موجود ہے' اور اگر یہ نہیں تو ماہرین لسانیات کو ترجمہ نگاری کی طرف متوجہ ہونا چاہئے' جس طرح مولانا بھٹی اور دیگر فضلاء نے بعض عمدہ ترجمے کیے۔

اگرچہ مولانا ایک خاص مسلک سے تعلق رکھتے تھے' لیکن وہ کشادہ ذہن کے مالک'

وسیع النظر اور ایک صاحب بصیرت انسان تھے۔ وہ سب کی خوبیوں کو سراہتے اور سب کی خامیوں کو اصلاح کی غرض سے ہدف تنقید بناتے۔

مولانا بھٹی کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ وہ جہاں دیدہ شخص تھے اور اپنی زندگی میں بہت سے نشیب وفراز سے گزر چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل سے انہوں نے 91 سال عمر پائی۔ وہ خوش طبع اور شگفتہ مزاج عالم دین تھے۔ شیرینی گفتگو سے وہ مجلس کو پُر لطف بنا دیتے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں سے خندہ پیشانی سے پیش آتے اور ان کی خوب تواضع کرتے۔ ہر کوئی بآسانی ان سے مل کر فیض حاصل کر سکتا تھا۔ عام طور پر اہلحدیث کے بارے میں یہ تاثر ہے کہ وہ روکھے ہوتے ہیں' لیکن مولانا صاحب بڑے شگفتہ مزاج کے حامل تھے۔ جو ایک دفعہ ان سے ملتا' وہ دوبارہ ان سے ملنے کی تمنا کرتا۔ ظریفانہ مزاج کے مالک اور ہر کسی سے تبسم کے ساتھ ملتے۔ وہ ''وجه طلق'' کی عملی تصویر تھے۔

مولانا صاحب لکھنے کے شہسوار تھے۔ ان کی پہچان ہی ایک بہترین لکھاری کی تھی۔ ان کا اسلوب نگارش دل نشین تھا۔ علماء کرام عام طور پر خطابت پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں لیکن ان کے ہاں زبان سے زیادہ قلم کی اہمیت نظر آتی ہے۔ قلم بھی انہوں نے اسلام کی خاطر استعمال کیا۔ آپ نے علمی کام کرنے والی شخصیات کو ایک نئی زندگی عطا کی اور بعض شخصیات کو گمنامی سے نکالنے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے عوام پر ان کا احسان ہے کہ انہوں نے دینی شخصیات کے نئے پہلو متعارف کروائے۔ اردو ادب کی صنف سوانح نگاری کی آبیاری کی۔ انہوں نے مولانا مودودیؒ کی اصطلاح ''ادب برائے زندگی'' کو پروان چڑھایا۔ وہ صرف صاحب قلم ہی نہیں ایک خطیب بھی تھے اور دعوت دین کے جذبہ سے کچھ عرصہ مسجد دارالسلام' باغ جناح' لاہور میں خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے رہے۔

وہ ایک باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ متانت ان کا زیور تھا۔ ہر کسی سے ملنساری سے ملتے۔ تواضع اور سادگی سے آراستہ تھے۔ نوجوانوں سے خاص محبت تھی اور ان کی دینی امور کے بارے میں رہنمائی کرتے تھے۔ وہ ستاروں پر کمند ڈالنے والے نوجوانوں کی خصوصی حوصلہ افزائی فرماتے۔ علماء کو چاہیے کہ وہ نوجوانوں کو دینی علوم اور عربی زبان وادب کی جانب راغب کریں۔ عربی ادبیات دراصل قرآن وحدیث کی تفہیم کے لیے آلہ اور بنیادی علم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

مولانا اسحاق بھٹی کا شمار ان علماء کرام میں ہوتا ہے جو عوام اور روایتی علماء کو جامد اور اندھی تقلید سے نکال کر خالص توحید کی طرف لے کر جانا چاہتے تھے۔ اسلام ہمیں اکابر کے ساتھ وابستہ رہنا سکھاتا ہے' لیکن وہ ساتھ غور و فکر پر بھی زور دیتا ہے۔ ہمارے زوال کی ایک علامت جامد تقلید ہے۔ اسلام ہمیں تحقیق پر آمادہ کرتا ہے۔ مولانا بھٹی اور اس قبیل کے دیگر چند علماء کرام لوگوں کو حقیقی اسلام کی راہ دکھانے والے ہیں۔ بعض شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو اگرچہ ایک خاص مسلک کی پابند ہوتی ہیں لیکن وہ اعتدال اور رواداری کا دامن تھامنے کی وجہ سے سب کے ہاں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ مولانا ان میں سے ایک ہیں۔ دوسرے مسالک کے نمائندگان سے بھی ان کا پیار اور محبت کا تعلق تھا۔ اگرچہ انہوں نے شخصیات پر زیادہ کام کیا لیکن وہ خود کسی خاص شخصیت کے اسیر نہیں ہوئے' صرف ان کی خدمات کی حد تک دلچسپی رکھی۔

مولانا بھٹی نے اپنی سرگذشت 'گزر گئی گزران' کے عنوان سے تحریر کی اور اس کو دلچسپ طرز تحریر سے آراستہ کیا۔ اس کو پڑھنے سے تاریخ کے اس خاص عہد کے بارے میں جان کاری ہوتی ہے' جس میں مولانا بھٹی نہایت فعال رہے ہیں۔ یقیناً وہ علماء کرام کو پیغام دے گئے ہیں کہ وہ وعظ و نصیحت اور خطابت کے ساتھ ساتھ لکھنے پر بھی توجہ دیں' کیونکہ قلم انسان کو زندہ رکھتا ہے۔ اگرچہ لکھنے کا کام خطابت کی نسبت دشوار ہے لیکن قلم تبلیغ کا ایک پُر وقار ذریعہ ہے۔

مولانا اسحاق بھٹی کی خدمات کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ بعض جامعات میں ان پر مقالات بھی لکھے گئے ہیں۔ ایک مقالہ پروفیسر فوزیہ سحر ملک نے پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے مولانا کی خاکہ نگاری کے بارے میں لکھا۔ جامعہ پنجاب میں ہی ایک دوسرا مقالہ پروفیسر حماد لکھوی کی نگرانی میں لکھا گیا۔ مولانا کی شخصیت پر مولانا محمد رمضان سلفی نے عمدہ کتاب تحریر کی ہے۔ اس کتاب کا ناشر مکتبہ رحمانیہ (ناصر روڈ' سیالکوٹ) ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مولانا کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین (بشکریہ ماہنامہ میثاق لاہور)

''گزر گئی گزران''

حمید اللہ خان عزیز۔ احمد پور شرقیہ

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا تھا سو لوٹا رہا ہوں

''گزر گئی گزران''......علامہ مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کی خودنوشت حالاتِ زندگی ہیں۔
ایک بہترین خودنوشت متعدد چیزوں کا مرقع ہوتی ہے۔ یہ اس شخص کی بیتی زندگی کا احوال تو ہوتا ہی ہے لیکن ایک لحاظ سے یہ جگ بیتی بھی ہوتی ہے اس میں سفرنانے کے رنگ برنگ مناظر ہوتے ہیں۔ زندگی کی ''گزران'' میں کئی شخصیات سے تعارف نامۂ ادبی خاکے اور مجموعے مطالعہ میں آتے ہیں۔ زندگی کے سفر میں درپیش مسائل' غم و درد اور دُکھ و تکالیف کے ذکر کے ساتھ ''صاحب گزران'' حالاتِ حاضرہ پر بھی ایک طائرانہ نگاہ ڈالتا ہے اور عصر حاضر کو درپیش بعض مسائل کا بھی خوب جائزہ لیتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ سماجیات اور تہذیب و ثقافت کو بھی موضوعِ سخن بناتا ہے۔
حضرت بھٹی صاحبؒ نے ''گزر گئی گزران''۔ میں یہ تمام لوازمات اکٹھے کر دیئے ہیں جس سے قاری کے ذوق مطالعہ کو جلا ملتی ہے اور اس کی ادبی تسکین میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔
حضرت بھٹی صاحبؒ ہمارے عہد کی ایک ایسی نامور شخصیت ہیں کہ زندگی کے ہر میدان میں مخلصانہ جستجو' محنت' لگن اور عزم و استقلال سے آگے بڑھے اور قابل رشک سربلندی اور سرخ روئی حاصل کی۔
حضرت بھٹی صاحبؒ نے تصنیف و تالیف کی دنیا میں بڑا نام پیدا کیا۔ بے شبہ انہوں نے نامساعد حالات میں علم و ادب کی دنیا میں قدم رکھا لیکن بہت جلد ایک زبردست عالم دین اور مصنف کے طور پر شہرت پائی۔ آج ایک دنیا ان کی تحقیق سے متاثر ہو کر انہیں سلام عقیدت پیش

کر رہی ہے اور ان کی شرافت' دیانت داری اور انکساری کی گواہی دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں اپنی زندگی ہی میں عزت' شہرت اور خانگی سکھ وغیرہ سب کچھ مل گیا اور انہیں یہ سب ایک طویل جدوجہد اور جاں گسل مراحل طے کرنے کے بعد حاصل ہوا۔

بھٹی صاحب ایک کامیاب زندگی گزار کر اور اپنے کیے ہوئے کاموں سے شاداں و مسرور ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے وہ اپنی پوری زندگی اپنے اہل خانہ کے ساتھ لاہور جیسے بارونق شہر میں مقیم رہے۔ انہوں نے اپنی ''گزران'' کو قدرے تفصیل کے ساتھ اپنی خودنوشت ''گزر گئی گزران'' میں بیان کیا ہے۔

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

موصوف نے اپنی پیدائش 15 مارچ 1925ء سے لے کر تادم تحریر (19 مارچ 2009ء بعمر 82 برس) تک کے تمام حالات و واقعات کو قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ اس خود نوشت کے چھبیس (26) ابواب ہیں۔ جن میں ان کا خاندانی پس منظر بھی ہے۔ والدین اور خاندان کے بڑے بزرگوں کے چیدہ چیدہ احوال زیست بھی ہیں۔ اساتذہ کرام کے تعارف کے ساتھ ساتھ اوائل زندگی کی باتیں اور زمانہ طالب علمی میں شوق مطالعہ کی کہانی بھی ہے۔ اس میں ان کی ملازمت کے جھمیلوں کا ذکر بھی ہے۔ ہندوستان کے متعدد مقامات کی سیر کا احوال بھی ہے۔ خدمت تدریس کا ذکر جمیل بھی ہے۔ سیاست و صحافت میں آبلہ پائی کرنے کی تاریخ بھی ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کی روداد بھی ہے آبائی وطن ریاست فرید کوٹ کے مشہور علاقے کوٹ کپورہ سے کوچ اور پاکستان میں ورود مسعود کی سرگزشت سے علاوہ نئے ملک کی نئی منزلوں اور راہوں سے آشنائی کا قصہ درد بھی ہے۔

مصنف موصوف ''گزر گئی گزران'' سے متعلق اپنا مختصر تبصرہ لکھتے ہوئے کہتے ہیں۔

''اسے داستان حیات بھی کہا جا سکتا ہے۔ سفر زندگی بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لوح زیست کے نام سے بھی موسوم کیا جا سکتا ہے۔ عمر رفتہ کی بے مقصد کہانی سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ چند نقوش قدم بھی کہا جا سکتا ہے۔ ایک فقیر ناتواں کی روداد شب و روز بھی کہا جا سکتا ہے۔ ایک گم

نام مسافر کا سفرنامہ حیات بھی کہا جا سکتا ہے۔ چوں کہ میں نے اسے زندگی کے آخری دور میں لکھا ہے' اس لیے اسے حرف آخر یا زندگی کی آخری منزل بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ اسے ''گزر گئی گزران'' سے تعبیر کیا جائے۔ اگر قارئین محاورہ پورا کرنا چاہیں تو اس کے ساتھ ''کیا جھونپڑی کیا میدان'' کا اضافہ کر لیں۔''

خود نوشت کا ایک اسلوب ''احوال الرجال'' کا اسلوب ہوتا ہے جیسے عبدالمجید سالک کی ''سرگزشت'' یا مشتاق یوسفی کی ''زرگزشت'' بھٹی صاحبؒ احوال الرجال لکھنے میں ماہر ہیں تو انہوں نے اپنی خودنوشت لکھنے میں ''احوال الرجال'' کے اسلوب کا سہارا لیا ہے۔ جس میں کچھ آپ بیتی اور کچھ جگ بیتی کا عنصر نمایاں نظر آتا ہے۔ ان کا اسلوب صاف ستھرا' نکھرا ہوا ہے اور پڑھنے میں رواں دواں۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر مرحوم و مغفوران کے اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں۔

''بھٹی صاحب نے ''گزر گئی گزران'' میں تجربات کا تنوع' مشاہدات کی گہرائی' واقعات کا استحضار' مطالعے کی وسعت' حافظے کی نعمت' اظہار کی قوت' اسلوب کی ندرت اور دین کی حمیت جیسی اقدار و خصائص کو پیش کر کے ادبیات اردو کے دامن میں ایک مستقل معیار کی حامل آپ بیتی کا اضافہ کیا ہے۔'' (ص:20)

حضرت بھٹی صاحبؒ نے اپنے دور کے مشہور محدثین حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی' مولانا حافظ محمد محدث گوندلویؒ شیخ الحدیث مولانا ثناء اللہ ہوشیار پوریؒ سے درسِ نظامی کی تکمیل کی۔ مرکز الاسلام لکھو کے تدریس کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے وقت لٹے پٹے قافلوں کے ساتھ خاندان کو لے کر پہلے قصور اور پھر مستقل چک نمبر 53 گ ب ڈھیسیاں تحصیل جڑانوالہ ضلع فیصل آباد سکونت اختیار کی 1947ء میں مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان قائم ہوئی۔ اس کے پہلے ناظم دفتر مقرر ہوئے۔ 19 اگست 1949ء کو گوجراں والا سے ہفت روزہ ''الاعتصام'' کا اجراء ہوا۔ اسکے مدیر مفسر قرآن مولانا محمد حنیف ندویؒ معاونِ مدیر مولانا اسحاق بھٹیؒ مقرر کیے گئے۔ مولانا ندوی چند سال بعد ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے۔ تو موصوف بااختیار ایڈیٹر کے منصب پر فائز ہو گئے۔ بعد میں حالات کچھ ایسے پیدا ہوئے کہ وہ ''الاعتصام''

سے مستعفی ہو گئے۔ پھر مولانا ابوبکر غزنویؒ کے ہفت روزہ ''توحید'' کی ادارت کی اسے چھوڑ کر اپنا اخبار ''منہاج'' جاری کیا۔ جو نامساعد حالات کی نذر ہو گیا۔ 21 اکتوبر 1965ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک ہوئے تو اپنے علم و تحقیق کے انبار لگا دیئے۔ اس کے ماہانہ میگزین ''المعارف'' کے مدیر مقرر ہوئے تو درجنوں علمی و فکری مضامین و مقالات کے ڈھیر لگا دیئے۔ 1996ء کو ریٹائرڈ ہوئے اور اپنے گھر کے ایک گوشے میں بیٹھ کر ہزاروں نادر صفحات رقم کیے۔

اپنی زندگی کی اس مسافت کو انہوں نے ''گزر گئی گزران'' کے نام سے لکھا گویا کہ انہوں نے کوہ پیمائی و دشت نوردی لکھ دی لیکن مقام عاجزی دیکھیے۔ لکھتے ہیں۔

''نہ میں کسی مذہبی یا سیاسی جماعت کا لیڈر رہوں' نہ خطیب اور مقرر ہوں نہ بہت بڑا مصنف اور ادیب ہوں' نہ سیاح اور جہاں گرد ہوں' نہ کسی محکمے کا سربراہ ہوں' نہ حاکم یا وزیر ہوں' نہ صنعت کار یا کارخانہ دار ہوں۔ جب ان اوصاف میں سے کوئی وصف بھی مجھ میں نہیں پایا جاتا تو میرے واقعات زندگی کیا ہوں گے۔ محض قلم کا مزدور ہوں اور قلم کے مزدور کے پاس سوائے قلم کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ (ص: ج)

بھٹی صاحب کی بڑی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے روداد سفر حیات کے بیان میں راست گفتاری و صدق بیانی کا دامن ہاتھ سے کہیں نہیں چھوڑا۔ حالاں کہ خودنوشت لکھتے ہوئے سچائی پر گامزن رہنا بہت مشکل امر ہے۔ اس میں عموماً دروغ گوئی' مبالغہ آمیزی' فخریہ انداز اور فسانہ طرازی سے کام لیا جاتا ہے۔ اگر یہ عناصر ترکیبی شامل نہ ہوں تو ایسی کتاب کو ''خودنوشت'' کے زمرے سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن بھٹی صاحب نے اپنی ''خودنوشت'' میں یہ ''اوصاف'' پیدا ہی نہیں ہونے دیئے۔ ان کی یہ تخلیق بعض مصنفین و مؤلفین کی ان کتابوں سے بمراحل دل پذیر' دل ربا' دل کش ہے جو اپنی زندگیاں قلم و قرطاس میں جھونک چکے لیکن ان کے حروف والفاظ گدازی اور گداختگی کی لطیف جذبات سے اس لیے یکسر محروم ہیں۔ کہ ان کی تحریروں میں راست انداز اختیار نہیں کیا گیا۔ جگہ جگہ تعلّی اور مبالغہ آمیزی نظر آتی ہے۔ بقول شاعر

خالی نہ ہوں کیوں لذت گویائی سے
وہ لفظ ہیں جو کھلے سچائی سے

''گزر گئی گزران'' میں صدق گفتاری اور راست بیانی کی اس خوبی کے متعلق ادیب شہید مولانا پروفیسر عبدالجبار شاکر رحمہ اللہ کی رائے بڑی قیمتی معلوم ہوتی ہے۔ لکھتے ہیں۔

''اس کی داستان حیات سے ہر ورق کو پڑھتے جایئے تو اس کے حافظہ اور استحضار پر رشک آتا ہے۔ ان سب باتوں' یادوں اور یادداشتوں کو وہ جس روانی سے پیش کرتا ہے' ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی قصہ ماضی نہیں بلکہ واردات حال ہے جو ابھی ابھی اس کی نظروں کے سامنے بیت رہی ہے۔ اس آپ بیتی کا سب سے بڑا کمال مصنف کی راست گفتاری اور صداقت شعاری ہے۔ اسی خاطر آپ بیتی میں سچ بولنا پل صراط پر چلنے سے مترادف ہے۔ ستائیس ابواب کی چار سو سے زائد صفحات پر مشتمل اس خودنوشت سوانح میں مصنف جا بجا اپنے کندھوں پر ایک صلیب اٹھائے دکھائی دیتا ہے۔ اسے نہ تو کسی کے انتقام کا خوف ہے' نہ ستائش کی تمنا اور نہ صلے کی پرواہ۔ اس ایک خوبی نے اس آپ بیتی میں بیسیوں محاسن پیدا کر دیئے ہیں یہ وقائع صرف دل چسپ ہی نہیں' سبق آموز' بصیرت افروز بلکہ بعض مقامات پر عبرت انگیز بھی ہیں۔ میں نے شاید کسی جگہ لکھا تھا کہ غزل تو جوانی میں کہی جا سکتی ہے مگر آپ بیتی کا رنگ بڑھاپے کی سرحد میں داخل ہو کر سال خوردگی کے مراحل میں چمکتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ مقام ہے جہاں خود بینی کا جوہر جہاں بینی میں ڈھلتا ہے۔ اور خدا فراموشی' خدا شناسی میں بدل جاتی ہے۔ اپنی ذات کے حسن و قبح کو پیش کرنا ایک کار دشوار ہے۔ مصنف کو اپنے ذاتی وقائع میں غربت و عسرت کی زندگی کو پیش کرتے ہوئے کسی نفسیاتی صورتِ حال کا خوف دامن گیر نہیں وہ اپنے حالات پر قانع اور احوال پر مطمئن ہے۔

نہ پوچھ حال مرا چوبِ خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ جسے کارواں روانہ ہوا (ص : 18)

یہ کتاب ان کے دلچسپ اور دل پذیر واقعات کا بیان ہے جو انہوں نے بہت سادگی اور سچائی سے بیان کیئے ہیں اور یہی اس کتاب کی سحر انگیزی کا راز ہے۔ یہاں پر ان کا ایک واقعہ نقل کرتا ہوں جو ایک خوبصورت خواب کی شکل میں ہے۔ مولانا موصوف جب 1936ء میں کوٹ کپورہ میں مولانا عطاء اللہ بھوجیانیؒ کے حلقہ تلمذ میں تھے تو ان کے علاوہ دو اور طالب علم حاجی محمد

رفیق اور محمد جمیل بھی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ محمد جمیل نے ایک دن خواب دیکھا جو آگے چل کر بابرکت ثابت ہوا۔ مولانا بھٹیؒ لکھتے ہیں۔

''ایک دن محمد جمیل نے کہا کہ رات اس نے خواب دیکھا ہے کہ ہم تینوں نائی والے کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھے ہیں اور کنوئیں کا پانی اوپر آ گیا ہے۔ جو ہمیں صاف نظر آ رہا ہے۔ اس نے مجھے کہا کہ تم نے کنوئیں میں چھلانگ لگا دی ہے۔ حاجی محمد رفیق بھی ڈرتے ڈرتے اس میں اُتر پڑا ہے۔ لیکن خود میں (محمد جمیل) کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا رہا اور میں نے اپنے آپ کو کنوئیں کے پانی سے محفوظ رکھا۔ جمیل سے یہ خواب سن کر میں بے حد پریشان ہوا۔ میں نے خیال کیا کہ میں جو کنوئیں میں گر گیا ہوں علم سے محروم رہوں گا۔ حاجی رفیق جو ڈرتے ڈرتے کنوئیں میں اترا ہے' یہ کچھ علم حاصل کر لے گا اور جمیل جو کنوئیں میں نہیں گرا' علم کی دولت سے بہرہ ور ہو گا۔

جمیل اس خواب سے بہت خوش تھا' کیوں کہ وہ کنوئیں میں گرنے سے محفوظ رہا تھا۔ یعنی کنوئیں میں گرنا ہمارے نزدیک جہالت کی زندگی بسر کرنا تھا۔ اور نہ گرنا حصول علم کی علامت وہاں ایک بزرگ میاں عید محمد رہتے تھے۔ جنہیں لوگ ''میاں عیدو'' کہا کرتے تھے۔ وہ مسجد میں بیٹھتے تھے اور ان کا زیادہ وقت مسجد ہی میں گزرتا تھا۔...... ہم نے میاں عیدو سے خواب بیان کیا اور اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ میرے خیال میں اس خواب کی کوئی تعبیر تو ہے۔ لیکن مجھے اس کا علم نہیں۔ تم حاجی نورالدین کے پاس جاؤ اور ان سے خواب بیان کرو۔ وہ تمہیں اس کی صحیح تعبیر بتائیں گے۔ چناں چہ ہم حاجی نورالدین صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ اپنے گھر میں محلے کے بچوں کو قرآن مجید پڑھا رہے تھے۔ جمیل نے ان سے خواب بیان کیا۔ میں خاموش بیٹھا تھا اور ڈر رہا تھا کہ معلوم نہیں حاجی صاحب اس کی کیا تعبیر بیان کریں گے۔ میرے ذہن میں اس کی یہی تعبیر آ رہی تھی کہ میں چوں کہ کنوئیں میں گر گیا ہوں۔ اس لیے پڑھ نہیں سکوں گا۔ جاہل ہی رہوں گا۔ بس جمیل پڑھ جائے گا یا حاجی رفیق تھوڑا بہت علم حاصل کر لے گا۔

حاجی نورالدین نے بڑے غور سے خواب سنا۔ وہ اونچی اونچی بولتے تھے فرمایا۔

''تم میں سے کنوئیں میں کون گرا ہے؟''

جمیل نے میری طرف اشارہ کر کے کیا؛ ''یہ گرا ہے''

مجھے مخاطب کر کے فرمایا: "تم پڑھ جاؤ گے۔"
میں نے عرض کیا: "جناب میں تو کنوئیں میں گر گیا ہوں"
بولے: "خواب میں پانی میں گرنا اچھا ہے" "تم علم حاصل کرلو گے۔ جو تھوڑا گرا ہے وہ بھی کچھ پڑھ جائے گا۔ جو نہیں گرا وہ نہیں پڑھ سکے گا"

اس کے بعد بھٹی صاحب لکھتے ہیں۔

"مجھے اس تعبیر کی صحت پر شبہ ہی رہا۔ لیکن بعد میں جو حالات پیدا ہوئے ان کے پیش نظر میں اپنے متعلق یہ تو نہیں کرسکتا کہ میں نے علم حاصل کر لیا۔ مگر ہوا یہ کہ حاجی رفیق نے مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی اور حضرت مولانا احمد اللہ دہلوی پرتاب گڑھی کے حلقہ ہائے میں کھنڈیلہ (راجپوتانہ) اور دہلی جا کر کتب حدیث مکمل کرلیں۔ اور جمیل تھوڑے عرصے کے بعد اپنے مسکن بھٹنڈہ چلا گیا۔ اس نے طب کی بعض کتابیں پڑھ کر طبابت شروع کر دی۔ حاجی رفیق فراغت کے بعد فوج میں بھرتی ہو گیا اور درسیات سے اس کا تعلق منقطع ہو گیا اور میں جیسا ہوں، قارئین کے سامنے ہوں" (ص:41)

بھٹی صاحب زندگی کے مختلف نشیب وفراز سے گزرے، گوناں گوں مصائب و آلام سے نبرد آزما ہوئے طرح طرح کی آزمائشوں کی بھٹی سے گزر کر پھر کندن بن کر نکلے۔ جس کی ایک مثال تحریک آزادی کے دوران مشکلات کا سامنا کرنا ہے۔ وہ ایک منظم سیاسی جماعت "پرجا منڈل" کے جنرل سیکرٹری تھے۔ اس کے صدر گیانی ذیل سنگھ تھے۔ تحریک کے دوران وہ گرفتار ہوئے۔ اور قید و بند کی صعوبتوں سے گزرے۔ لکھتے ہیں۔

"ریاست فرید کوٹ میں تحریک آزادی شروع کی گئی تو آہستہ آہستہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا۔ کئی دفعہ کئی لوگ گرفتار ہوئے اور کئی دفعہ انہیں رہا کیا گیا۔ ایک دن کوٹ کپورے کے دس بارہ آدمیوں کو گرفتار کر کے تھانے لایا گیا۔ ان میں چھ سات مسلمان تھے۔ جن میں میں بھی شامل تھا۔ ہمیں گرفتار کر کے فرید کوٹ کے تھانے لایا گیا۔ اب ہمارے سامنے جیل کی ہیبت ناک ڈیوڑھی تھی۔ اس کے دیوہیکل پھاٹک کھول کر ہمیں جیل سے اندر کر دیا گیا۔ اور پیچھے سے پھاٹک بند کر دیا گیا۔ ڈیوڑھی کے باہر اور دائیں بائیں، جیل کی پولیس، جیل کا سپرنٹنڈنٹ اور چھوٹے بڑے بہت سے اہل کار موجود تھے۔...... ہمارے بالکل سامنے کی دیوار سے اس پار تین پھانسی گھاٹ تھے۔ جنہیں ہم ایڑیاں

اٹھا کر دیکھ سکتے تھے۔..... ہم تیرہ آدمیوں کو ''سنگین کوٹھڑیوں'' میں لایا گیا۔ ریاستی حکومت کے نزدیک صرف ہم تیرہ آدمی تھے۔ جنہیں سنگین کوٹھڑیوں میں بند کرنا ضرور سمجھا گیا۔(دیکھئے صفحات 163 تا 167)

وہ پاکستان کے ناخوشگوار حالات و واقعات پر تبصرہ بھی ایک خاص انداز میں حوالہ قرطاس کرتے ہیں۔ تاکہ ادب کی تاریخ کو ہر پہلو پر برتری حاصل رہے۔ ایسی چیزوں کے بیان سے آنے والے زمانے کے لوگوں کے لئے ایک سبق ہوتا ہے۔ پرویز مشرف کے دور میں ''لال مسجد'' پر حملہ اور جامعہ حفصہ میں کھیلی گئی خون کی ہولی پر غم کا اظہار کرتیہوئے ان الفاظ میں نوحہ کناں ہوتے ہیں۔

''اسلامی ملک پاکستان میں کیا ہو رہا ہے۔ خود دارالحکومت اسلام آباد میں پرویز مشرف کے دور میں کتنی ہی مسجدیں منہدم کر دی گئیں۔ جامعہ حفصہ میں گولیوں سے سینکڑوں کی تعداد میں طالبات کو جن میں چھ چھ سات سات سال کی بچیاں بھی تھیں۔ فوج نے قتل کر دیا۔ لال مسجد کی بے حرمتی کی گئی۔ اس کے فرش اور دیواروں پر جگہ جگہ خون شہداء کے فوارے چلے اور گوشت کے لوتھڑے جم گئے۔ مسجد اور مدرسے کے ایک خطیب اور مدرس کو قتل کر دیا گیا اور ایک کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ الٹا اسی پر قتل کا مقدمہ بھی قائم کیا گیا۔ اور ایک کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دیا گیا۔ الٹا اسی پر قتل کا مقدمہ بھی قائم کیا گیا۔ اس کے علاوہ ہمارے اس اسلامی ملک کی متعدد مسجدوں میں نمازی قتل ہوئے۔ خطیب و امام مار دیئے گئے اور مسجدیں مقفل ہوئیں۔ سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ کے ججوں کو ان کے مناسب سے صرف اس لیے علیحدہ کر دیا گیا کہ وہ عدل و انصاف کے بارے میں چھوٹے بڑے سب کو برابر کا درجہ دیتے ہیں اور حکومت کے منصب داروں او اقتدار پر قابض لوگوں کو عوام پر ترجیح نہیں دیتے۔ قانونی نقطہ نظر کے مطابق فیصلے کرتے ہیں۔ پھر حکومت کو ان ججوں کی علیحدگی پر صبر نہیں آیا۔ انہیں گھروں میں قید کر دیا گیا۔ اور مسجدوں میں جانے اور نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ جمعہ اور عید کی نماز پڑھنے کی بھی اجازت نہ دی گئی۔'' (ص:72)

وہ زندگی کے متعلق تمام حقائق کو ابتداء سے لے کر انتہاء تک بلا تصنع اور بلا تکلف نہایت سادہ اور آسان مگر دلچسپ زبان و پیرایہ میں بیان کرتے ہیں۔ مختلف مراحل زندگی اور بعض

دور افتادہ اور خطرناک مقامات پر اپنی ذمہ داری کے دوران پیش آنے والے کچھ عجیب وغریب واقعات وحادثات کا ذکر بھی انہوں نے ایسے انداز میں کیا ہے کہ پڑھنے والا نہ صرف یہ کہ اپنی معلومات میں اضافہ کرسکتا ہے بلکہ نامساعد حالات میں اس سے راہنمائی کا کام بھی لے سکتا ہے۔

اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ انہوں نے مشکل سے مشکل کام کو بھی انجام دینے میں ہمت نہیں ہاری۔ کیونکہ ہمت مرداں' مدد خدا۔ اسی طرح اپنے فریضے کو ادا کرنے میں کسی ہچکچاہٹ یا گھبراہٹ کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا۔ دیکھئے چند واقعات۔

''ہم اپنے موجودہ پاکستان میں نئے نئے آئے تھے۔ اور ظاہر ہے اس زمانے میں پریشانی کے سوا کوئی چیز ہمارے پاس نہ تھی نہ پیسا نہ آٹا' نہ بستر' نہ کپڑا' نہ چارپائی' نہ برتن' اگر برتن ہوں بھی تو خالی برتنوں کو کیا کرنا تھا۔ حکومت کا کوئی چھوٹا بڑا ذمہ دار آدمی ہمارے گاؤں نہیں آیا۔ نہ پاکستان قائم کرنے کی دعوے دار جماعت مسلم لیگ کے کسی عہدے دار یا رکن نے ادھر کا رخ کیا۔

پاکستان میں جو زمین ہمیں الاٹ ہوئی' اس میں کماد کی فصل تھی۔ ہم بیلنے سے گڑ بناتے اور گنے کا رس پیتے اس کی جسے پنجاب میں ''روہ'' کہا جاتا ہے ہم کھیر بھی پکاتے تھے گنے کے رس کی بنی ہوئی کھیر ہم نے پہلی مرتبہ یہاں آکر کھائی۔ رس بھی پہلی مرتبہ پیا۔

''میں ہمیشہ مصروفیات میں خوش رہا۔ اب بھی اللہ کی مہربانی سے یہیں عادت ہے۔ جتنی مصروفیت زیادہ ہو' اتنی ہی مسرت محسوس کرتا ہوں۔ بعض لوگ کام میں سستی کرتے ہیں' آج کریں گے پھر کریں گے۔ اس قسم کے لوگوں سے مجھے ہمیشہ اختلاف رہا۔ سستی کا نتیجہ بالعموم یہ ہوتا ہے۔ کہ کام ہو ہی نہیں پاتا۔''

ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں اپنے دور ادارت میں ذمہ داریوں کے حوالے سے دلچسپ انداز میں لکھتے ہیں: ''خاکروب' چپڑاسی' مینجر اور نائب مدیر بلکہ بعض اوقات مدیر تک تمام عہدے میرے پاس تھے۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرد واحد پورے دفتر پر قابض تھا۔ صبح دفتر میں جھاڑو دینا' میز کرسیاں صاف کرنا' کاغذات اور رجسٹروں کو ترتیب سے رکھنا' رجسٹر میں خریداروں کا اندراج' ان سے خط وکتابت' مضمون نگاروں کے مضامین پڑھنا اور انہیں قابل اشاعت بنانا' پروف ریڈنگ وغیرہ سب امور کی انجام دہی میں نے اپنے فرائض میں شامل کر رکھی

تھی۔ بدھ کے روز ڈاک خانے جا کر اخبار پر ٹکٹ لگانا اور اسے پوسٹ کرنا بھی میری ذمہ داری تھی اور یہ تمام کام میرے لئے نہایت خوشی کا باعث تھے نہ میں کام سے گھبراتا' نہ اکتاتا تھا' نہ تھکاوٹ کا احساس ہوتا تھا۔ مجھے کچھ سیکھنے کا لالچ تھا اور اس لالچ کا مجھ پر اتنا غلبہ تھا کہ جی چاہتا تھا کہ میرے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی اخبار کے چھوٹے بڑے ہر کام کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دیں' خود کچھ نہ کریں مجھے ہدایات دیتے رہیں اور ان کی ہدایات کے مطابق میں کام کرتا رہوں۔

''گزر گئی گزران'' میں خوش گوار اور کامیاب زندگی گزارنے کے بعض کار آمد نسخے موجود ہیں۔ خاص طور پر وہ نوجوان نو آموز قلم کار ریسرچ اسکالرز اور تنظیمی و جماعتی عہدے داران جو عملی زندگی میں قدم رنجہ فرمانے والے ہیں اور وہ قائدین اور سربراہان جماعت جنہیں اللہ نے مختلف مناسب سے نوازا ہے۔ بقول شاعر

زندگی کی حقیقت کوہ کن کے دل سے پوچھ
جوئے شیر و تیشہ و سنگ گراں ہے زندگی

''مرکزی جمعیت سے ابتدائی دور میں کام کی کثرت تھی اور جمعیت کے سربراہ بھی اونچے مرتبے کے حامل تھے کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ جس سے کارکنوں میں قوت کار کا جذبہ بڑھتا تھا۔ اس زمانے میں پیسے کی بہت کمی تھی۔ میری 90 روپے تنخواہ ادا کرنا بسا اوقات مشکل ہو جاتا لیکن مولانا غزنویؒ کے حوصلہ افزاء الفاظ اور مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کے مزاحیہ ارشادات سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم بہت سے خزانوں کے مالک ہو گئے ہیں۔ اس وقت کار یا موٹر سائیکل کا کوئی تصور نہ تھا۔ چھوٹے کارکن سے لے کر ناظم اعلیٰ اور صدر تک پیدل یا تانگے پر چلتے تھے۔ لمبا سفر بس یا ریل پر کیا جاتا تھا۔ اور ہنسی خوشی سے ہر مرحلہ طے ہوتا تھا۔'' (ص:208)

''اخبار الاعتصام'' کے لیے میں نے بے حد محنت کی جون 1950ء میں مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ اور مولانا محمد حنیف ندویؒ نے اس کی توسیع اشاعت کے لیے مجھے جنوبی پنجاب کی طرف جانے کا حکم دیا چنانچہ میں گوجراں والا سے اوکاڑہ' ساہیوال' میاں چنوں' بورے والا' وہاڑی' خانیوال' ملتان' احمد پور شرقیہ اور رحیم یار خان وغیرہ' متعدد مقامات میں گیا اور وہاں کی ان موثر شخصیات سے جنہیں میں

جاتا تھا بات کر کے کئی سو سالانہ خریدار بنائے۔ جون کے مہینے میں وہ علاقہ گرمی کی شدت سے تپ رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گرمی کا اصلی مرکز یہی علاقہ ہے اور مختلف مقامات کو یہی علاقہ گرمی سپلائی کرتا ہے۔ ان علاقوں کے بہت سے مقامی حضرات سے بھی مل کر جمعیت کا ناظم دفتر اور اخبار کا معاون مدیر ہونے کی وجہ سے میرے مراسم قائم ہو گئے تھے۔ اور ان مہاجروں میں سے بھی بے شمار حضرات سے میری پہلے سے واقفیت تھی جو ضلع قصور اور ریاست فرید کوٹ سے آ کر اس نواح میں آباد ہوئے تھے۔(ص:218)

مولانا بھٹی صاحب کا بچپن کوٹ کپورے کے دیہاتی ماحول میں گزرا اس کی یادیں ان کے ذہن پر ثبت ہو کر رہ گئیں وہ اپنی خودنوشت میں اس کی یادیں جگہ جگہ لکھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی یادیں اور باتیں جو ان کے ذہن میں موجود تھیں وہ بھی انہوں نے قلم بند کیں۔ بچپن کی یادیں ان کے تعاقب میں رہتی ہیں۔ اس لیے وہ اپنے آبائی خطے کو دیکھنا چاہتے تھے مگر دیکھ نہ سکے اور اس کی خواہش من میں لیے سفر آخرت کو سدھار گئے۔ ''گزر گئی گزران'' میں اس خواہش کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

''جی چاہتا ہے کہ ہندوستان جا کر اپنے قدیم وطن سے ان گلی محلوں کو دیکھوں جن سے چکر لگاتے ہوئے میرا بچپن گزرا اور جہاں میں جوانی کی منزل کو پہنچا۔ میرا وہاں کوئی رشتے دار موجود نہیں ہے اور پوری ریاست فرید کوٹ میں کوئی میرا جاننے والا بھی نہیں ہے۔ لیکن وہ دھرتی تو موجود ہے۔ جس پر چل پھر کر میری عمر کا ایک حصہ گزرا۔ اس دھرتی سے میری بہت سی یادیں وابستہ ہیں' خوش گوار بھی اور ناخوش گوار بھی۔ سیاسی بھی اور غیر سیاسی بھی۔ فرید کوٹ کی وہ جیل دیکھنے کو بھی جی چاہتا ہے۔ جس میں آزادی وطن کے لیے میں قید رہا۔ لیکن بہ ظاہر وہاں جانے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔(ص:423)

اردو اور عربی کے جن نامور ادیبوں اور علماء سے بھٹی صاحب کا واسطہ پڑا۔ ان کے بارے میں انہوں نے تاثرات ''گزر گئی گزران'' میں قلم بند کر دیے جن سے ان ادیبوں کی علمی عظمت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض شخصیات کا ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا۔ مثلاً

(1) حافظ الحدیث مولانا حافظ محمد محدث گوندلوی کے بارے میں لکھتے ہیں

''حضرت کو قدرت کی بے پناہ فیاضیوں سے ذہانت و ذکاوت اور علم و عمل کی دولت سے خوب نوازا گیا تھا۔ ان کا اسلوب تحریر بہت گہرا اور محققانہ تھا۔ تمام زندگی ہنگامہ تدریس برپا کیے رکھا۔

(2) اپنے استاد شیخ الحدیث مولانا محمد اسماعیل سلفیؒ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

''تدریس و تقریر اور تحریر میں مولانا ممدوح کا ایک خاص اسلوب تھا۔ جو نہایت اثر انگیز تھا انہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ قرآن مجید پر استحضار تھا۔ وعظ و تقریر اور عام مجلسوں میں برمحل قرآن مجید کی آیات پڑھتے۔''

(3) اپنے مربی استاد شیخ الحدیث مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے بارے میں انہوں نے اپنے تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے۔

''سب سے پہلے حضرت مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کا تذکرہ کرنا چاہیے۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ گھر کے بنے ہوئے سفید کھدر کی قمیص' کھدر کا تہبند اور کھدر ہی کی دستار' یہ ان کا لباس تھا۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ نے اپنے خاندانی دار العلوم تقویۃ الاسلام (مدرسہ غزنویہ) کے منصب شیخ الحدیث پر متمکن کر دیا تھا۔ انہوں نے التعلیقات السّلفیہ کے نام سے سنن نسائی کی شرح لکھی دار الدعوۃ السّلفیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا۔ جس کا کتب خانہ بائیس ہزار کتابوں پر مشتمل ہے ہفت روزہ ''الاعتصام'' اسی ادارے کی طرف سے شائع کیا جاتا ہے۔''

(4) اپنے صحافتی مربی مفکر اسلام مولانا محمد حنیف ندویؒ سے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

''مولانا محمد حنیف ندویؒ نے تحریری معاملے میں میری بہت رہنمائی کی اور میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ان کو اللہ نے فراوانی علم سے نوازا اور الفاظ کا بے پناہ ذخیرہ عطا فرمایا تھا۔ اور الفاظ کے محل استعمال سے خوب آگاہی بخشی تھی۔ جو شخص ان سے کچھ سیکھنا چاہتا اس کے ساتھ وہ نہایت ہمدردی کا سلوک فرماتے تھے۔ مولانا کی رفتار مطالعہ بہت تیز تھی۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ میں مولانا نے بے حد تحقیقی اور تصنیفی خدمات سرانجام دیں۔''

(5) ضیغم اسلام مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کا تعارف ان خوبصورت الفاظ میں ذکر کرتے ہیں

''اکتوبر 1947ء میں یہ فقیر چھٹی مرتبہ مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی زیارت سے مفتخر ہوا۔ سرخ گورا رنگ' تیکھے نقوش' معتدل جسم' نہایت متناسب اعضاء' کشادہ پیشانی' چمکتی آنکھیں' رعب دار مگر سنجیدگی کے حسین ترین زیروبم میں تیرتی ہوئی آواز قدرت کے دستِ حسن آفرین نے نہایت پیار سے ان کا ہیولا تیار کیا تھا۔ وہ بولتے تھے تو زبان سے پھول جھڑتے تھے۔ اور خاموش ہوتے تھے تو چہرے پر پُر وقار متانت کی روشنی نمودار ہو جاتی تھی''

''گزر گئی گزران'' کے مطالعے سے بعض تاریخی اور جغرافیائی معلومات بھی ملتی ہیں۔ جو سیر و سیاحت کے شیدائیوں کے لئے مفید ثابت ہو سکتی ہیں اور راہ نمائی کا کام بھی دے سکتی ہیں۔ کتاب کا ساتواں باب ''دہلی' آگرہ اور دیگر مقامات کا سفر'' اور چھبیسواں باب: ''ساٹھ باسٹھ سال پہلے کا لاہور'' شائقین تاریخ اور ماہرین جغرافیہ کے لیے اہم نوعیت کے تاریخی' سیاسی اور ثقافت ارمغان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ موخر الذکر سے لاہوری کلچر اور تمدن کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ''انار کلی' لاہور کے متعلق لکھتے ہیں۔

''انار کلی لاہور کا مشہور بازار تھا۔ یوں تو اس میں تمام دن لوگوں کی چہل پہل رہتی تھی لیکن شام کو پانچ چھ بجے سے لے کر رات سے تقریباً دس بجے تک میلہ بھرا رہتا اور خوب رونق رہتی لاہور کے بہت سے معروف لوگ جن میں بڑے بڑے سیاسی رہنما' سرکاری آفیسر اور صوبائی وزیر بھی ہوتے' شام کے بعد روزانہ انار کلی کی سیر کو آتے۔ لاہور کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کو انسانوں کے گلشن رواں کی حیثیت حاصل تھی۔ صوبائی اسمبلی کے اجلاس کے دنوں میں انار کلی کی رونق مزید بڑھ جاتی تھی۔ پنجاب کے مختلف علاقوں کے ارکان اسمبلی اس کی سیر کرتے اور ان سے میل ملاقات کرنے والے لوگ بھی ان کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس زمانے میں کسی قسم کی سیکورٹی اور حفاظت کا کوئی تصور نہ تھا۔ لوگ ارکان اسمبلی کے ٹھکانوں پر آزادی سے جاتے اور ان سے ملتے تھے خود ارکان اسمبلی کی بھی اپنے دوستوں کے ہاں آزادانہ آمدورفت رہتی تھی۔''

''اب لاہور اتنا پھیل گیا ہے کہ اصل لاہور سے کئی گنا زیادہ علاقہ اس کے قبضے میں آ

گیا ہے۔ نئے نئے ناموں سے نئی نئی آبادیاں قائم ہوگئی ہیں۔ رحمان پورہ' سمن آباد' گلبرگ' شاہ جمال' فیصل ٹاؤن' شادمان' گلشن راوی' گرین ٹاؤن' جوہر ٹاؤن' ڈیفنس وغیرہ وغیرہ آج سے ساٹھ باسٹھ سال پہلے پورے لاہور کا چکر چند گھنٹوں میں آسانی سے لگایا جا سکتا تھا۔ اب پورے دن میں موٹر کار پر چکر لگانا بھی مشکل ہے۔ اردگرد سے بہت سے دیہات لاہور کی لپیٹ میں آ گئے ہیں''

''گزر گئی گزران'' محترم بھٹی صاحبؒ کی ایک ایسی تخلیقی کاوش ہے جو زمانہ حال کے فرد کو ماضی اور مستقبل کے سفر میں ایک ساتھ لے کر چلتی ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے تلخ و شیریں تجربات کا نچوڑ پیش کیا ہے۔ انہوں نے اپنے منفرد اسلوب کی بدولت نثر میں شاعری کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ جو یقیناً عام لکھاری حضرات کے اسلوب سے بالکل الگ ہے۔ اس غنائی انداز تحریر سے قاری بار بار کتاب کا مطالعہ کرتا ہے۔ ''خودنوشت'' میں انہوں نے اپنے زندگی کے سفر کو خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا کسی بھی مقام پر یکسانیت یا اکتاہٹ کا احساس محسوس نہیں کرتا۔ یہ کتاب ان کی اس زندگی کا خلاصہ ہے جو انہوں نے کتابوں اور مصنفین کے درمیان گزاری ہے۔ کتاب سے انہیں محبت رہی۔ پیسٹھ برس کی علمی زندگی میں کتب و رسائل ہی ان کا اوڑھنا بچھونا' اٹھنا بیٹھنا' اور سونا و جاگنا بن گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی زیست مبارک خود ایک ''کتاب'' بن چکی تھی۔ جسے انہوں نے ''گزر گئی گزران'' کی شکل میں پیش کر کے آئینہ تاریخ میں متعدد علمی و ادبی خدمات کے ساتھ محفوظ ہو گئے۔ بقول شاعر

''مری روداد روداد جہاں معلوم ہوتی ہے
جو سنتا ہے اس کی داستاں معلوم ہوتی ہے

''گزر گئی گزران'' جاں فزا' قلب افشاء' روح آفریں' دماغ افروز' تسکین جاں' دل نشیں خودنوشت ہے جس کا مقدمہ معروف سیرت نگار' سابق ڈائریکٹر نیشنل سیرۃ اسٹڈی سنٹر' انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی' اسلام آباد پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ نے لکھا ہے۔ یہ بڑا تاریخی نوعیت کا

شاہکار مقدمہ ہے۔ جس کا ایک ایک لفظ دماغ کی الجھنیں دور کرتا ہے۔ فکر و خیال کی کلیاں کھولتا ہے۔ کانوں کو ذوق سماعت اور روح کو مسرت و شادمانی و جاودانی سے آشنا کرتا ہے۔ کتاب کی اشاعت بھی ان کے قائم کردہ ادارے ''کتاب سرائے'' کے حصے میں آئی 466 صفحات کی یہ کتاب 2011ء میں شائع ہوئی۔

بھٹی صاحب نے 10 مارچ 2009ء میں اپنی خودنوشت مکمل کی۔ پروفیسر عبدالجبار شاکرؒ نے اس پر پُر مغز مقدمہ تحریر کیا۔ ان کی خواہش تھی کہ یہ کتاب وہ شائع کرائیں گے لیکن افسوس پروفیسر صاحبؒ اسلام آباد کے ایک اسپتال میں دل کے آپریشن کے دوران 13 اکتوبر 2009ء کو دنیائے فانی سے کوچ فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بھٹی صاحبؒ اپنے دیرینہ دوست کے جنازہ میں شرکت سے لئے شیخوپورہ گئے۔ وہ بہت غمگین تھے۔ انہوں نے اپنے دوست کی خواہش پر عمل کرتے ہوئے ''گزر گئی گزران'' کا مسودہ ان کے صاحبزادگان رفیع الدین حجازی اور جمال الدین افغانی صاحبان کے حوالے کیا اور یوں یہ کتاب منہ شہود پر آئی۔

''گزر گئی گزران'' مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کا ایک گراں قدر علمی و ادبی کارنامہ ہے۔ اسے تاریخ اردو کا ایک اہم علمی ارمغان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اس نے اردو میں خودنوشت نگاری کے اسلوب کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔ اس سے اردو کے سوانحی ادب میں گراں قدر اضافہ ہوا ہے۔ کوئی بھی ادبی مورخ اس کے مقام و مرتبہ سے پہلوتہی نہیں کرسکتا۔ بھٹی صاحب نے اپنی خود نوشت کا اختتام قرآن مجید کی سورت یوسف کی آیت نمبر 101 پر کیا

ہم بھی بارگاہ الٰہی میں حضرت مولانا بھٹی صاحب اور مولانا عبدالجبار شاکر صاحب کی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے قرآن مجید کی اسی آیت پر تبصرہ کا اختتام کرتے ہیں۔ فاطر السموت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی باالصالحین (یوسف:101)

چند لمحات ''محسن اہل حدیث'' کی معیت میں

محمد احمد سلفی جامعہ سلفیہ

قریباً دو برس قبل کی بات ہے جب ہم ''سنن ابی داوٗدؒ'' پڑھنے کے لیے استاد محترم فضیلۃ الشیخ مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی حفظہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تھے۔ دوران تدریس ان کی پر اشفاق واشتیاق خواہش پر تحصیل ورثہ نبوت کے لئے ان کے گاؤں جانے کا اتفاق ہوا۔ بخارا سے حجاز اور حجاز سے عراق' محدثین کے عہد زریں کو تازگی بخشا میر پور شاہکوٹ کا یہ سفر اور طلب حدیث کے لئے در استاذ پہ حاضری ہم سیاہ کاروں کے لئے باعث سعادت تھی۔ حقیقی امر ہے کہ تعلم حدیث میں جو کیف ولذت وہاں ملی اس کی تاثیر ابھی تک محسوس ہوتی ہے۔

بہرحال یہ روح پرور دوروزہ تقریب اپنے اختتامی مراحل میں تھی کہ ایک عمر رسیدہ بزرگ استاد محترم کے ہمراہ مسجد میر پور میں داخل ہوئے۔ ہمہ جہت سے چاندی میں گھرا ہوا' حوادثات زمانہ سے طویل وابستگی کا شکوہ کرتا پُرشکوہ چہرہ' لبوں پہ تبسم' قدرے خمیدہ کمر' بدن نحیف پر' نہایت معمولی لباس زیب تن کیے ہوئے۔ مولانا اسحاق بھٹی صاحب!۔ ہم جلیس کی آواز نے چند لمحات کے لئے میرے حواس کو ساکت وساقط کر دیا' کہ اتنی نہیب ونامور ہستی اور یہ عالم سادگی۔ گویا رفاقتِ اسلاف کا رنگ نمایاں جھلک رہا تھا۔ اگرچہ ان کے قلم سے میرا ناطہ پُرانا تھا' مگر اتنی شہیر وشاہکار کتب میں اظہار عجز محض حسن تحریر معلوم ہوتا تھا۔ اب ان کی وضع قطع میں یہ سادگی دیکھ کر اپنی کم ظرفی کا احساس ہوا کہ مولانا کی شخصیت میں تو بہروپیت وتصنع کا شائبہ تک نہیں۔ حقیقتاً ایسا درویش صفت انسان جو اس عہد مادیت پرستی میں بھی روحانیت کی خاموش جنگ لڑ رہا ہے' گویا۔

حالی سے مل کر ایسا لگا......

''کہ ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں''

ادائیگی جمعہ کے فوری بعد بڑے ذوق سے سلام کرنے کی غرض سے ان کے پاس گیا۔

مگر اس قرین غزنوی و سلفی کی عجب وضع داری نے قربت کی مزید راہیں ہموار کر دیں۔ بعد از سلام گفتگو کا حوصلہ بھی پیدا ہوا تحریک آزادی میں علماء اہلحدیث کے کردار کے حوالے سے ان سے ملنے کے بارے میں عزیزم افضل سے اکثر تذکرہ ہوتا رہتا تھا مگر میری حرماں نصیبی کہ بالاستیعاب مل کر استفادہ کا موقع ملا اور نہ ہی اس سنہری موقع پر تاریخی حوالے سے کچھ فیض حاصل کر سکا۔

''کہ مجھے شکوہ کوتاہیٔ داماں ہی رہا''

اس کے بعد ادارہ تحفظ افکار اسلام میر پور شاہ کوٹ کی جانب سے ہدیہ کی جانے والی کتب مصنف کتب کثیرہ نے اپنے دست شفقت سے طلبہ میں تقسیم فرمائیں۔ اور موقع کو غنیمت جانتے ہوئے عصر حاضر میں مکتبوں کی کارکردگی پر خوب تبصرہ کیا۔ بعد از نماز عصر اس سکینت آور مجلس کے اختتامی کلمات کہنے کا شرف اس فقیر ناتواں کو حاصل ہوا۔ آخر پر بھٹی صاحبؒ نے اپنے جگ بیتے تجربات کی روشنی میں طلبہ کو پند و نصائح فرمائیں اور دو روزہ یہ ایمان افروز دورہ اختتام پذیر ہوا۔

دوسری مرتبہ مولاناؒ سے ملاقات کا موقع اپنی مادر علمی جامعہ سلفیہ میں ان کے اعزاز میں رکھی گئی تقریب میں ملا۔ اس عدیم النظیر شخصیت کی جامعہ آمد پر چوہدری محمد یسین ظفر صاحب پرنسپل جامعہ سلفیہ نے کلمات ترحیبی کہے۔ اور ان کا تعارف کرواتے ہوئے ترویج دین کے لئے ان کی بنا طمع تگ و تاز پر خراج تحسین پیش کیا اور اس قرآن و سنت کے قدرداں اور علماء اہلحدیث کے غزل خواں کی گراں خدمات کو سراہتے ہوئے فضیلۃ الشیخ حافظ عبدالعزیز علوی صاحب' حافظ مسعود عالم صاحب' مولانا ارشاد الحق اثری صاحب' مولانا یوسف انور صاحب اور حافظ عبدالاعلیٰ درانی حفظہم اللہ جمیع احباب نے اپنے تاثرات کا اظہار کیا۔ پھر بھٹی صاحب نے جامعہ سلفیہ کے متعلق تاریخی معلومات سے آگاہ فرمایا۔ اس موقع پر ادارہ کی جانب سے تحریری مقابلہ میں شریک طلبہ کے لئے انعامات کا بھی اہتمام کیا گیا تھا۔ دوسری مرتبہ مولانا کے دست شفقت سے انعام کی سعادت حاصل کرنے گیا تو نام کے ساتھ سلفی لگانے پر انہوں نے مسرت کا اظہار فرمایا۔

پر وقار اس تقریب کے اختتام کے بعد چند گھڑیاں جامعہ سلفیہ کے پارک میں اس بقیۃ السلف کے ہمراہ گزارنے کا موقع ملا جو یادگار اور آخری ملاقات ثابت ہوئی اس کے بعد ان کی زیارت ان کے آبائی گاؤں ڈھیسیاں میں ہوئی۔ جب محض چہرے پہ روحانیت باقی تھی۔ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ یہ گذشتہ امتحانات کی بات ہے جب اطلاع ملی کہ محسن اہلحدیث دار

فانی کو خیر باد کہہ گئے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ جنازہ میں شرکت کیلئے دل مضطرب کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ جامعہ سلفیہ سے گاڑیوں کے انتظام کی خبر نے جذبات مسرت کو غم فرقت پہ غالب کر دیا اور جب وہاں پہنچے تو لوگوں کا جم غفیر تھا۔ طالبین حدیث، شیوخ الحدیث، ذمہ داران جماعت الغرض کہ جمیع طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد خدا کے ہاں اس درویش کی سفارش کرنے کے لئے جمع تھے۔ گویا۔

یہ کون اُٹھا کہ دیر و کعبہ شکستہ دل خستہ گام پہنچے

ایک طرف حضرت مرحوم کے دیرینہ ساتھی مولانا یوسف انور صاحب اشکبار تھے تو دوسری جانب مولانا عبداللہ امجد چھتوی صاحب کے ضبط کا بندھن ٹوٹ رہا تھا۔ کہیں سے آواز آ رہی تھی۔ موت العالم موت العالم۔ کوئی کہہ رہا تھا ''ہن تاریخ کینوں پچھاں گے۔'' کہ

داغ فراق کے صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی اب خموش ہے

فضیلۃ الشیخ حافظ مسعود عالم صاحب نے رقت آمیز لہجے میں نماز جنازہ پڑھائی اور تاریخ اہلحدیث کا اک عہد ڈھیپیاں کے قبرستان میں آسودہ خاک کر دیا گیا۔

بلا شبہ مولانا مرحوم کی شخصیت جامع جہات اور جامع صفات تھی۔ سراپا عجز و سادگی بھی اور پیکر خوش طبع اور وضع داری بھی۔ انہوں نے تفسیر و حدیث پر بھی قلم کو جنبش دی اور فرید العصر و وحید الدھر خاکہ نویس بھی تھے۔ جس نفیس انداز میں علماء کو کوائف حیات انہوں نے نقل فرمائے بلا شبہ تاریخ اصحاب الحدیث ابد الآباد ان کی منت کش رہے گی۔ الغرض کہ

ہزاروں خوبیاں ایسی کہ ہر خوبی پہ دم نکلے

ان کی ذات اپنے محاسن و محامد کے اعتبار سے اک ضخیم دفتر کی محتاج ہے۔ بہت کچھ سنا، بہت کچھ پڑھا محض قلیل صحبت میں کم فہمی کی بنیاد پر ذہن میں آنیوالی چند یادوں کو ضبط تحریر میں لانے کی جسارت کی ہے۔ اس کج قلم میں سکت تو نہیں کہ اس عظیم المرتبت نقش نگار کی تصویر کشی کرے۔ خریداران یوسف کی مثل محض اظہار عقیدت کا بہانہ ہے مگر قلم ترجمانی قلب سے عاجز ہے۔ کہ

میں جو محسوس کرتا ہوں اگر تحریر ہو جائے
تو یہ مجموعہ الفاظ مرصع زلف یا زنجیر ہو جائے

مؤرخ اہلحدیث

مولانا محمد اسحاق بھٹی کی یاد میں

چودھری غلام حسین تہاڑیا تلونڈی قصور

میں نے 1942ء میں بی۔اے پاس کرلیا چونکہ ہر کلاس میں اختیاری مضمون کے طور پر ہمیشہ عربی پڑھی تھی اور بی۔اے بھی عربی کے ساتھ کیا اب چاہتا تھا کہ ایم۔اے۔عربی کر کے پروفیسر بنوں۔مگر افسوس کہ ہمارے خاندان سے تعلق رکھنے والے محکمہ ریلوے کے ایک افسر کے مشورہ پر مجھے ریلوے میں گارڈ بھرتی کرادیا گیا آپ جانتے ہیں کہ رات دن دوسرے شہروں میں آنا جانا نماز پڑھنے میں دقت ہوتی تھی ایک دفعہ میری فجر' ظہر' عصر کی نمازیں قضا ہوئیں تو میں استعفادے کر گھر آ گیا۔

ان دنوں دوسری جنگ عظیم ہو رہی تھی تو میں فیروز پور چھاؤنی میں ملٹری اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں کلرک مقرر ہو گیا۔ہمارے دفتر میں مسجد موجود تھی تو میں ظہر کی نماز وہاں پڑھتا تھا۔محکمے کا بڑا افسر ہندو تھا اور اس کا نائب سکھ تھا۔انہوں نے میری نماز پر اعتراض کیا تو میں نے استعفادے دیا۔اب میں نے فیصلہ کرلیا میں آئندہ گورنمنٹ سروس نہیں کرونگا۔لکھوی خاندان نے لکھوکے سے دوتین میل کے فاصلے پر جھوک ٹہل سنگھ اسٹیشن کے نزدیک اور ہمارے چک تہاڑیا سے دومیل کے فاصلے پر ایک تعلیمی ادارہ قائم کیا تھا۔جس کا نام ''مرکز الاسلام لکھوکے'' رکھا گیا۔

مولانا محی الدین لکھوی اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا معین الدین لکھوی یہیں رہائش پذیر تھے۔انہوں نے ایک دفعہ اعلان شائع کیا تھا کہ وہ اپنی درس گاہ میں طالب علموں کو دینی تعلیم کے ساتھ دنیاوی تعلیم بھی دینا چاہتے ہیں تو میں نے اس نزدیکی درسگاہ میں حاضر ہو کر اپنی خدمات پیش کیں تو انہوں نے قبول فرمالیں اور میں وہاں چلا گیا وہاں میری ملاقات مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب سے ہوگئی۔قرآن وحدیث کی تعلیم دینے پر وہاں جو علماء مامور تھے ان میں جناب حضرت

مولانا محمد اسحاق بھٹی بھی شامل تھے۔ میں نے طلباء کو انگریزی ریاضی وغیرہ پڑھانی شروع کردی۔ وہاں میں اور مولانا اسحاق بھٹی ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔ یہ 44-1943ء کی بات ہے۔

مولانا بھٹی کو سیاست کا چسکا بھی تھا۔ یہاں سے کبھی کبھار اپنی ریاست فرید کوٹ میں جا کر سیاسی تقریریں کر کے جیل یاترا کر آتے تھے۔ 1947ء میں پاکستان کے وجود میں آنے پر میں تو تلونڈی ضلع قصور میں اور بھٹی صاحب جڑانوالہ کے گاؤں 53 گ ب میں آ کر رہائش پذیر ہو گئے۔

جولائی 1947ء میں دارالعلوم تقویۃ الاسلام شیش محل روڈ لاہور میں جماعت کے سرکردہ حضرات کا ایک اجلاس ہوا جس میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کی تاسیس ہوئی اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی کو متفقہ طور پر اس کا صدر منتخب کیا گیا اور پروفیسر عبدالقیوم کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا اور مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کا نام بطور ناظم دفتر تجویز ہوا۔ اب بھٹی صاحب تو اپنے گاؤں میں بڑے اعلیٰ پیمانے پر زمیندارہ کر رہے تھے۔ تو انہیں وہاں سے لانے کے لیے مولانا محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی کی ڈیوٹی لگائی گی۔ مولانا بھوجیانی ان کے گاؤں گئے اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر حیران ہوئے اور خوش بھی ہوئے۔ مولانا نے بھٹی صاحب کو ساری بات بتائی اور ساتھ چلنے کو کہا مگر بھٹی صاحب بہت پریشان ہوئے اور کہا کہ میں تو ابھی ایک کھیت میں ہل چلا کر آیا ہوں پھر اس میں گندم بونی ہے۔ کماد وغیرہ کی گوڈی کرنی ہے۔ بہرحال انہوں نے اگلے روز آنے کا وعدہ کرلیا۔

چنانچہ اگلے روز جناب مولانا اسحاق بھٹی صاحب اپنے دفتر پہنچ گئے۔ مولانا داؤد غزنوی صاحب مطمئن ہو گئے۔ پروفیسر عبدالقیوم صاحب ناظم اعلیٰ سے ان کی ملاقات ہوئی انہوں نے بھٹی صاحب کو دفتر کا چارج دے دیا۔ لکھنے پڑھنے کے متعلق تمام ضروریات مہیا کر دیں اور ان کی تنخواہ 90 روپے مقرر ہوئی۔

مولانا بھٹی صاحب عالم تو تھے ہی قدرت نے انہیں تحریر و تذکرہ، سیرت و سوانح کا علمی منہاج بھی عطا کیا تھا چنانچہ انہوں نے لکھنا شروع کیا۔ قافلہ حدیث، ارمغان حنیف، بزم ارجمنداں، برصغیر میں علم فقہ، فقہاء ہند 10 جلدوں میں، فقہاء پاک و ہند تین جلدوں میں، برصغیر

میں علم فقہ فارسی عربی (گیارہ جلدیں)
برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش' اسلام کی بیٹیاں وغیرہ ان کے علاوہ ان کی تقریباً چالیس کتابیں مارکیٹ میں آگئیں۔ میں نے ان کی ہر کتاب میں مسلک اہلحدیث اور علماء حدیث کا ذکر دور دراز ملکوں اور گزرے ہوئے زمانے کے حالات وواقعات کو تحریر پایا ہے۔

15 سال تک 'ہفت روزہ الاعتصام لاہور'' کے ایڈیٹر رہے اس دوران اس کے کئی خاص نمبر مثلاً حدیث نمبر' عید نمبر' آئین نمبر وغیرہ شائع کیے اس کے علاوہ ملک کے مشہور روزناموں میں عرصہ تک مضمون نویسی اور کالم نگاری کرتے رہے جس کی بناء پر وہ کہنہ مشق صحافی' تجزیہ نگار' اور خاکہ نگار مشہور ہو گئے۔

بہت سے دوستوں کے مطالبے پر انہوں نے سوانح عمری بھی لکھ دی جس کا نام انہوں نے ''گزر گئی گذران'' رکھا۔ اس کی ایک کاپی تحفہ کے طور پر مجھے بھجوا دی۔ ریڈیو ٹیلی ویژن پر تقریریں شروع کر دیں ان کی اس طرح شہرت عرب ملکوں میں بھی پہنچ گئی تھی۔ ایک دفعہ کویت گئے تو وہاں انہیں مؤرخ اہلحدیث کا لقب دے دیا گیا۔ اب مولانا محمد اسحاق بھٹی کا تعلق یہاں دو بزرگوں سے رہا۔ مولانا سید محمد داؤد غزنوی جو جمعیت کے صدر منتخب ہوئے اور مولانا محمد اسماعیل سلفی جو عاملہ کے رکن تھے۔

مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے بھٹی صاحب بہت متاثر ہوئے ان کے متعلق ایک جگہ لکھتے ہیں کہ مولانا سید محمد داؤد غزنوی میں بے شمار صلاحیتیں جمع ہو گئیں تھیں وہ بڑے عالم بھی تھے اور عابد و زاہد بھی۔ معاملہ فہم بھی تھے اور مردم شناس بھی' محقق بھی تھے اور سیاست دان بھی' ذہین و فطین بھی تھے' بے خوف بھی تھے۔ اور حق گو بھی' رعب و دبدبہ بھی تھا اور رحمت و شفقت بھی۔ اس طرح بے شمار صلاحیتیں اور اوصاف گن دیے اس طرح بھٹی صاحب کی علمیت بھی خوب ظاہر ہو گئی۔

مولانا غزنوی 1895ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی پھر مختلف علماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ علوم عالیہ سے فراغت کے بعد اپنے بزرگوں کے قائم کردہ مدرسہ غزنویہ امرتسر میں تدریس کا کام کرتے رہے آپ ہر مکتب فکر کے بزرگوں کی عزت کرتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی بڑے بڑے علماء اور سیاستدان ان کی

قدر و منزلت میں کچھ کمی نہ کرتے تھے۔

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے ان کے والد مولانا محمد ابراہیم بہت صالح و عابد بزرگ تھے۔ اعلیٰ درجے کے خوش نویس تھے مولانا اسمٰعیل ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کرنے کے بعد وزیر آباد میں حضرت حافظ عبدالمنان محدث پنجاب کے مدرسے میں داخل ہو گئے۔ 1916ء میں وہاں سے فارغ ہونے کے بعد مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی اور مولانا عبدالجبار غزنوی کے ہاں زیر تعلیم رہے۔

1921ء میں گوجرانوالا چوک نیائیں کی جامع مسجد میں تدریس اور خطابت کی مسند سنبھالی۔ 1949ء میں مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان کے ناظم اعلیٰ بنا دیے گئے پھر 1943ء میں امیر جماعت مولانا غزنوی کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل جماعت کے امیر منتخب ہو گئے۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی لکھتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل پنجابی میں تقریر کرتے تو تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ یکساں استفادہ کرتے تھے۔

اگست 1949ء میں ''ہفت روزہ الاعتصام'' گوجرانوالہ سے جاری ہوا اس کے انچارج مولانا محمد اسمٰعیل سلفی تھے۔ الاعتصام کے ایڈیٹر مولانا محمد حنیف تھے۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کو نائب مدیر بنا دیا گیا۔ دو سال کے بعد الاعتصام کی ادارت مولانا محمد اسحاق بھٹی کے سپرد کر دی گئی۔

مولانا محمد اسمٰعیل سلفی 20 فروری 1968ء کو نماز عصر سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ عالمِ برزخ سے بلاوہ آ گیا اور وہ لبیک کہتے ہوئے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اب ''ہفت روزہ الاعتصام'' کی تعمیر و ترقی مولانا بھٹی صاحب کے ذمہ ہی تھی اور انہوں نے اس سلسلہ میں بہت محنت کی اور کامیابی حاصل کی۔ مختلف شہروں کا سفر کر کے الاعتصام کے سینکڑوں سالانہ خریدار بنائے۔ بھٹی صاحب کے مضامین بھی اس میں شائع ہوتے اور مختلف علماء و سیاستدانوں کے مضامین اور کتابوں وغیرہ کے تبصرے مولانا محمد اسحاق بھٹی 15 برس تک اس کے ایڈیٹر رہے اس دوران بہت کچھ خاص نمبر بھی شائع کیے مثلاً عید نمبر، حدیث نمبر وغیرہ

اب مولانا کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم نے لاہور میں کلب روڈ پر ''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' کے نام سے ایک تحقیقی ادارہ قائم کیا جس میں بعض حضرات کو تصنیفی

خدمات پر لگا دیا گیا۔ مولانا داؤد غزنوی کی وفات کے بعد مولانا اسحق بھٹی نے ''الاعتصام'' کی ادارت سے استعفیٰ دے دیا۔

اب ادارہ ثقافت اسلامیہ کے اکیڈمک ڈائریکٹر میاں محمد شریف تھے انہوں نے چند دوستوں کے مشورہ پر مولانا محمد اسحق بھٹی کو بلا بھیجا اور بڑی شفقت سے فرمایا کہ آج سے آپ ''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' کے مستقل رکن ہو گئے

ادارہ ثقافت اسلامیہ میں بھٹی صاحب کو خالص تحقیقی میدان مل گیا اور انہوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا وہ پورے 32 سال اس کے رکن رہے۔ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی لائبریری میں تقریباً چودہ ہزار کتابیں تھیں۔ تقریباً ہر مضمون پر کتابیں موجود تھیں۔ انہوں نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا۔ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ بطور لائبریرین گزارا تھا اس لیے مجھے اس سے پوری دلچسپی تھی۔

اس ادارہ سے فارغ ہونے کے بعد ماشاءاللہ انہوں نے لکھوی' غزنوی اور روپڑی خاندانوں سے لیکر معروف شخصیات کے تذکروں کے مزید پچاس ہزار صفحات تحریر کیے۔ ''المعارف'' کے ایڈیٹر رہے۔ تفسیر' حدیث' فقہ اور تاریخ و سیر پر بہت کتابیں لکھیں۔

1995ء میں جب میری اہلیہ فوت ہوئی تو انہوں نے اسی Institute of Islamic Culture کے پیڈ پر طویل مفصل افسوسنامہ لکھا۔

مولانا بھٹی عجز و انکسار کا حقیقی پیکر تھے ان کی بود و باش عام سی اور بڑی سادہ تھی۔ زندگی کے آخری ایام تک ان کی رہائش محلہ کی ایک تنگ سی گلی میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہی۔ بھٹی صاحب 2015ء کے آخری مہینے کی آخری تاریخوں میں آخری سانس لے گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اب میرے دوست اور ملنے والے بہت غمگین اور افسوس زدہ حالت میں لکھ رہے ہیں کہ ممتاز عالم دین' مؤرخ و مصنف اور متنوع و ادیب' ذہبی دوراں نوے برس کی عمر پا کر ہمیں داغ جدائی دے گئے۔ اور ادھر میں لکھ رہا ہوں کہ میرے بہتر سالہ ملنسار مجھ سے ہمیشہ کے لیے روٹھ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ایک اور بیش قیمت ہیرا رخصت ہوا

عمار چودھری

درمیانہ قد' گول چہرہ' خشخشی داڑھی' آنکھوں اور ہونٹوں سے چھپی ہوئی مسکراہٹ' زندہ دل مگر حساس طبیعت' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا داؤد غزنوی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے ہم عصر مولانا اسحٰق بھٹی بھی رخصت ہوئے۔ ٹی وی' موبائل' انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا کی نسل کو کیا معلوم کہ کتنا بیش قیمت ہیرا خاک نشین ہوا۔

اسحاق بھٹی 1925ء میں کوٹ کپورا ریاست فرید کوٹ میں پیدا ہوئے۔ کتب بینی کا شوق ورثے میں پایا۔ مبتدی طلباء کو قرآن وحدیث پڑھانا شروع کیا۔ کچھ ہی عرصہ میں دارالعلوم مرکز الاسلام کے شیخ الحدیث کہلانے لگے۔ 25 روپے تنخواہ پاتے تھے۔ اس وقت یہ ایک بڑی رقم تھی۔ درس نظامی کے فارغ اور بہت بڑے عالم تھے۔ کسی بڑی جامعہ میں اچھے معلم کے طور پر کام کر سکتے تھے مگر چونکہ یہاں کسی وقت طالب علم رہ چکے تھے اور مولانا محی الدین لکھوی اور مولانا معین الدین لکھوی سے ان کے دوستانہ تعلقات قائم ہو چکے تھے لہٰذا ان کی دعوت پر محض دین اسلام اور علوم الہیہ کی خدمت کے جذبے سے کام کرنے لگے۔

جو بھی ان سے ایک بار ملا' متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ محفل کی جان تھے۔ یادداشت ایسی کہ گویا سب کچھ آنکھوں سے دیکھ کر بول اور لکھ رہے ہوں۔ ہر فرقے اور ہر طبقے سے میل جول رکھتے۔ کسی کا برا مناتے' نہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنانے کی کوشش کرتے۔

مختلف شخصیتوں پر جب لکھتے تو اس میں کسی نہ کسی طرح مزاح ضرور پیدا کر دیتے۔ اپنی کتاب ''قصوری خاندان'' میں مولانا سید داؤد غزنوی کی معیت میں میاں محمود علی قصوری سے پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا۔ ''تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھتا ہوں کہ ان کا ملازم پانی' چائے اور کھانے کی مختلف چیزوں سے لدی ہوئی ایک ریڑھی کھینچے چلا آ رہا ہے۔ میں نے اس قسم کی ٹرالی یا ریڑھی زندگی میں پہلی دفعہ دیکھی تھی جس کے اوپر نیچے دو تین چھتیں تھیں۔ جو چینی کے چھوٹے بڑے کئی برتنوں

اور بہت سی اشیائے خورد و نوش سے بھری ہوئی تھیں۔ ذہن میں آیا کہ یہ لکڑی کی اس کھرلی کی طرح ہے جس میں پیسے لگے ہوتے ہیں اور ڈھور ڈنگروں کیلئے چارہ' بھوسہ' بنولہ وغیرہ اس میں ڈالا جاتا ہے۔ دیہات میں یہ کھرلی مویشیوں کیلئے ہوتی ہے اور بناوٹ کے کچھ فرق کے ساتھ شہروں میں انسانوں کے لئے"

ایک مرتبہ مولانا محمد اسحاق بھٹی اور محی الدین قصوری کسی سفر پر جارہے تھے تو بس میں سوار ہو کر قصوری صاحب نے دونوں کا کرایہ دینے کیلئے پیسے جیب سے نکالے تو بھٹی صاحب نے انہیں ڈانٹ دیا اور مسکراتے ہوئے کہا" جب اپنے سے بڑے کے ساتھ سفر پر جاؤ تو کرایہ دینے کی کوشش نہ کرو۔ بڑے کا فرض ہے کہ دونوں کا کرایہ ادا کرے"

اگست 1949ء میں گوجرانوالہ سے ہفت روزہ الاعتصام جاری ہوا۔ جس کے بانی و ناشر مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی اور ایڈیٹر مولانا محمد حنیف ندوی تھے۔ فروری 1950ء میں مولانا محمد اسحٰق بھٹی بطور معاون ایڈیٹر گوجرانوالہ چلے گئے۔ اکتوبر 1965ء سے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے منسلک ہو گئے۔ اس سے پہلے ان کے مشفق دوست مولانا محمد حنیف ندوی مئی 1951ء سے اس ادارہ میں تھے۔ ادارے کے ڈائریکٹر ایم ایم شریف تھے۔ انہی دنوں ریڈیو پاکستان کے "زندہ تابندہ" پروگرام میں بھٹی صاحب کی تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان کی پہلی ریڈیائی تقریر 25 دسمبر 1961ء کو نشر ہوئی' پھر یہ سلسلہ چل نکلا۔ مختلف پروگراموں میں روزانہ دو دو تین تین تقریریں بھی ہوئیں اسی اثناء میں انہوں نے چالیس پینتالیس اہم دینی اور علمی شخصیات پر تقاریر فرمائیں۔

ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے تقریباً چوتھی صدی ہجری کے محمد بن اسحٰق ابن الندیم کی معروف عربی کتاب "الفہرست" کا اردو ترجمہ کیا جو تقریباً ایک ہزار صفحات میں چھپا۔ "برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ" کتاب لکھی۔ اس کے بعد دس جلدوں میں "فقہائے ہند" لکھی۔ یہ ان کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور ادارے کی مطبوعات میں ایک اہم اور مفید اضافہ ہے۔ بائیس سال ادارہ کے ماہنامہ "المعارف" کے ایڈیٹر رہے۔ "برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش" لکھی۔ اس کتاب میں ان صحابہ' تابعین اور تبع تابعین کا تذکرہ کیا گیا ہے جو مختلف اوقات میں برصغیر پاک و ہند میں تشریف لائے۔ مولانا محمد ندوی ایک جلیل القدر عالم اور نامور مصنف تھے جو ادارہ ثقافت اسلامیہ کے قیام کے ابتدائی دور ہی میں اس سے وابستہ ہو گئے تھے۔

28 جولائی 1985ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے ان کے ساتھ ایک شام منائی گئی۔ اس تقریب میں ان کے متعلق مختلف اہل قلم نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور مقالے پڑھے۔ یہ مقالے مولانا بھٹی نے 'ارمغان حنیف' کے نام سے کتابی صورت میں مرتب کر کے شائع کر دیے۔ بھٹی صاحب نے پی ایچ ڈی کے تین مقالے ایڈٹ کیے جو ادارہ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع کیے گئے۔ مرحوم نے تیس سال ادارہ ثقافت اسلامیہ میں تصنیفی و تحقیقی خدمات سرانجام دیں۔

مولانا محمد اسحٰق بھٹی نے اپنی طرف سے قصوری خاندان' نقوش عظمت رفتہ' بزم ارجمنداں' میاں فضل حق اور ان کی خدمات وغیرہ کتابیں لکھیں اور شائع کروائیں۔ ان کتابوں میں انہوں نے بے شمار اہم شخصیات کی نجی اور سیاسی زندگی کے حالات اور ان کی علمی و ملی خدمات کا خوب تذکرہ کیا ہے۔ دینی اور تاریخی موضوعات پر انہوں نے کل چالیس کتابیں تحریر کیں۔ وہ ہندوستان کے سابق صدر گیانی ذیل سنگھ کے ذاتی دوست بھی تھے۔ آخری دنوں میں بھی ان کا قلم ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا' معلوم نہیں کہاں جا کے تھما۔ تاہم اتنا معلوم ہے کہ آخری سانسوں تک بس لکھتے ہی رہے۔ مئی میں ان سے آخری ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے جگری دوست میرے نانا چودھری غلام حسین کی اکلوتی بیٹی اور میری والدہ کی وفات پر گھر تشریف لائے تھے۔

میں جب اس طرح کے ممتاز تاریخ دان اور محققین کو رخصت ہوتے دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا ایسے لوگ اب دوبارہ پیدا ہوں گے۔ کیا ایسے کام' کیا ایسی تحقیق اب کوئی اور کرے گا۔ نظر یہی آتا ہے کہ نئے محقق اور تاریخ دان پیدا ہونا تو دور کی بات' نئی نسل اگر انہی کی علمی خدمات سے استفادہ کر لے تو بھی بڑی بات ہے۔ شاید موبائل اور سوشل میڈیا کے دور میں ایسے خواب دیکھنا مناسب نہیں۔ یوں لگتا ہے ہم ایک دور سے نکل کر دوسرے میں داخل ہو رہے ہیں۔ ایک ایسے دور میں' جو گلیمر' مزاح' شور شرابے سے بھرپور ٹاک شوز' الٹے سیدھے مارننگ شوز' ڈالر سمگل کرنے والی ماڈلز اور گلا پھاڑ پھاڑ کر بولنے والے سیاستدانوں کا دور ہے اور جہاں کسی عالم دین' کسی تاریخ دان اور کسی محقق کی طلب انتہائی محدود ہو چکی۔ دیگر بڑی شخصیات کی طرح اسحٰق بھٹی بھی خاموشی سے چلے گئے۔ جانا بھی وہ ہے لیکن اگر کوئی زندگی اور موت کی حقیقت جاننا چاہتا ہے تو ایک لمحے کو سوچ لے کہ وہ یہ لے کر اور کیا چھوڑ کر جا رہا ہے' حقیقت کھل کر اس کے سامنے آ جائے گی۔

تاریخ نے دم توڑ دیا

محمد عابد رحمت

''میں آپ کی شخصیت پر مضمون لکھنا چاہتا ہوں'' میں نے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا۔ وہ کہنے لگے ''نہیں تم رہنے دو اور بہت سے لوگوں نے مضامین لکھے ہیں' بس اتنا ہی کافی ہے تم پڑھو اور علمی کام کرو' میں نے کہا'' یہ بھی تو ایک علمی کام ہے'' تو اس پر وہ بطور مزاح کہنے لگے یہ علمی نہیں فلمی کام ہے۔ لیکن میں نے اصرار کیا اور جاتے ہوئے بھی میں نے ان سے کہا کہ مضمون لکھ کر آپ کو دکھاؤں گا' انہوں نے کہا'' چلو ٹھیک ہے''۔ یہ میری ان سے آخری گفتگو تھی جب وہ مجھے اپنے گھر سے الوداع کر رہے تھے۔ اپنی وفات سے چند دن قبل مولانا فاروق الرحمن یزدانی صاحب کو فون کیا اور میرے بارے میں پوچھا کہ عابد کافی دنوں سے آیا نہیں اور ساتھ ہی انہوں نے مجھے سلام بھیجا اور یہ سلام بھی میرے لئے ان کا آخری سلام تھا۔

میں سوچ رہا تھا کہ پیپر ختم ہوتے ہی سیدھا ان کے ہاں حاضری دوں گا اور ان کی زیارت کروں گا' آج جب کہ وہ نظروں سے اوجھل ہو چکے ہیں' وہ اب اتنے دور چلے گئے ہیں کہ جب تک میں خود دنیا سے دور نہ ہو جاؤں ان سے گفتگو نہیں کر سکتا اور نہ ہی ان کی زیارت کر سکتا ہوں' ہاں میں نے ان کی زیارت تو کی اور بوسا بھی لیا مگر اس حالت اور کیفیت میں کہ نہ وہ مجھ سے کلام کر سکتے تھے' نہ وہ مجھ سے ہاتھ ملا سکتے تھے اور نہ ہی وہ مجھے گلے لگا سکتے تھے۔ میری آنکھوں میں بہتے آنسوؤں کو وہ پونچھ نہیں سکتے تھے' میں ان کے گھر سے مسجد تک ان کی چارپائی کو کندھا دے کر آیا تھا مگر انہوں نے مجھ سے یہ تک نہیں کہا کہ اگر تھک گئے ہو تو کسی اور کو آنے دو' وہ ہر دم ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ ہر کسی سے ملتے مگر آج جب میں ان سے ملا تو ان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا' مجھے مسکراہٹ کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہی تھی' میں نے چہرہ بھی بڑی مشکل سے ہجوم میں گھس

کر دھکے کھاتے ہوئے دیکھا۔ پہلے تو میں جب ان کے ہاں جاتا تو وہ سارے کام چھوڑ چھاڑ کر مجھ سے محو گفتگو ہوتے مگر آج وہ میری طرف دیکھ تک نہیں رہے تھے‘ پہلے ... وہ مجھے الوداع کیا کرتے تھے مگر آج میں انہیں الوداع کر رہا تھا‘ جن کی زبان پر کبھی تاریخ رواں رہتی‘ تاریخی جھروکوں سے قرطاس کو زینت بخشتے‘ اپنے قلم سے شخصیت پر پھولوں کی برکھا برساتے آج وہ خود تاریخ کا حصہ بن گئے۔ میں اسی تاریخ کو قرطاس پر مشتمل کر رہا ہوں آج میں اپنے قلم کو اسی شخصیت سے روشناس کروا رہا ہوں۔

میرے اس قلم کو نہ جانے پہلے کیا ہوا تھا کہ ان کی سانسوں کی ڈوری ٹوٹنے سے پہلے جنبش نہ کر سکا مگر آج یہ میرے ہاتھ میں آنے کے لیے بے قرار رہے‘ میرے درد کو شاید یہ خود میں سموئے بیٹھا تھا‘ غم و اندوہ کے پہاڑ مجھ پر ٹوٹے ہیں مگر آنسو الفاظ کی صورت میں اس کے نکل رہے ہیں۔ ان کی شخصیت پہ کچھ لکھتے ہوئے آنکھیں نم‘ دل غمگین اور ہاتھ کانپ رہے ہیں لیکن قلم ہے کہ مسلسل مچل رہا ہے‘ قلم کے قرطاس کو چھوتے ہی یادوں کے بند دریچے کھلتے جا رہے ہیں۔
ان کی بولتی آنکھیں‘ مسکراتا چہرہ‘ میانہ قد‘ سست روچال‘ سادہ مگر صاف ستھرا لباس‘ سادگی میں لپٹی ہر ادا‘ کانوں میں رس گھولتی کمزور اور نحیف مترنم آواز‘ بلا توقف علم کے موتی بکھیرتا ان کا قلم‘ اس قلم کو چلاتے ان کے ماہر مگر کانپتے ہاتھ‘ ان ہاتھوں کی راہنمائی کرتا قوی حافظہ‘ اس حافظے کے تخلیق کردہ علم کے وہ جواہر پارے جو دل و دماغ پر اپنے ان مٹ نقوش چھوڑ جائیں‘ میدان تحریر کے شہسوار ایسے کہ ہم عصر اہل قلم اور دانشور بھی عش عش کر اٹھیں‘ خاکہ نگاری کی یہ انتہا کہ پورے کا پورا انسان ہی سامنے لا کھڑا کریں‘ الغرض ان کا تصور نقشہ لوح قلب و دماغ پر ایسا مرتسم ہو چکا ہے گویا کہ وہ بقید حیات ہوں‘ ان کی خندہ پیشانی سے ملنے کی ادا اور ہشاش بشاش چہرے کی وہ تصویر آنکھوں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔
مہمان نوازی میں مماثل ابراہیم 9 اور اخلاق حسنہ میں نبی کریمؐ کے پیرو‘ گمنام ایسے کہ اپنے تک ان کے مقام سے ناآشنا اور نامور ایسے کہ انہیں جانے بغیر تاریخ اہل حدیث ادھوری ٹھہرے۔
یہ میرے محترم بزرگ‘ میرے راہنمائے تحریر اور مشفق استاذ مورخ اہل حدیث‘ مصنف کتب کثیرہ‘ ...ے قلم و قرطاس‘ غزالی دوراں‘ عظیم دانشور‘ محقق دوراں‘ جنگ آزادی کے غازی‘ آزادی کی پہلی نسل سے آشنا‘ سیاست و صحافت کے منصہ شہود پر ابھرنے والے درخشندہ

ستارے' مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانیؒ کے شاگرد خاص' مولانا داؤد غزنویؒ' مولانا اسماعیل سلفی اور مولانا حنیف ندویؒ کے سایہ شفقت میں 15 سال سے زائد کا حسین عرصہ بتانے والے' یہ مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ ہیں محبت والفت' چاہت واخوت' اخلاص ومروت' پیار واظہار کے امتزاج کامل کے وہ پیکر مجسم تھے' ان میں ہر ایک کے لئے بلا امتیاز وفا کی چاشنی کا عنصر ہر آن نمایاں و غالب تھا' جن کی رفاقت میں گزرے ہوئے وہ حسین اور یادگار لمحات میرے لئے باعث صد افتخار و نازش ہیں۔ ان پر ہزاروں مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹے' غربت وافلاس نے کمر توڑ ڈالی مگر مجا ل ہے کہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کیا ہو' ہاں اگر کشکول لئے کسی کے در پہ دستک دی تو فقط اہل علم اور اسلاف کی حیات کے مہکتے گوشوں کے لئے تا کہ وہ ان کے تذکار کو تاریخ کے صفحات میں محفوظ کر اس امانت کو حیات جاوداں کے سپرد کر دیں' تن تنہا بنا کسی کی مالی معاونت کے ایک ادارے سے بڑھ کر ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ عقل محو تماشا ہے لب بام ابھی۔

ان کی وفات کی خبر سنتے ہی دل ودماغ پر ایک سوال ہتھوڑے کی طرح برسنے لگا کہ ''کیا تاریخ بھی کبھی مرتی ہے؟''۔ اس تلخ حقیقت نے مجھے باور کروایا کہ ''ہاں! آج تاریخ نے دم توڑ دیا''۔ مجھے اس حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا کیونکہ اسی صد سالہ تاریخ کو' اس ایک صدی کو ہم نے اپنے ہی ہاتھوں منوں مٹی تلے دفن کیا۔ ہمیں حقیقی تاریخ اور اپنے اسلاف سے جوڑنے والا' ہماری تاریخ کے بکھرے شیرازے کو یکجا کرنے والا وہ آفتاب جو 1925ء میں ہندوستان کے مطلع سے طلوع ہوا اور آزادی کے بعد سرزمین پاکستان میں 90 سال 9 ماہ 7 دن پوری آب وتاب سے چمکتا ومکتا رہا اور اپنی تجلیاں اور تابانیاں جہان علم میں بکھیرتا رہا بالآخر یہ آفتاب 22 دسمبر صبح 5.30 بجے نمونیہ کی وجہ سے جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس آفتاب کے خاک کی اوٹ میں چھپتے ہی غم کے بادلوں نے ہلہ بول دیا اور فضاء نے ہر ذی روح کو اداس کر ڈالا' اشکبار آنکھوں نے اس پر آخری نگاہ ڈالی اور پھر وہی ہوا جو ہر انسان کے مقدر میں ہے۔ اب ہم تاریخ پوچھیں تو کس سے؟ ہم متلاشی نگاہیں لئے کسی ایسے مسیحا کے منتظر ہیں جو ہمیں تاریخی آئینہ میں ہماری شناخت کروا سکے ہاں ہم منتظر ہیں۔

ترجمان الحدیث

زندہ و جاوید تاریخ

محمد افضل خورشید جامعہ سلفیہ

22 دسمبر کی صبح ساڑھے پانچ بجے دین وملت کا ایک شاہ بلوط اس دار فانی سے ٹوٹ کر اس عالم فنا میں غائب ہو گیا۔ جہاں سے پلٹنا ناممکن ہے۔قحط الرجال کے اس سلگتے صحرا میں مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ کی جدائی مسلک اہلحدیث کیلئے بالخصوص اور ملت اسلامیہ کیلئے بالعموم عظیم صدمہ سے کم نہ تھی۔

مولانا موصوف کی پہلی نماز جنازہ شہر لاہور میں ادا کی گئی اور پھر نماز عشاء کے بعد ان کے آبائی گاؤں ڈھیسیاں میں آہوں سسکیوں اور ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ سینکڑوں علماء شیوخ الحدیث، مفسرین، محققین، مناظر مفتیان کرام اور طلباء دین نے انا بفراقک لمحزون ولا نقول الا بما یرضیٰ ربنا کے تحت رنج وغم کے جذبات کے ساتھ الوداع کیا۔

بلا شبہ بھٹی صاحب جیسی شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتی ہیں، سوانح نگاری تالیف و تصنیف انکا پسندیدہ میدان تھا جس کی بدولت انہوں نے سینکڑوں علماء، محدثین، قائدین، خدام القرآن کی حیات کو ایسے پیرائے میں تحریر کیا ہے کہ قاری کو احساس ہونے لگتا ہے کہ شاید وہ آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا ہے ان کی یہ خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

راقم نے مولانا کی پہلی زیارت استاذی المکرم الشیخ فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب کے گاؤں میر پور شاہ کوٹ میں کی۔ یزدانی صاحب کا شمار ہماری مادر علمی کے ماہر استاذ اور مسلک اہلحدیث کے بہترین ترجمان کے حاملین میں ہوتا ہے آپ تالیف وتصنیف اور حقانیت

مسلک اہلحدیث کی ترویج و اشاعت کیلئے ہمیشہ صف اول میں نظر آتے ہیں' اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

راقم کو یزدانی صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہے۔ چنانچہ ایک بار 2014ء میں انہوں نے حدیث ابوداؤد شریف کے چند اسباق اپنے گاؤں میں پڑھانے کیلئے اپنی کلاس کے تمام تلامذہ کو اپنی مسجد میں مدعو کیا آپ کے بڑے پن اور مہمان نوازی جیسے وصف سے آگاہی ہوئی۔

دو دن کے اس دورہ حدیث کے دوران انہوں نے اپنے تلامذہ کے ساتھ چند ایک مقتدر شخصیات کی ملاقات کا اہتمام بھی فرمایا' کیونکہ یزدانی صاحب مسلک کی اکثر لکھاری شخصیات سے رابطے میں رہتے ہیں اور ان کی قدر فرماتے ہیں۔ چنانچہ یہاں تشریف لانے والوں میں مولانا محمد رمضان یوسف سلفی صاحب مولانا محمد سلیم اعظم بلوچ صاحب اور مؤرخ اہلحدیث مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب تھے۔ وہاں چند لمحات مؤرخ اہل حدیث کے ہمراہ گزارنے کا موقع میسر آیا۔ چنانچہ اس علمی مجلس میں موصوف کے جن اوصاف حمیدہ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ان کو سپرد قلم کرتا ہوں۔

1) موصوف ایک نہایت وضع دار اور انتہائی عاجزی و انکساری رکھنے والے تھے معلوم ہوتا آپ افشوا السلام و صلوا الارحام' و صلوا باللیل والناس و نیام اور یحب الرفق فی الامر کلہ کی عملی تصویر تھے۔

2) آپ اہل علم اور طلباء علم کی دل سے قدر کرتے تھے جو کہ محدثین کا وطیرہ رہی ہے۔

3) آپ کی مجلس میں بیٹھ کر معلوم ہوا کہ آپ بہت پایہ کے نقاد ہیں اور بڑے بڑے تلے الفاظ میں اداروں اور کتب و علماء پر ان کی غلطیوں پر تنقیدی نظر کرتے ہیں کیونکہ ایک بہترین مؤرخ کی یہی نشانی ہوتی ہے کہ وہ ہر حقیقت کو ذکر کر دے۔

4) آپ ایک بہترین راہنما بھی تھے۔ آپ کے متعلق اکثر سن رکھا تھا کہ آپ ہر مجلس میں طلباء کو کوئی نہ کوئی نصیحت ضرور کرتے ہیں وہاں ہم نے براہ راست ان سے

استفادہ کیا آپ نے طلباء کو دوران تعلیم چند ایک چیزوں سے پرہیز کرنے کی نصیحتیں فرمائی۔ جن میں ایک یہ تھی کہ دوران تعلیم کسی بھی تنظیمی سرگرمیوں میں حصہ نہ لیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ کے لیے میدان صاف ہے آپ جس بھی مذہبی یا سیاسی تنظیم کے ساتھ منسلک ہونا چاہیں آپ وہ راہ اپنائیں۔ یہ ان کی اپنی زندگی کا ایک مشاہدہ تھا جو انہوں نے طلباء سے شیئر کیا۔

(5) اور اسی طرح انہوں نے مطالعہ کرنے کی ترغیب دی خصوصاً ادب کی کتب ابوالکلام آزاد اور ڈپٹی نذیر احمد کی کتب پڑھنے اور مضمون نگاری کی طرف رغبت دلائی۔

یہ وہ لمحات ہیں جن پر آج ہم فخر کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنی جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ راقم کو دوسری دفعہ زیارت کا موقع علوم اسلامیہ کی عظیم دانش گاہ جامعہ سلفیہ میں ملا جب موصوف کی خدمات پر خراج تحسین پیش کرنے کیلئے ان کو ادارہ کی جانب سے اعزازی شیلڈ اور مبلغ ایک لاکھ روپے ہدیہ دیا گیا...... اس موقع پر بھی شیخ الحدیث' حافظ عبدالعزیز علوی صاحب' ممتاز دانش ور پروفیسر محمد یٰسین ظفر صاحب' استاذ العلماء حافظ محمد شریف صاحب اور بقیۃ السلف حافظ مسعود عالم صاحب نے ان کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے لیے تعریفی کلمات فرمائے تھے چنانچہ بھٹی صاحبؒ نے اپنی گفتگو کے دوران جامعہ سلفیہ کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے علماء کا مقام اور عصر حاضر کے تقاضوں کا ذکر کیا۔

بلاشبہ مولانا نے اس مشکل اور کٹھن دور میں بھی ایک جھونپڑی کو مسکن بنا کر وہ کام کر دکھایا جو کئی تحاریک مل کر بھی شاید صدیوں نہ کر سکیں۔ اور چالیس سے زائد کتب اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں جو ہمیشہ ان کی یاد دلاتی رہیں گی اور تاریخ کے اوراق ہمیشہ زندہ و جاوید رہیں گے۔

میرے نانا..........
(مولانا محمد اسحاق بھٹی)

محمد نعمان اسحاق (نواسہ مولانا محمد اسحاق بھٹی)

کہتے ہیں کہ زندگی ایک تسلسل کا نام ہے، اگر اس تسلسل میں محنت، ہمت، مستقل مزاجی، جوش، جذبہ اور بلند حوصلہ جیسے عناصر شامل ہو جائیں تو پھر انسان کو آگے بڑھنے اور اپنے خوابوں کی تعمیل تک پہنچنے کے لیے دنیا کی کوئی طاقت آڑے نہیں آسکتی۔ بس کچھ ایسی ہی خصوصیات کے حامل تھے میرے مولانا۔ جی ہاں! مولانا سے میری مراد مولانا محمد اسحاق بھٹی ہیں۔ میں انھیں بطور نانا ''ابو جی'' کے نام سے پکارتا تھا لیکن اکثر اوقات سنجیدہ موضاعات اور ان کے علمی تدبر سے استفادہ کرنے کے لیے دوران گفتگو میں انھیں مولانا کے نام سے پکارا کرتا تھا اور بعض دفعہ بحیثیت دوست تکلفانہ انداز میں بھی۔ میرا علمی ذوق اتنا بلند نہیں کہ میں مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب جیسی بلند پایہ شخصیت کے بارے میں ایک حرف بھی لکھ سکوں، نہ ہی میں اپنے آپ کو اس قابل سمجھتا ہوں۔

مولانا ہمہ گیر خصوصیات کی حامل ایک مکمل شخصیت تھے۔ لوگوں کو لکھنے اور پڑھنے کا شوق ہوتا ہے پر شاید مولانا کو جنون تھا اور یہ جنون ان کی زندگی کی آخری سانسوں تک ان پر سوار رہا۔ آپ اس جنون کی تپش کا اندازہ کیجیے کہ زندگی کی ڈور کٹنے سے قبل جب وہ ہسپتال میں آخری سانسیں لے رہے تھے اور ڈاکٹرز نے انھیں زیادہ بولنے اور کسی سے ملنے سے منع کر دیا تھا، اس حالت میں بھی انھوں نے گھر فون کر کے بتایا کہ فلاں الماری میں فلاں جگہ پر جو دو کتب ہیں وہ لے کر آؤ۔ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ لکھنا ان کی بھوک تھی اور پڑھنا پیاس، اسی لیے قریباً پچاس ہزار سے زائد اوراق لکھنے اور ان کی لائبریری میں دس ہزار سے زائد کتب موجود ہونے کے باوجود نا تو ان کی لکھنے کی بھوک ختم ہوسکی اور نہ ہی پڑھنے کی پیاس۔

اشاعت خاص مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمتہ اللہ علیہ

عام طور پر عمر کے ساتھ انسان کی ترجیحات، مزاج، کام کرنے سکت، ہمت، جوش، ولولے اور حوصلے میں تبدیلی اور کمی واقع ہو جاتی ہے۔ مگر مولانا دوران زندگی وقت کی جس ریل گاڑی میں سوار تھے جو ہر گزرتے ہوئے لمحے، منٹ، گھنٹے، دن، ہفتے، مہینے اور سال کے ساتھ مزید تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھی۔ ان کی عمر اور کام کرنے کی رفتار کو دیکھ کر بظاہر لگتا تھا کہ وقت کہیں ان کے لیے ٹھہر سا گیا ہے۔ البرٹ آئن سٹائن کی تھیوری آف سپیشل ریلیٹیوٹی (Theory of Special Relatively) کے مطابق اگر انسان ایک خاص رفتار سے زیادہ رفتار میں سفر کرے تو وقت اس کے لیے ٹھہر جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے کام کرنے کی رفتار کو آئن سٹائن کی بتائی ہوئی اس خاص رفتار سے تیز کر لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا نے مضمون نگاری، ادب، تاریخ اور تحقیق کے میدان میں تن تنہا بطور فرد جو کارہائے نمایاں سرانجام دیے وہ کئی افراد، جماعتیں، تنظیمیں، ادارے اور یونیورسٹیاں بھی کرنے سے قاصر دکھائی دیتی ہیں۔ میں جب بھی ان سے ملتا تھا ان کی آنکھوں میں مصمم ارادوں کی چمک دکھائی دیتی، یہی وجہ ہے کہ زندگی کی نوے بہاریں دیکھنے، بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے، بچپن سے جوانی اور بڑھاپے تک والدین، بہن بھائیوں، زوجہ کے انتقال اور مختلف نامساعد حالات کا سامنا کرنے کے باوجود نہ تو ان کی آگے بڑھنے کی آگ ٹھنڈی ہوئی، نہ ہی پایۂ استقلال میں لغزش آئی اور نہ ہی ان کی آنکھوں میں موجود مصمم ارادوں کی چمک ماند پڑی۔

میں نے کبھی انھیں مسلسل پانچ سے چھ گھنٹے تک سوتے ہوئے نہیں دیکھا۔ وہ سارا دن کاغذ قلم پکڑ کر کام کرتے۔ اسی دوران اگر کوئی ملاقات کے لیے حاضر ہوتا تو کبھی انکار نہیں کرتے، اور ہر بار ملنے والے سے ایسی گرمجوشی سے ملتے کہ جیسے پہلی بار ہی مل رہے ہوں، خواہ آخری ملاقات چند گھنٹے تو کیا چند لمحے پہلے ہی ہوئی ہو اور وہ شخص ملاقات کے دوران اپنی کوئی چیز میز پر بھول گیا ہو اور اسی اثناء میں دوبارہ حاضر ہوا ہو۔

رات کو عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد کام کرتے، پھر سو جاتے اور صبح تہجد تک دو سے تین بار

مختلف نشستوں میں بار بار کام کرتے۔ تہجد کی نماز کے بعد اللہ کے حضور ایسی گڑگڑا کر، زار و قطار آنسوؤں کے ساتھ دعا مانگتے کہ اکثر ساتھ والے کمرے میں سوئے ہوئے مجھ سمیت گھر کے افراد جاگ جاتے۔ دعا اس قدر عاجزی کے ساتھ مانگتے کہ اگر کوئی سن لے تو اسے دعا کی قبولیت کا یقین ہو جائے۔ اس دعا میں خاندان کے ایک ایک فرد کا نام لیتے، ساتھ اگر کسی دوست یا ہمسائے نے کوئی مشکل بتائی ہوتی تو اس کو بھی شامل کرتے اور اپنی بخشش کا بھی سوال کرتے۔

مولانا بڑوں اور بچوں سمیت سب کو دوران گفتگو آپ کہتے، تم، توں، تیرا سے یکسر گریز کرتے۔

خوراک کافی کم تھی، بس زندہ رہنے کے لیے کھاتے۔ کھانے میں جب بھی، جو بھی ملتا صبر، شکر کر کے کھا لیتے اور کھانے کے دوران یا بعد میں کبھی نمک یا مرچ کے زیادہ یا کم ہونے کا گلہ نہ کرتے۔ جس محفل میں بھی حاضر ہوتے اس محفل کے روح رواں وہی ہوتے۔ سنجیدہ موضوعات کی گفتگو اور یہاں تک کہ تقاریر میں بھی اپنی مزاح نگاری کی بدولت ایسے رنگ بھرتے کہ حاضرین خوب محظوظ ہوتے ہوئے بڑی دلچسپی سے بات سنتے۔

مولانا کے متعلق چند سطریں انہی کی نشست پر بیٹھا تحریر کر رہا ہوں۔ مزید باتیں بھی کرنا چاہتا ہوں لیکن اب یہ دل ان کے ساتھ گزرے ہوئے خوشگوار لمحوں کی چار دیواری میں گم ہوئی یادوں کے سمندر میں پوری طرح کچھ ایسے غوطہ زن ہو گیا ہے کہ ان بھیگی ہوئی آنکھوں میں صرف ان کی تصویر نظر آ رہی ہے اور قلم بھی چلنے سے قاصر ہے۔ بقول شاعر

بتوں پہ جا کے دل مبتلا نہیں آتا
پکارتا ہوں تو کہتا ہے جا نہیں آتا

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ابو جی (نانا) کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور انھیں جنت الفردوس میں انبیاء کرام اور ان تمام نیک شخصیات کا ساتھ نصیب فرمائے۔ جن کے بارے میں آخری سانسوں تک ان کا قلم چلتا رہا۔ (آمین یا رب العالمین)

ابو جی! ۔۔۔ گزر گئی گزران

قدسیہ سعید (لیکچرار اردو، گورنمنٹ کالج فار ویمن، جڑانوالہ، فیصل آباد)

میری سماعت سے ٹکرانے والی پہلی آواز جو اذان کی صورت میرے دماغ تک پہنچی، میرا نام رکھنے والی ہستی، میری تعلیم، پیشے اور شادی جیسے اہم معاملات میں پوری دل چسپی لینے والی ذات، میرے نکاح خواں، اور پھر میرے بچے کے کان میں اذان دینے اور نام رکھنے والی شخصیت میرے ابو جی ۔۔۔ محمد اسحاق بھٹی۔

یوں تو ہمارے اعزا واقربا میں بہت بچوں کے نام ابو جی نے رکھے لیکن شاید یہ اعزاز صرف میرے ہی پاس ہے کہ میرا، میرے خاوند کا اور میرے بچوں کے نام ان ہی کے تجویز کردہ ہیں۔ قدسیہ، جنید، ثوبان اور ریان۔

میں نے جس ماحول میں آنکھ کھولی وہاں ہر وقت اخلاقیات کا درس ملا۔ یہاں تک کہ پڑھنے پڑھانے کی اہمیت اجاگر کی گئی۔ ہمیں بچپن ہی میں متجسس، خوف ناک، رومانوی، جن، پری، بادشاہ، ملکہ یا جانوروں کی کہانیاں سنانے کی بجائے قصص الانبیاء اور دیگر اہم شخصیات کے واقعات سے متعارف کروایا گیا اور سبق آموز کہانیاں سنائی گئیں۔ انھوں نے مجھے اس وقت ناظرہ قرآن پاک پڑھا دیا تھا جب میں ابھی سکول داخل بھی نہیں ہوئی یعنی چار سال کی عمر میں۔ مجھے بچپن کی ایک نظم آج بھی یاد ہے کہ

سات پتے توڑیں گے ایک پتہ کچا، ہرن کا بچہ
ہرن گئی جیل میں جیل میں کھائے بسکٹ
بسکٹ بہت خراب ہم نے پی شراب
شراب بہت اچھی ہم نے کھائی مچھی

مچھی سے نکلا کانٹا　　کانٹا میں سے خون
کردو ٹیلی فون　　ٹیلی فون گھنٹی نہیں

یہاں تحریف کا سہارا لیتے ہوئے ابو جی نے شراب کی جگہ کتاب کروایا اور یہ نظم یوں ہوگئی:

سات پتے توڑیں گے　　ایک پتہ کچا، ہرن کا بچہ
ہرن گئی جیل میں　　جیل میں کھائے بسکٹ
بسکٹ بہت خراب　　ہم نے پڑھی کتاب
کتاب بہت اچھی　　ہم نے کھائی مچھی
مچھی سے نکلا کانٹا　　کانٹا میں سے خون
کردو ٹیلی فون　　ٹیلی فون گھنٹی نہیں

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں شراب کے مفہوم سے بھی ناآشنا تھی۔ لیکن انھوں نے ہمیں ایسے الفاظ سے بھی دور رکھا۔ جھوٹ کی جگہ غلط بیانی کا لفظ ڈکشنری میں شامل کیا۔ اٹھنے، بیٹھنے، کھانے، پینے اور بات کرنے کے آداب سکھائے انھوں نے ہمارے ہر فعل پر نظر رکھی اور ہمیں فیل ہونے سے بچایا، اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ سب پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اچھے کام کرنے والوں سے خوش ہوتا ہے اور برے کام کرنے والوں کو سزا دیتا ہے۔ ہم نے اس ماحول میں تربیت پائی اور آج میں جو بھی ہوں جہاں بھی ہوں اس میں بڑا دخل گھر کے ماحول کا ہے۔ اور گھر وہ جہاں ابو جی ہوں جب ہم پرچہ دینے آنے کے بعد گھر آتے تو پورا paper سنتے۔ اور بعض اوقات ایسا ہوتا کہ paper دینے کے بعد ابو جی کو سنانے کے لیے سکول میں بیٹھ کر تیاری کرتے۔

دراز قامت، گھنگریالے بال، خندہ پیشانی، سفید ریش سے سجا نورانی چہرہ، ذہانت اور حاضر جوابی سے چمکتی آنکھیں، ہونٹوں پہ مسکراہٹ، بلند حوصلہ، پرامید اور کبھی مایوس نہ ہونے والی ایک بھرپور علمی شخصیت جو اپنی ذات میں ایک انجمن، شخصیات پر کام کرنے والا ایک ادارہ، اپنے منفرد انداز کی وجہ سے نئے سبک کی بنیاد رکھنے والے میرے ابو جی۔

''کتب بنی ہے سیر اپنی کتابیں ہیں چمن اپنا'' کے مصداق بیٹھک میں یا اپنے کمرے میں سامنے میز پر رکھے کاغذوں اور کتابوں کے ایک چھوٹے سے انبار پر جھکے کچھ نہ کچھ لکھنے یا پڑھنے میں ہمہ وقت اور ہمہ تن مصروف ۔۔۔۔۔اور اتنے مصروف کہ گھر اور مافیہا سے بے نیاز ۔۔۔نزدیک ہی رکھے ٹیلی فون کی گھنٹی سے غافل ۔۔۔۔آپ پاس کھڑے خاموشی سے دیکھتے رہیے آپ کے وجود سے بے خبر۔۔۔۔جب تک آپ انھیں اپنی آمد سے باخبر نہیں کریں گے اپنے کام میں منہمک۔

خدا کی قدرت دیکھیے پیرانہ سالی کے باعث اکثر اوقات کھانا کھاتے، پانی یا چائے پیتے ہاتھوں میں رعشہ محسوس ہوتا ہے، لیکن جب وہ خط وکتابت میں اپنے خیالات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر رہے ہیں یا کسی کو خط لکھ رہے ہیں اس وقت وہی ہاتھ قوی ہاتھوں کی مانند مستقل مزاجی سے چلتے جا رہے ہیں۔

اردو، پنجابی، عربی اور فارسی کے متعدد اشعار ضرب الامثال اور محاورے ان کے حافظے کا حصہ تھے۔ اس کے علاوہ دوہے، ٹپے اور بولیاں ازبر تھیں جن کا وہ برمحل استعمال بھی کرتے البتہ حساب کتاب خود نہ کرتے اور انگلش کا خواہ کوئی ایک لفظ ہوتا ہمیں آواز دے دیتے۔

نصف شب کو اٹھ بیٹھنا، نوافل کی ادائیگی کرنا، قرآن پاک کی تلاوت کرنا اور پھر پورے خشوع وخضوع سے رو رو کر عزیز واقارب کے لیے دعا کرنا، نماز فجر کی ادائیگی کے لیے مسجد جانا ان کی طبیعت کا ایسا رچا بسا معمول رہا، جس نے آخری دنوں تک ان کا ساتھ دیا۔

خاندان اور محلے کے بھی لوگ ان کا احترام کرتے اور وہ بھی سب کا خیال رکھتے۔ خوشی اور غم میں برابر شریک ہوتے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتے۔ میری دانست میں انھوں نے کبھی کسی سے قرض نہیں لیا۔ چند احباب نے انھیں حج کروانے کی پیش کش کی تو انھوں نے کہا کہ میں حج بھی اپنے ہی پیسوں سے کرنا چاہتا ہوں اور الحمد للہ ایسا ہی ہوا اور وہ فروری ۲۰۰۰ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ گئے۔

[illegible] ادیب کا مشغلہ اور پیشہ لکھنا، لکھنا اور لکھنا ٹھہرتا ہے، کچھ ایسا ہی حال ابو جی کا

بھی رہا۔ گھر میں کتابوں کا ایک بڑا ذخیرہ، ذاتی لائبریری کی حیثیت رکھتا ہے، جس میں تقریباً ہر زبان میں قرآن مجید کے متعدد نسخے موجود ہیں۔ ان کے علاوہ اہم لغات، انسائیکلو پیڈیاز، اخبارات و رسائل کی سالانہ جلدیں بڑی تعداد میں شامل ہیں۔

کبھی کبھار ہماری امی جی اور ابو جی کی بیوی جو ایک ان پڑھ اور سادہ مزاج خاتون تھیں، ان کے ہمہ وقت اس لکھنے پڑھنے کے عمل کو اپنی سوتن کا درجہ بھی قرار دے دیتیں، اور کہتیں کہ لوگ ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے گھر کو وقت دیتے ہیں اور آپ نے اپنے آپ کو پہلے سے بھی زیادہ مصروف کر لیا ہے۔ امی جی کی یہ بات بالکل بجا ہے کہ ابو جی نے ریٹائرمنٹ لینے کے بعد زیادہ کام کیا اور ادبی، علمی اور مذہبی دنیا میں شہرت دوام حاصل کی۔

گھر میں جب بھی ابو جی کتابیں لاتے تو امی جی کہتیں ''جیہڑیاں پہلے ایہناں کتاباں چوں اے اوہ کتاباں پڑھ لئیاں سی کہ ہور لے آئے او؟ (جو کتابیں گھر میں موجود ہیں کیا انھیں پڑھ دیا ہے کہ اور خرید لائے ہیں۔)

ایک اور دل چسپ واقعہ ملاحظہ کیجیے ہمارے ہاں گاؤں سے مہمان آئے ان دونوں میاں بیوی کے ساتھ ان کے بچے بھی تھے۔ ابو جی نے انھیں اپنے مخصوص انداز میں بہت اچھے طریقے سے خوش آمدید کہا کچھ دیر ان کے پاس بیٹھے رہے، ادھر ادھر کی باتیں چلیں اور پھر کھانا کھانے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئے اور کام، کام اور بس کام۔ اب وہ بچے انھیں کام کرتے دیکھتے رہے۔ وہ ان کے کمرے میں آتے اور میز پر پڑے قلم، کاغذات، عینک اور رسائل کو پکڑتے اور ان کی والدہ انھیں اپنے پاس دوسرے کمرے میں لے جاتیں۔ غالباً بچوں نے ایسا ماحول پہلے نہ دیکھا ہو گا۔ دو ایک مرتبہ ایسا ہی ہوا بڑا بچہ کہنے لگا بڑے ابو کیا کام کر رہے ہیں تو اس کی والدہ نے بچے کی ذہنی سطح کے مطابق اسے کہہ دیا کہ وہ اپنے سکول کا کام کر رہے ہیں۔ انھیں اپنا کام ختم کرنے دو تنگ نہ کرنا۔ بچے مطمئن ہو کر چلے گئے، کافی دیر بعد بچے پھر آئے اور ابو جی اپنے کام میں مصروف ۔۔۔ اب بچے نے کہا ابھی بڑے ابو کا سکول کا کام ختم نہیں ہوا کیا انھیں ان کے ٹیچر نے سزا دی ہوئی ہے؟! سب نے یہ بات ابو جی کو بتائی تو وہ کھلکھلا کے ہنس دیے اور پھر بچوں سے بھی باتیں کیں۔

خبروں سے آگہی ان کا ایک بہت اہم مشغلہ رہا، جس میں اخبار پڑھنا اور خبریں سننا دونوں شامل ہیں۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ ۲۱ دسمبر کو بھی ہسپتال میں اخبار منگوایا اور پڑھا۔

اگر ان کے لباس کا ذکر کیا جائے تو شاید آپ کو حیرت ہو کہ نو جوانی اور جوانی میں جو تاحد ۹۰ سال کی عمر میں بھی قائم رہی، صاف ستھرا لباس زیب تن فرماتے۔ ریٹائرمنٹ لینے کے بعد چوں کہ زیادہ وقت گھر میں گزارتے اس لیے دھوبی سے دھلوانے اور استری کروانے کا کام چھوڑ دیا امی جی بتاتی تھیں کہ تمہارے ابو جی کے دفتر کے لیے تیار ہونے کے بعد کپڑے پر کوئی نشان پڑ جاتا یا کوئی بچہ گندے ہاتھ لگا دیتا تو فوراً کپڑے تبدیل کرتے اور کوئی اور سوٹ پہن کر دفتر جاتے۔ ابو جی لڑکیوں سے اپنے بوٹ پالش نہ کرواتے البتہ اگر ان کا مطلوبہ استری شدہ نہ ملتا تو ڈانٹ پلاتے۔ انھیں منافقت نہیں آتی تھی جس کی جو بات بری لگتی وہ اس کے سامنے بیان کر دیتے اور بعض اوقات تو سب کے سامنے برس پڑتے۔ خوراک بالکل سادہ خاص طور پر مرغن کھانوں سے پرہیز کرتے۔ ان کی مرغوب غذا مچھلی، شہد، دودھ اور گڑ رہا۔ گڑ والے چاول، گڑ والی سویاں، گڑ والا حلوہ جسے کبھی کبھی ازراہ مذاق ''گڑاہ'' بھی کہتے، بہت شوق سے بنواتے۔ جب پوچھا جاتا کہ آج کیا پکائیں تو ہنستے اور کہتے مجھے شہد یا دودھ کے ساتھ روٹی دے دینا۔ اس کے علاوہ ساگ اور مکئی کی روٹی خود بھی کھاتے اور اپنے دوستوں کو بھی بہت شوق سے دعوت دیتے اور وہ بھی خوش دلی سے اس دعوت کو قبول فرماتے۔

ابو جی ایک وسیع المطالعہ، وسیع القلب اور وسیع المشرب شخصیت کے مالک رہے۔ ان کے حلقہ احباب میں ہر مذہب، ہر مسلک، ہر عہدے اور ہر عمر کے لوگ شامل رہے۔ وہ ہر ملنے والے سے اس کی ذہنی سطح کے مطابق گفتگو فرماتے۔

ابو جی میری ذات کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ جب میں جی سی یونیورسٹی لاہور میں ایم اے اردو میں داخلے کے لیے انٹرویو دینے گئی تو وہاں پہلا سوال میرے نام ہی سے متعلق تھا جسے میں نے بتایا کہ یہ قرشت والے ق سے ہے اور قدس سے فعیل کے وزن پر قدیس اور مونث بنانے سے ...... قدیسہ۔ ابو جی نے مزید یہ بھی بتایا کہ قدیس ایک قیمتی ہیرے کو بھی کہتے ہیں۔ وہ پیپل خوش

ہوا۔ پھر گھر کے پتے کو دیکھتے ہوئے سوال اٹھایا کہ آپ کے علاقے میں کوئی ادیب بھی ہے؟ تو میں نے ابو جی کا نام لیا وہاں موجود ایک استاد محترم نے کہا کہ اب آپ نے ایک بھاری بھرکم شخصیت کا نام لے لیا ہے، آپ اپنا داخلہ یقینی سمجھیں اور فیس جمع کروائیں۔

لیکن میں نے پنجاب یونیورسٹی اوری اینٹل کالج میں داخلہ لیا وہاں ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر اورنگ زیب عالمگیر، اور ڈاکٹر زاہد منیر عامر سے ابو جی کے مراسم تھے۔ انھوں نے مجھے اپنا تعارف کروانے کا بھی کہا۔ لیکن میں اپنی نالائقی کی وجہ سے ذکر نہ کرتی۔ خیر آہستہ آہستہ میں نے اپنا تعارف کروا دیا۔ ایک مرتبہ سر زاہد کے پاس ایک اسائنمنٹ جمع کروانے گئی تو وہاں ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب تشریف فرما تھے۔ سر زاہد نے انھیں بتایا کہ یہ محمد اسحاق بھٹی صاحب کی بھتیجی ہے۔ ڈاکٹر خورشید رضوی صاحب بہت خوش ہوئے اور انھوں نے ابو جی کی صحت و مصروفیت کا پوچھا۔ مجھے یہ سب بہت اچھا لگا۔ اسی طرح ایم اے کرنے کے بعد ایم فل میں داخلے کی خواہش نے جنم لیا تو ایم فل کے داخلہ فارم میں ایک حصہ ٹیچر کے ریفرنس کا تھا۔ جسے میں نے سر زاہد سے fill کروایا، اس فارم پر درج ایک جملہ "متعلمہ ایک علمی روایت کی امین ہے" میرے پاس محفوظ ہے اور میرے لیے باعث فخر ہے۔ یہ احساس تفاخر ابو جی ہی کی وجہ سے در آیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابو جی کو ماشاء اللہ بہت اچھے حافظے سے نوازا تھا، وہ واقعات کو تمام جزئیات کے ساتھ بیان کرتے۔ جب میں ۱۹۸۸ء میں اسکول میں داخل ہوئی اور ابھی اسکول کا پہلا ہی دن تھا اور خوش تھی۔ جب اسکول سے واپس آئی تو سب گھر والے بھی خوش تھے اور اسکول سے متعلق مختلف قسم کے سوالات کر رہے تھے۔ تمہارا اسکول کیسا ہے؟ وہاں کیا کیا ہے؟ بچے کیسے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ وہاں میں نے اپنی کلاس کے تعارف میں ایک بات یہ بھی بتائی کہ ہماری کلاس میں ایک بہت بڑا اسلیبیا (اپنی دانست میں سلیٹ کا اسم مکبر) بھی ہے۔ سب محظوظ ہوئے اور بات ختم ہوئی۔ پھر جب ۲۰۰۴ء میں میری سکول میں بطور معلم تقرری ہوئی تو ابو جی نے پوچھا بتاؤ اب تمھارے سکول میں سلیبیا ہے یا نہیں؟

ان کی یادداشت کا ایک اور واقعہ سنیے۔ ۲۰۱۱ء میں ابو جی کا موٹر سائیکل ...

ہوا جس میں بازو پر ضرب لگی، میں بھی لاہور انھیں ملنے آئی، جب ہسپتال سے ڈسچارج ہوئے تو ڈاکٹر نے بازو کی ورزش (exercise) کا بھی کہا، گھر آئے تو مجھے کہنے لگے کہ ڈاکٹر نے ورزش کا کہا ہے، ورزش کا کوئی نقصان نہیں ہے اس میں ہینگ لگتی ہے نہ پھٹکری۔ یہ وہ جملہ ہے جو میں نے اپنی تیسری یا چوتھی جماعت کے پرچے میں لکھا تھا آج انھوں نے وہ دہرا دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے کہ تمھیں کچھ یاد آیا؟

میں نے ابو جی کو کبھی مایوس نہیں دیکھا، اللہ سے شکوہ کناں ہوتے نہیں پایا میں نے اپنی فیملی میں کسی ایسے بوڑھے جوان کو نہیں دیکھا جو خود بھی کام میں جتا رہے اور دوسروں کو بھی تلقین کرے یہ ہی وجہ ہے کہ انھیں دیکھ ہمیشہ یہی گمان ہوا کہ

بلند تر ہیں حوصلے شباب پر ہیں ولولے
گرفت میں ہیں آسمان کی جہت کئی صبح جہاں

ستمبر ۲۰۱۵ء میں ابو جی گاؤں آئے تو اتفاقاً میرے بیڈ روم میں قیام کیا۔ کوئی ایک ہفتہ یہاں رہے۔ ہم ان کے وضو کے لیے گرم پانی کا اہتمام کرتے اور انھیں ان کی ضرورت کی ہر چیز فراہم کرنے کی کوشش کرتے وہ خوش ہوتے اور دعا دیتے۔ وہ اس بات پر خوش تھے کہ کہ میں نے اپنے کمرے کی دیوار ہی میں کچھ کتابیں سجا رکھی ہیں۔ انھوں نے مجھے کئی بار پی ایچ ڈی کرنے کا حکم صادر فرمایا لیکن اپنی نجی مصروفیات کے باعث جی اچھا ابو جی۔ جی اچھا ابو جی کہتی رہی۔ خدا کرے میں ان کی یہ خواہش بھی پوری کر سکوں۔

میری ابو جی سے جب بھی فون پر بات ہوتی تو سب سے پہلے ثوبان کا پوچھتے اور پھر باقی سب کا، اور پھر دوسری بات آپ نے لاہور کب آنا ہے؟! جی ابو جی آؤں گی، آنا ہے۔ یہی کہتی لیکن نہ گئی، دراصل ۲۰ دسمبر کو محمد ریان سوا ماہ کو ہوا اور ابو جی اسی روز کمر درد کے باعث میو ہسپتال میں داخل ہوئے اور پھر ۲۲ دسمبر کی صبح تقریباً پونے چھے بجے مجھے اطلاع ملی تو تو میری زبان سے انا للہ وانا الیہ راجعون کے بعد بے ساختہ یہی الفاظ نکلے۔ ابو جی!۔۔۔ گزر گئی گزران۔ ... تمام مصروفیات ختم ہو گئیں اور میں لاہور پہنچ گئی۔ انھیں ریان کو دیکھنے کا

بہت شوق تھا ان کے جانے کے بعد ۲۱ دن بعد ۱۳ جنوری کو ریان بھی ان کے پاس چلا گیا۔ مجھے ۲۴ ستمبر ۲۰۱۴ء کو بھی ایک بچے کی وفات کا سامنا کرنا پڑا تھا جب میں کوئی دو ہفتے بعد گھر آئی تو مجھے گلے لگا کر رونے لگے اور پھر کہا کہ یہ بچہ ماں باپ کے لیے جنت میں داخلے کا باعث بنے گا۔

پچھلے سال ابو جی نے ایک خواب دیکھا تھا کہ ایک کنواں ہے اور اس کنویں کا پانی اب کم رہ گیا ہے جس کی وجہ سے اس کی پتھریاں نظر آنے لگیں ہیں۔ ابو جی نے اس خواب کی تعبیر بھی بتا دی تھی لیکن میں نے انھیں کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں اللہ آپ کی عمر میں برکت کرے۔۔۔۔ اب واقعی کنویں کا پانی ختم ہو گیا ہے۔ ابو جی ایک ایسا کنواں تھے جس سے اہل خانہ، رشتہ دار، دوست احباب، طلبا اور علما اپنی اپنی استطاعت کے مطابق سیراب ہوئے اور سب نے اپنے اپنے طور پر پیاس بجھائی۔

اگر کہا جائے کہ ابو جی ہمارے ہر مسئلے کا حل تھے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ نہ صرف میری بلکہ ہم سب کی قدمے، درمے، سخنے مدد فرماتے۔ اس کے علاوہ ہم اپنے نفسیاتی و دینی مسائل کا حل بھی ان سے دریافت کرتے لیکن اب

کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں کہاں تلاش کریں
جس آدمی کے دل میں ہو ایثار آدمی کے لیے
یہاں تو پہلے ہی قحط الرجال تھا یارو
اصول پوچھیے اب کس سے زندگی کے لیے

ابو جی سیلف میڈ شخصیت۔ خاندان میں نہ تو کوئی علمی و ادبی گھرانہ نظر آتا ہے اور نہ معاشی طور پر مضبوط۔ پھر بھی ایک ایسا شخص جو اپنی مدد آپ کے تحت آج ایک ادارے، ایک تنظیم، ایک انجمن کی حیثیت اختیار کر گیا ہو کسی اعجاز سے کم نہیں۔ بلاشبہ ان کے انتقال سے تاریخ کا ایک باب بند ہو گیا ہے۔ اب خدائے بزرگ و برتر سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان کے لیے صدقہ جاریہ بنانے، ان کی قبر پرنور بنائے اور انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم آمین

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

(مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ)

کچھ یادیں، کچھ تاثرات

میاں مظفر احمد خانیوال

یہ 1979ء کا آخر تھا۔ راقم الحروف ملتان سے ملازمت کی ڈیوٹی پوری کر کے میاں چنوں پہنچا۔ خاندانی رشتہ داروں میں سے ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ جنھوں نے فرمایا کہ تم یہاں والد محترم کے نافرمان بن رہے ہو۔ میں نے دریافت کیا کہ میں کیا گناہ کر بیٹھا ہوں۔ تم والد محترم کے کہنے پر اپنا گھر کیوں نہیں اجاڑ رہے۔ یہ شرعی حکم بھی ہے والد محترم جو حکم دیں اس کی تعمیل آپ پر لازم ہے۔ ذہن پر بہت برا اثر پڑا۔

ابتداً دسمبر 1975ء میں، میں نے ادارہ ثقافت اسلامیہ کا رسالہ المعارف قلعہ کہنہ پر واقع لائبریری میں دیکھا تو مضامین کے اعتبار سے رسالہ مجھے پسند آیا۔ کیوں کہ اس رسالے میں جتنے مضامین شائع ہوتے تھے۔ کسی میں کوئی نزاعی بات شامل نہ تھی۔ بلکہ اگر کسی بات سے اختلاف کیا گیا تھا۔ تو وہ بڑے ہی مہذب طریقہ سے اختلافی مسئلہ کو اجاگر کر کے بڑے خوبصورت انداز میں اس بحث کو سمیٹا گیا تھا۔ 1976ء سے میں سالانہ ادائیگی کر کے رسالے کا باقاعدہ قاری بن گیا۔

میں دوسرے لوگوں کے علاوہ مولانا محمد اسحٰق بھٹی اور مولانا محمد حنیف ندوی کی تحریریں بڑے شوق و ذوق سے پڑھتا تھا۔

چنانچہ 1979ء میں ایک تفصیلی خط مولانا حنیف ندوی کی خدمت میں تحریر کیا۔ جس کا جواب مجھے مولانا محمد اسحٰق بھٹی کی جانب سے تفصیلی حوالوں کے ساتھ ملا۔ خط پڑھ کر میرا ذہن مطمئن ہو گیا۔ میں نے محترم والد صاحب (مرحوم) کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا۔ جس کی سزا

محترم والد صاحب نے دیگر باتوں کے ساتھ وراثت کی تقسیم کے موقع پر والد صاحب (مرحوم) نے ٹھیک ٹھاک کٹوتی فرما کر اپنے دل میں میرے خلاف بڑھکنے والی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ وجہ عناد یہ تھی جہاں والد صاحب میری شادی کرنا چاہتے وٹے سٹے کا معاملہ تھا۔ میں اور والدہ اور تمام بہن بھائی سب مخالف تھے۔ میں نے والدہ کے کہنے پر ماموں کی بیٹی سے شادی کر لی۔ اسی بات پر محترم والد صاحب چاہتے کہ میں اپنی بیوی کو جو کہ بے قصور تھی چھوڑ دوں۔

بہر حال گھر آباد رہا۔ اپنے فوت ہونے سے پہلے اس بات پر معذرت فرماتے رہے، کہ میں غلط تھا۔ آپ سے غلط مطالبے کی ضد کرتا رہا۔ آپ کی بیوی کو بے قصور سزا دینا چاہتا تھا۔

بحر حال یوں یہ تعلق استوار ہوا۔ میں پہلی دفعہ 1979ء میں ادارہ ثقافت اسلامیہ 2 کلب روڈ حاضر ہوا۔ جہاں پر تعارف ہوا۔ اس کے بعد جب بھی لاہور چکر لگا۔ بھٹی صاحب کے پاس حاضری لازمی تھی۔ ادارہ میں آتے جاتے مختلف مشاہیر کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا جو کہ ادارہ میں تشریف لاتے تھے۔ محترم سعید شیخ صاحب سابق صدر شعبہ فلسفہ گورنمنٹ کالج لاہور۔ محترم نبی بخش بلوچ صاحب پہلے وائس چانسلر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔ سندھیالوجی کے عالم جنہوں نے سندھی زبان وادب کی کثیر خدمت کی۔ یہ خدمت سندھ کے لوک ادب کو مرتب کر کے چالیس (40) سے زیادہ جلدوں میں شائع ہوئی۔ اس کے علاوہ مشہور مصنف پروفیسر محمد ایوب قادری (مرحوم) جو کراچی میں قیام پذیر تھے، سے ملوایا۔

یوں 1983ء یا 1984ء کا ذکر ہے۔ پتا چلا کہ گیانی ذیل سنگھ ہندوستان کے صدر بن گئے۔ محترم بھٹی صاحب نے بتایا کہ ہمارا یار صدر جمہوریہ ہندوستان بن گیا۔ دوسری دفعہ ملاقات ہوئی تو ارادہ بنا کہ گیانی جی کو خط لکھا جائے۔ یوں خط تحریر کیا گیا۔ اس پہلے خط کو بذریعہ رجسٹری بھجوانے کی خدمت کا موقع مجھے ملا۔

30 جولائی 1984ء کو مولانا محمد حنیف ندوی صاحب کے ادارہ ثقافت اسلامیہ سے ... وقت کے ڈائریکٹر سراج منیر صاحب نے ایک خوبصورت شام کا اہتمام کیا۔ تقریب ...

کے مختلف اہل قلم نے مولانا ندوی کی علمی تگ وتاز کا خوبصورت انداز میں جائزہ لیا۔ اس تقریب میں بھی محترم بھٹی صاحب کے ساتھ شمولیت کا اعزاز ملا۔ بعدازاں وقتاً فوقتاً لاہور آمد کے موقع پر مولانا کے اعزاز میں چھپنے والی کتاب ''ارمغان حنیف'' کے مقالات پڑھنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس تقریب کے مہمان خصوصی ڈاکٹر محمد افضل صاحب تھے۔ جو اس وقت کے مرکزی وزیر تعلیم تھے۔

اس کے بعد مولانا کی تحریریں جہاں بھی جس شمارے میں شائع ہوئیں باقاعدگی کے ساتھ پڑھیں۔ کافی میرے ذاتی ذخیرہ کتب میں محفوظ ہیں۔ وقت گزرتا رہا۔ تاآنکہ 1996ء میں آپ نے اس وقت کے ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ ڈاکٹر رشید احمد جالندھری سے اختلافات کے باعث 14 مارچ 1996ء کو ادارہ ثقافت اسلامیہ کو خیرباد کہہ دیا۔ میرے دریافت کرنے پر اپنے ایک خط میں بتایا کہ انھوں نے ادارہ کو خیرباد کہہ دیا۔ یہ خط 14 مئی کو میرے نام لکھا گیا تھا۔

چنانچہ ادارہ ثقافت اسلامیہ سے علیحدگی کے بعد بھٹی صاحب کو بے شمار خطوط وصول ہوئے۔ لوگوں نے ڈاکٹر رشید احمد جالندھری صاحب کی اس حرکت احتجاج کیا۔ اور افسوس بھی کیا۔

ان خطوط میں سے مجھے مرحوم مشفق خواجہ کے الفاظ آج بھی کچھ اس طرح ذہن میں آتے ہیں کہ ادارہ ثقافت اسلامیہ کی قدر آپ جیسے نابغہ روزگار شخصیت اور وابستہ رہنے والی شخصیتوں کی وجہ سے تھی۔ اس وجہ سے آپ کی وقعت میں کوئی کمی نہیں آئی اور نہ آئے گی۔ یہ بات الہامی نکلی۔

اس کے بعد محترم بھٹی صاحب نے قلم پکڑا بے شمار کتابوں کے انبار لگا دیے۔ برصغیر پاک و ہند کی تاریخ کے رجال سے متعلق ایک خوبصورت اضافہ ہے۔ اب کچھ ملاقاتوں کا تذکرہ کروں۔ جب بھی ملاقات ہوئی تو میں پوچھتا جناب اب کون سی تصنیف لطیف زیر تصنیف [illegible] سلیمان منصور پوری سے متعلق تحریر [illegible] رہا ہے۔ بعدازاں

مختلف کتابوں کی تحریر کے موقع پر ان کی شفقت سے بزم ارجمنداں وکاروان سلف، قافلۂ حدیث، قصوری خاندان، میاں فضل حق، صوفی عبداللہ، میاں عبدالعزیز مالواڈہ کے حالات زندگی والی کتب شائع ہونے سے پہلے جستہ جستہ مطالعہ کی اجازت ملتی رہی۔ بعدازاں ان میں سے کچھ کتابیں اپنے خوبصورت الفاظ کے اپنے دستخطوں کے ساتھ مجھے عنایت فرمائیں۔ جو کہ میرے ذاتی ذخیرہ کتب کا خوبصورت سرمایا ہیں۔

ذاتی معاملات پر بھی مہربانی فرما کر بہتر مشورے عنایت فرماتے رہے۔ آخری ملاقات 8 محرم 1437 ہجری کو گھر پر ہوئی۔ اس وقت آپ گاؤں جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ یہ علم تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ زیر ترتیب کتاب علماء کا تحریک آزادی میں حصہ کے متعلق بتایا کہ کتاب شروع ہے، واپس آکر مزید کام کروں گا۔ میں بھی اس ملاقات کے دوسرے دن واپس خانیوال آ گیا۔

22 دسمبر 2015ء کو بھتیجے نے بعداز دوپہر بتایا کہ تایاجی فوت ہو گئے ہیں۔ جنازہ پر تو نہ پہنچ سکا۔ مگر 23 دسمبر 2015ء کو گاؤں پہنچا شام ہو گئی تھی۔ دوسرے دن فجر کی نماز گاؤں کی اس مسجد میں ادا کی جس میں پاکستان آنے کے بعد سب سے پہلے آپ نے جمعہ نماز اور خطبہ جمعۃ المبارک کی ادائیگی کروانی شروع کی تھی۔

یوں اپنے اس مہربان بڑے بھائی کی طرح محترم مولانا اسحٰق بھٹی کے مرقد پر فاتحہ خوانی کی اور خانیوال واپس ہوا۔

اب دیگر پسماندگان اور خصوصاً بھائی سعید احمد بھٹی سے التماس ہے کہ ان کی زندگی میں قائم ہونے والے مولانا محمد اسحٰق بھٹی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کو پوری طرح فعال کریں اور کتابیں اور باقی رہ جانے والی تحریریں، ان کے نام آئے ہوئے خطوط اور دیگر کام کو اب ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع کریں۔

میرے پیارے ابو جی

(مولانا محمد اسحاق بھٹی)

سمیہ زیرک (بیٹی مولانا محمد اسحاق بھٹی)

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب جن کو دنیا مؤرخ اسلام، مذہبی اسکالر، ذہبی دوراں، تحریک آزادی کے عظیم سپاہی، محسن اہل حدیث، یادگار اسلاف، نامور ادیب، شہسوار قلم جیسے ناموں سے جانتی ہے، لیکن میں یہاں صرف ان کا تعارف ایک والد کی حیثیت سے کرانا چاہتی ہوں، وہ ایک عظیم والد ہونے کے ساتھ ایک شفیق، خوش گفتار، ملن سار انسان بھی ہیں۔ ان سے جو بھی کوئی ایک بار مل لے تو وہ ان سے بار بار ملنے کی خواہش رکھتا ہے اور ہر انسان ان سے ملنے کے بعد یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ بھٹی صاحب صرف ان سے ہی اتنی محبت کرتے ہیں۔ کوئی امیر ہو یا غریب ان کا ہر ایک سے ملنے کا انداز ایک ہی ہے۔ ان کے بڑے بڑے سیاست دانوں سے بہت اچھے تعلقات رہے، لیکن انھوں نے ان تعلقات کو کبھی کیش نہیں کرایا۔ جو کوئی بھی ان سے ملنے آتا وہ گھر ہوں، دفتر یا باہر کسی جگہ پر، نہایت گرم جوشی سے ملتے اور ان کی ہر ممکن کوشش ہوتی کہ وہ کھانا کھائے بغیر نہ جائے، اور وہ اس کوشش میں سو فیصد کامیاب بھی رہے۔

میرے ابو جی مجھے بچپن سے انبیائے کرام اور صحابہ کرام کے قصے، کہانیاں اور واقعات سنایا کرتے۔ ان واقعات سے ہی مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ یعنی اگر میں کوئی غلط کام یا بات کرتی تو ڈانٹتے نہیں تھے، بلکہ یہ ان کے سمجھانے کا طریقہ تھا تاکہ اب میں یہ غلط کام نہ کروں۔

سکول کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد میری شادی بہاول نگر ہوئی۔ میرے شوہر کا نام بھی محمد اسحاق بھٹی ہے، اور وہ میرے ساتھ میرے والدین کی محبت کو بہت ہی اچھی طرح جانتے تھے۔

میرے بچوں کے نام بھی میرے ابو جی نے رکھے، بیٹوں کے نام محمد نعمان اسحاق، محمد عویمر اسحاق، محمد ذکوان اسحاق اور محمد نوفل اسحاق اور بیٹیوں کا نام بریرہ اسحاق، قانتہ اسحاق رکھا۔

میرے میاں ابو جی کو والد کا درجہ دیتے ہیں اور یہ بات برملا کہتے اور بار بار کہتے ہیں، جو پیار مجھے چاچا جی (ابو جی) اور پھوپھو جی (امی جی) نے دیا ہے۔ وہ پیار مجھے میرے والدین نے بھی نہیں دیا۔ میں جب یہ بات اسحاق صاحب کے منہ سے بار بار سنتی ہوں تو میری خوشی کی انتہا نہیں رہتی اور میرے دل میں بھی میرے شوہر کا احترام بڑھ جاتا ہے۔ شاید میں یہ بات کسی دوسرے کے والدین کے بارے میں کبھی نہیں کہہ سکتی۔

ہم جب بھی لاہور آتے خواہ چند دن کے بعد یا کچھ عرصے کے بعد، ابو جی ہمیشہ کھڑے ہو کر بہت پرتپاک طریقے سے ملتے۔ وہ ہمیشہ اپنے دینی اور علمی کاموں میں رہتے۔ لیکن ہمارے آنے پر اپنا کام چھوڑ کر ہمارے پاس بیٹھتے، پھر دن بھی گزر جاتا اور رات بھی، مگر وقت کا اندازہ ہی نہ ہوتا۔ ان کا انداز گفتگو ہی ایسا ہے کہ ابو جی بولتے ہیں تو جی چاہتا ہے وہ بولتے جائیں اور ہم سنتے جائیں۔

افسوس تو یہ ہے کہ اب نہ مجھے کوئی فون کرے گا اور نہ ہی میں انتظار، اب میرے لیے، میرے بچوں کے لیے کون دعا کرے گا؟ ابو جی کے ہر سانس سے میرے لیے دعائیں نکلتی تھیں۔ میں ان سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئی ہوں۔ میں شاید اپنے الفاظ میں ان کے لیے "تھے" کا لفظ استعمال نہیں کر سکتی اس لیے میں ہر جگہ پر ان کے لیے "ہے" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

کچھ حقیقتیں ایسی ہوتی ہیں جو دماغ تو تسلیم کرتا ہے لیکن دل نہیں۔ شاید یہ بھی ایک ایسی ہی حقیقت ہے، جس سے انکار نہیں۔

آپ سے گزارش ہے کہ میرے ماں باپ کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے اور ان کی آخری آرام گاہ کو جنت کا باغ بنا دے اور مجھے جنت میں اپنے پیارے ماں باپ کا ساتھ نصیب ہو۔ آمین ثم آمین

مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے حالات زندگی

حماد عظمت سلفی

نام و نسب اور ولادت

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ 15 مارچ 1925ء کو کوٹ کپورہ مشرقی پنجاب ریاست فرید کوٹ (انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد گرامی کا نام میاں عبدالمجید اور دادا جی کا نام میاں محمد تھا۔ میاں محمد نہایت نیک اور متورع انسان تھے۔ دین داری، تقویٰ وصالحیت اور ورع و عفاف کے زیور سے آراستہ تھے۔ وہ اپنے دل میں اسلام کی سچی محبت اور جذبہ رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس پوتے (مولانا اسحاق بھٹیؒ) کو شروع دن سے ہی علم وعمل کی راہ پر ڈال دیا تھا اور اسلامی تقاضوں کے عین مطابق اس کی تربیت کی نماز کے لیے وہ انہیں بھی اپنے ساتھ مسجد میں لے کر جاتے تھے۔ 8 سال کے تھے کہ دادا جی نے گھر پر ہی ان کو قرآن مجید پڑھانا شروع کر دیا۔

تعلیم و تربیت و ابتدائی حالات

1933ء میں جب مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ ابھی چوتھی جماعت کے طالب علم تھے کہ ایک دن دادا جی انہیں لے کر جید عالم دین شارح سنن نسائی "مولانا عطاء اللہ حنیفؒ" کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ازراہ کرم اسے قرآن کا ترجمہ اور تاریخ اسلام کے علاوہ اس کے فہم کے مطابق دینی مسائل کی کتب پڑھا دیا کریں۔

مولانا عطاء اللہ حنیفؒ اس وقت کوٹ کپورہ کی جامع مسجد میں خطیب تھے انہوں نے یہاں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ مولانا عطاء اللہ حنیفؒ سے ترجمۃ القرآن اور قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی شہرہ آفاق کتاب رحمۃ للعالمین پڑھنے لگے۔ انہوں نے تقریباً تین ماہ میں کتاب رحمۃ للعالمین کو پڑھ لیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے دینیات کی

بعض دوسری کتب بھی پڑھنا شروع کر دی تھیں۔

آپؒ ذہین طبع طالب علم تھے۔ حافظہ قوی تھا جو سبق پڑھتے مستحضر ہو جاتا۔ ان کے استاد گرامی مولانا عطاء اللہؒ کی خدمت میں رہ کر بھٹی صاحبؒ نے مروجہ علم وفن اور تفاسیر واحادیث کی کتب پڑھیں تحصیل علم کے لیے وہ مرکز الاسلام ''لکھوکے'' میں مولانا عطاء اللہ کی خدمت میں رہے۔ اور دو سال جامع مسجد گنبداں والی فیروز پور میں زیر تعلیم رہے 1940ء میں مولانا عطاء اللہؒ کے حکم پر گوجرانوالہ کا رخ کیا اور دو سال امام المحدثین مولانا حافظ محمد گوندلویؒ اور مولانا محمد اسماعیل سلفی کی خدمت میں رہ کر بخاری ومسلم شریف اور بعض دوسری کتب پڑھ کر سند فراغت حاصل کی۔

دین کی خدمات

جولائی 1948ء میں بھٹی صاحبؒ کی زندگی کا نیا دور شروع ہوا اور وہ 24 جولائی 1948ء کو دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور میں منعقدہ مرکزی جمعیت اہل حدیث کے تاسیسی اجلاس میں شریک ہوئے ہیں 19 اگست 1949ء کو گوجرانوالہ سے ہفت روزہ الاعتصام کا اجرا ہوا۔ مولانا محمد حنیف ندویؒ اس کے مدیر بنائے گئے کچھ عرصے بعد مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کو ان کا معاون مدیر بنا دیا گیا اس دور میں جمعیت کے ناظم دفتر اور الاعتصام کے معاون مدیر کی ذمہ داری بھٹی صاحب پر تھی۔ بھٹی صاحب پہلے الاعتصام کے معاون مدیر پھر مدیر بنائے گئے اور انہوں نے سولہ سال الاعتصام کے ادارتی فرائض انجام دیئے۔

مولانا بھٹی صاحب نے معاون ایڈیٹر کی تشریح اپنے اسلوب خاص میں ایک مضمون میں کچھ اس طرح کی ہے لکھتے ہیں'' معاون' ایڈیٹر کا لفظ تو میں نے لکھ دیا لیکن بات یہ ہے کہ میں اخبار میں خاکروب بھی تھا۔ چپڑاسی بھی تھا' کلرک بھی تھا' منیجر بھی تھا اور اس کے آگے عرض کروں کہ بعض دفعہ اداریے اور شذرات بھی لکھا کرتا تھا۔ کتنے ہی شماروں میں ایسا ہوتا کہ مولانا حنیف ندوی' وزیر محکمہ کی طرح پورے پرچے میں'' مدیر بے تحریر'' ہوتے اور ہر سطر' ہر پیرے اور ہر صفحے پر ہمارا سکہ چلتا تھا''

15 مئی 1951ء کو مولانا حنیف ندوی ادارہ ثقافت اسلامیہ میں چلے گئے تو مرکزی جمعیت اہل حدیث کی طرف سے ''الاعتصام'' کی تمام تر ذمہ داریاں بھٹی صاحب کے سپرد کر دی

گئی۔ آپ 30 مئی 1965ء تک اس سے منسلک رہے اس دوران جنوری 1958ء میں آپ نے سہ روزہ منہاج جاری کیا یہ اخبار چودہ مہینے جاری رہا۔ اس کے مضامین بڑے پیارے، معیاری، علمی اور تحقیقی ہوتے تھے۔ موقع کی مناسبت حالات حاضرہ پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی جاتی تھی اپنے دور کا یہ ایک معیاری اخبار تھا اس اخبار کو جماعت اہلحدیث کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی لیکن بعض ناگزیر حالات اور مالی مشکلات کے باعث کافی خسارہ اٹھانے کے بعد بالآخر اپریل 1959ء میں یہ اخبار بند کر دیا گیا اور بھٹی صاحب نے اخبار نکالنے کے شوق سے ہمیشہ کے لیے رجوع کر لیا۔ الاعتصام کی سولہ سال ادارت سے علیحدگی کے بعد بھٹی صاحب نے پروفیسر سید ابوبکر غزنوی کے اصرار پر ماہنامہ ''توحید'' کی ادارت قبول کی یہ اخبار جولائی 1965ء میں بڑی شان سے چھپا پہلا صفحہ رنگین گیٹ اپ، کاغذ، مضامین، ہر اعتبار سے دیدہ زیب اور دلکش لیکن کچھ عرصہ بعد بھٹی صاحب اخبار توحید سے بھی الگ ہو گئے اور ان کے علیحدہ ہونے کے تھوڑے عرصے بعد ''توحید'' اپنی اشاعت کے چار پانچ ماہ پورے کر کے بند ہو گیا۔

تحصیل علم کے بعد مولانا بھٹی صاحب ایک سال محکمہ انہار ہیڈ سلیمانکی میں کلرک رہے پھر مارچ 1943ء سے 1947ء تک مدرسہ مرکز الاسلام میں فریضہ تدریس انجام دیتے رہے۔ انہوں نے 40 کتب تصنیف کیں۔

وفات

بھٹی صاحب اچانک بیمار ہو گئے تو ان کو میو ہسپتال لاہور داخل کیا گیا پھر آپ وہاں ہی اس دنیا سے رخصت فرما گئے آپ 21 دسمبر 2015ء کو وفات پا گئے۔ یہ منگل کا دن تھا

نماز جنازہ

آپ کی نماز جنازہ بعد از نماز ظہر ناصر باغ لاہور میں ادا کی گئی آپ کی نماز جنازہ مولانا حماد لکھوی صاحب حفظہ اللہ نے پڑھائی اور دوسری نماز جنازہ گاؤں ڈھیسیاں تحصیل جڑانوالہ میں ہوئی۔ نماز جنازہ حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ صاحب نے پڑھائی۔ اور انہیں ڈھیسیاں کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

آہ! ابو جی
ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے

انا للہ وانا الیہ راجعون

حافظ محمد حسان سعید

آہ!... میں آج اس شخصیت کے بارے میں تحریر لکھنا چاہ رہا ہوں، جس کے بارے کبھی گمان بھی نہ گزرا تھا کہ جن کو جماعت اہل حدیث ہی نہیں بلکہ اہل علم کی کثیر تعداد جو چاہے دیوبندی ہوں، بریلوی ہوں، جماعت اسلامی کے افراد ہوں، چاہے اہل تشیع ہوں یا دیگر اہل خرد ہوں، ہمارے محترم بزرگ و عظیم اہل قلم، دانش ور، دنیائے صحافت کے بے تاج بادشاہ جناب مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ، جنھیں ہمارے خاندان کے سب افراد وخواتین ''ابو جی'' کے لقب سے یاد کرتے اور پکارتے تھے، کے آخری دنوں کی روداد لکھنا پڑے گی۔

انھوں نے ہمارے درمیان جس برکت ونور کا ہالہ بنا رکھا تھا اور جن کی برکت اور رحمت سے اکثر اہل علم کی زیارت وملاقات اور پھر ہمارے گھرانے کے افراد ان اہل علم کی خدمت کو سعادت سمجھتے تھے، آج وہ شخصیت یعنی ہمارے ''ابو جی'' مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کے متعلق قلم ساتھ نہیں دے رہا کہ انھیں مرحوم لکھوں۔

میرے والد گرامی جناب سعید احمد بھٹی کے بڑے بھائی جنھیں والد صاحب بھی ''ابو جی'' ہی کہا کرتے تھے۔ جو ہر وقت ''ابو جی'' کی خدمت میں ہی رہتے تھے۔ ''ابو جی'' کی رونق اور ان کی خوشبو بھلائے بھی ہم نہ بھلا سکیں گے۔

آج کچھ سطور لکھنے کی ہمت کر رہا ہوں کہ انھوں نے اپنی زندگی کی اکانوے بہاریں اس دنیائے رنگ وبو میں گزاریں، یوں تو انھوں نے اپنی زندگی کی آپ بیتی " گزر گئی گزران" کے نام سے تحریر فرما دی تھی۔

ان کی زندگی کے آخری چند روز جنھیں میں نے حیطۂ تحریر میں پیش کیا ہے، ملاحظہ فرمائیں۔

اشاعت خاص مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

16 دسمبر 2015ء بروز پیر دوپہر تین بجے جب راقم یونیورسٹی سے گھر پہنچا، تو گھر داخل ہوتے ہی والدہ سے ''ابو جی'' کے بارے میں پوچھا کہ ''ابو جی'' کہاں گئے ہیں؟ والدہ نے کہا کہ آج "الاعتصام" کے دفتر میں میٹنگ تھی۔ بارہ بجے دفتر سے ایک شخص (سجاد صاحب) موٹر سائیکل پر آئے تھے، ابو جی ان کے ساتھ گئے ہیں۔

عصر کی نماز کے بعد ''ابو جی'' نے دفتر سے فون کیا تو راقم نے پوچھا کہ ''ابو جی'' آپ نے گھر کب تک آنا ہے؟ کہنے لگے کہ تھوڑی دیر تک آ رہا ہوں۔

چار بجے کے قریب ''ابو جی'' اکیلے گھر پہنچے، تو میں نے عرض کیا، کیا آپ دفتر سے اکیلے آئے ہیں۔ کہنے لگے نہیں۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد حماد لکھوی صاحب کے ساتھ آیا ہوں، وہ مجھے سڑک تک چھوڑ کر گئے ہیں۔ میں نے کہا ''ابو جی'' آپ ڈاکٹر صاحب کو بھی ساتھ ہی گھر لے آتے۔ کہنے لگے میں نے ان سے کہا تھا، لیکن ڈاکٹر حماد صاحب شدید نزلے زکام میں گھرے ہوئے تھے، اس لیے وہ گھر نہیں آئے۔

تھوڑی دیر بعد جب میری والدہ نے چائے کا پوچھا تو کہنے لگے تھوڑی دیر بعد پیئوں گا، آج میری کمر میں درد ہے۔ والدہ نے کمر دباتے ہوئے کہا کہ ''ابو جی'' جب آپ دوائی کھائیں گے تو ان شاء اللہ درد ٹھیک ہو جائے گا۔ 11 ستمبر 2011ء کو مرکزی جمعیت اہل حدیث کے دفتر 106۔راوی روڈ پر ''ابو جی'' اور راقم ایک میٹنگ کے سلسلے میں رکشے پر جا رہے تھے، ہم دفتر کے قریب ہی تھے کہ رکشہ الٹ گیا۔ جس سے ''ابو جی'' کا دایاں بازو فریکچر ہو گیا اور کمر میں بھی معمولی چوٹیں آئیں۔ بازو کے فریکچر ہونے کی وجہ سے کمر کی تکلیف کا احساس اس وقت تو نہ ہوا لیکن اس کے بعد ہر سال شدید سردی کے دنوں میں ''ابو جی'' کی کمر میں درد ہوتا تھا، جوں ہی سردی کی شدت میں کمی ہوتی تو الحمد للہ ''ابو جی'' بالکل ٹھیک ہو جاتے اور سال کے باقی دنوں میں ایسا محسوس ہوتا، جیسے ''ابو جی'' کو کبھی کمر میں تکلیف ہوئی ہی نہیں۔

بہر حال اسی وقت میرے والد گرامی ''ابو جی'' کے لیے وہ ادویات میڈیکل سٹور سے خرید لائے جو ڈاکٹر نے کمر درد کے لیے تجویز کر رکھی تھیں۔ ان ادویات کے استعمال سے وقتی طور پر کمر

میں درد کی شدت کافی کم ہو گئی۔

17 دسمبر کی شام کو مولانا محمد داود غزنوی کے فرزند ارجمند جناب یحییٰ غزنوی صاحب گھر تشریف لائے تو ''ابو جی'' انھیں پرتپاک انداز سے ملے۔ دوران گفتگو جن کتابوں میں غزنوی علماء کا ذکر کیا گیا ہے، وہ دکھائیں اور کچھ کتب انھیں تحفتاً پیش کیں۔

17، 18 اور 19 دسمبر کو ''ابو جی'' کی صحت دن کے اوقات میں بالکل ٹھیک رہتی اور وہ اپنے معمول کے کام بھی سرانجام دیتے، لیکن بعض اوقات رات کے آخری پہر کمر میں درد کی وجہ سے سانس بھی اکھڑنے لگتا۔

20 دسمبر بروز اتوار صبح نو بجے ''ابو جی'' کو کمر میں شدید درد ہوئی تو راقم نے ان کے ذاتی معالج، معروف ماہر قلب اور مولانا معین الدین لکھوی کے بڑے بیٹے ڈاکٹر زعیم الدین لکھوی صاحب کو فون کیا اور انھیں ''ابو جی'' کی کمر میں درد کے بارے میں بتایا اور ساتھ ہی عرض کی کہ درد کے ساتھ بعض اوقات سانس بھی اکھڑنے لگتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں اس وقت بہاول نگر جا رہا ہوں آپ میرے چھوٹے بھائی ڈاکٹر عظیم الدین لکھوی صاحب سے رابطہ کریں۔ راقم نے اسی وقت ڈاکٹر عظیم الدین لکھوی صاحب کو فون کیا اور انھیں ابو جی کی صحت کے بارے میں بتایا۔ ڈاکٹر صاحب فرمانے لگے کہ میں کچھ ادویات کے نام لکھ کر آپ کو میسج (Message) کرتا ہوں، آپ یہ ادویات انھیں دیں اور ساتھ ہی کہا کہ میں کسی ہسپتال میں بیڈ کا انتظام بھی کرتا ہوں۔

ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق ادویات دیں تو ''ابو جی'' کے سانس اکھڑنے میں نمایاں کمی آ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر عظیم الدین لکھوی صاحب کا دوبارہ فون آیا تو کہنے لگے، میں نے میو ہسپتال (Mayo Hospital) کی کارڈیالوجی وارڈ نمبر دو (Cardiyalogy Ward-II) میں بیڈ کا انتظام کروا دیا ہے، آپ بھی صاحب کو فوراً وہاں لے جائیں، میری ایم۔ ایس میو ہسپتال اور ڈیوٹی ڈاکٹر سے بات ہو گئی ہے۔

جب راقم نے ''ابو جی'' کو ڈاکٹر صاحب کا پیغام پہنچایا تو ازراہِ مزاح کہنے لگے

کہ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق دوا کھانے سے تو میری صحت ٹھیک ہوگئی ہے۔

بہر حال راقم اور میرے والد صاحب بارہ بجے رکشے پر ابو جی کو میو ہسپتال کی کارڈیالوجی وارڈ میں لے کر گئے۔ جب ہم متعلقہ وارڈ میں پہنچے تو ڈیوٹی ڈاکٹر ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ انھوں نے ابو جی کا تفصیلی معائنہ کیا اور کہا کہ شدید سردی کی وجہ سے اسحاق بھٹی صاحب کے سینے پر بلغم جمی ہوئی ہے اس لیے انھیں (Nebualize) کریں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے۔ جب (Nebualize) کرنا شروع کیا تو ''ابو جی'' ڈاکٹر کو کہنے لگے کہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کو بھی زندگی کے آخری دنوں میں سانس کی تکلیف کی وجہ سے اسی طرح (Nebualize) کیا جاتا تھا۔ بہر حال (Nebualize) کرنے سے ''ابو جی'' کی صحت کافی بہتر ہوگئی۔ رات دس بجے میں نے اپنے والد محترم سے کہا کہ آپ اب گھر چلے جائیں، میں یہاں ٹھہر جاتا ہوں تو ''ابو جی'' فوراً بولے نہیں۔ سعید! ادھر میرے پاس ہی رہے گا، حسان! تم گھر جا کر آرام کرو۔ جب میں وارڈ سے نکلنے لگا تو مجھے بلایا اور فرمانے لگے کہ میرے فلاں فلاں دوست کو فون کر دو اور انھیں بتاؤ کہ میں ہسپتال میں داخل ہوں، میرے لیے خصوصی دعا کریں۔

رات گیارہ بجے راقم گھر پہنچا تو گھر والوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ''ابو جی'' کی صحت اب کافی بہتر ہے۔ ان شاء اللہ کل یا پرسوں ہم گھر آ جائیں گے۔

21 دسمبر کی علی الصبح راقم اور محمد نعمان اسحاق (نواسہ مولانا محمد اسحاق بھٹی) گھر سے نکلنے لگے تو میرے والد گرامی کا فون آیا کہ ''ابو جی'' کہہ رہے ہیں کہ مطالعے کے لیے میری دو کتابیں (تذکرہ مولانا محی الدین لکھوی اور برصغیر کے اسلام میں اولین نقوش) بھی ساتھ لیتے آنا۔ ہم نے ناشتے کے ساتھ ان کتابوں کو بھی رکھ لیا، جب ہم وہاں پہنچے تو ''ابو جی'' بیٹھے ہوئے تھے اور ہمیں کہنے لگے کہ رات کے آخری پہر پھر مجھے کمر میں درد ہوا، لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب میں کافی بہتر ہوں۔

[illegible] تھے وہاں مریض کے ساتھ لواحقین کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں

تھی، لیکن وارڈ کی انتظامیہ نے میرے والد گرامی کو ایک کرسی دے دی تھی، جس پر بیٹھ کر ہی انھوں نے ساری رات گزاری۔ ہم نے ''ابوجی'' سے کہا: ''ابوجی''! اب آپ انھیں گھر جانے دیں ہم آپ کے پاس ہی تو موجود ہیں۔ کہنے لگے نہیں، سعید! ادھر میرے پاس ہی رہے گا۔

دوپہر ایک بجے کے قریب ڈاکٹر عظیم الدین لکھوی صاحب ''ابوجی'' کی عیادت کے لیے آئے تو ان کے ساتھ سینیئر ڈاکٹرز بھی تھے۔ جن سے وہ کافی دیر مشورہ کرتے رہے۔ اسی دوران ڈاکٹر زعیم الدین لکھوی صاحب کا بھی راقم کو فون آیا، ''ابوجی'' کی صحت کے بارے میں پوچھنے کے بعد کہنے لگے کہ میں تھوڑی دیر تک بھٹی صاحب کے چیک اپ کے لیے آرہا ہوں۔ میں نے ''ابوجی'' کو بتایا تو بڑے خوش ہوئے اور ساتھ ہی پوچھنے لگے کہ کیا اسحاق وغیرہ (داماد اور ان کی بیٹی) بہاول نگر سے چل پڑے ہیں؟ راقم نے کہا جی ''ابوجی''! وہ ان شاء اللہ چار بجے تک لاہور پہنچ جائیں گے۔ راقم نے ''ابوجی'' سے مزید کہا کہ اب آپ عصر کی نماز ادا کر لیں تو فرمانے لگے کہ میں نے تو عصر کی نماز پڑھ بھی لی ہے۔ ساڑھے تین بجے چچا طارق محمود بھٹی اور ان کی اہلیہ ''ابوجی'' کی عیادت کے لیے آئے تو ''ابوجی'' کی صحت بالکل ٹھیک لگ رہی تھی۔ دوران گفتگو ابوجی اخبار کے ایڈیٹوریل صفحے کا مطالعہ کرتے رہے۔

میں اور نعمان عصر کی نماز پڑھ کر واپس آئے تو اسی اثناء میں ڈاکٹر زعیم الدین لکھوی صاحب بھی ''ابوجی'' کے چیک اپ کے لیے وارڈ میں پہنچ گئے، لیکن اس وقت ''ابوجی'' کا سانس اچانک اکھڑنے لگا۔ جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب نے آتے ہی ڈیوٹی پر موجود ڈاکٹرز کو کچھ ادویات تبدیل کرنے کو کہا اور اپنے بیٹے ڈاکٹر یحییٰ سے سانس کو بہتر کرنے والی مشین کو بازار سے منگوایا۔ ڈاکٹر زعیم صاحب کے اردگرد کئی ڈاکٹرز بھی جمع ہو گئے جو ابوجی کے سانس کو بہتر کرنے کے لیے ڈاکٹر زعیم صاحب کی مدد کر رہے تھے۔ سانس بہتر نہ ہونے کی وجہ سے ڈاکٹرز نے ''ابوجی'' کو وینٹی لیٹر پر لگانے کا فیصلہ کیا، اس امید سے کہ اس سے ''ابوجی'' کا سانس بہتر ہو جائے گا۔

راقم ڈاکٹر زعیم الدین لکھوی صاحب کے ساتھ ہسپتال کی جس جس وارڈ میں وینٹی لیٹر

(Ventilater) موجود تھے وہاں گیا، لیکن کوئی وینٹی لیٹر ایسا نہیں تھا جس پر کوئی مریض نہ ہو۔ جس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے ذرائع استعمال کیے تو ہمیں ایک وینٹی لیٹر ہسپتال کی ایسٹ میڈیکل وارڈ (East Medical Ward) سے ملا۔ جس پر فوری طور پر ہم نے ''ابو جی'' کو ایسٹ میڈیکل وارڈ میں شفٹ کیا۔ ڈاکٹرز نے فوری طور پر ''ابو جی'' کو وینٹی لیٹر پر لگا دیا۔ ''ابو جی'' کی طبیعت زیادہ خراب ہونے پر ڈاکٹر زعیم الدین لکھوی صاحب نے اپنے چھوٹے بھائی ڈاکٹر عظیم الدین لکھوی صاحب کو بھی بلا لیا تھا، دونوں بھائی رات گئے تک ہمارے ساتھ رہے۔ اسی دوران میں بھائی جان اسحاق (داماد)، باجی (بیٹی)، میرا بڑا بھائی محمد لقمان سعید اور تنویر اسحاق (نواسہ) بھی ہسپتال پہنچ گئے۔

ہم ساری رات ہسپتال میں رہے۔ ڈاکٹرز وقفے وقفے سے ''ابو جی'' کا مسلسل چیک اپ کر رہے تھے۔ رات گئے یونیورسٹی آف انجینیرنگ اینڈ ٹیکنالوجی میں اسلامیات کے پروفیسر ڈاکٹر ران تنویر قاسم اور مکتبۃ السلفیہ کے مالک محمد حماد شاکر صاحب بھی ''ابو جی'' کی عیادت کے لیے ہسپتال پہنچے۔

22 دسمبر 2015ء کو جب فجر کی اذان شروع ہوئی تو ڈاکٹرز چیک اپ کر رہے تھے، کہ اسی دوران ٹھیک صبح 5:30 بجے ''ابو جی'' ہم سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

''ابو جی'' (مولانا محمد اسحاق بھٹی) جنھیں دنیا مورخ اسلام، ذہبی دوراں اور شہسوار قلم جیسے القابات سے پکارتی تھی، علم اور عمر میں بڑا ہونے کی وجہ سے ہمارے خاندان میں بھی "اتحاد و اتفاق" کی علامت تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خاص وصف عطا کیا تھا کہ آپ ہر فرد سے اس کی ذہنی سطح پر آ کر گفتگو کرتے، جس کی وجہ خاندان کا ہر فرد یہ سمجھتا تھا کہ ''ابو جی'' سب سے زیادہ پیار مجھ ہی سے کرتے ہیں، درست بات بھی یہی ہے کہ آپ خاندان کے ہر فرد سے بے حد محبت کرتے تھے۔

شاعری زبان میں ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

آہ! میرے ماموں جی

حافظ معوذ الرحمٰن منصور پوری بھانجا مولانا محمد اسحٰق بھٹی

اپنے پھول جیسے ماموں ''مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ'' کی زندگی دیکھتا ہوں تو میں نے اپنی 10 سالہ زندگی میں کوئی ایسا کوئی لمحہ نہیں دیکھا جس میں میں نے اپنے ''ماموں جی'' کو کسی کی عزت و تکریم کرتے نہ دیکھا ہو۔ اور اگر میں ان کی 90 سالہ زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے کوئی ایسا لمحہ نہیں ملتا جس لمحے میں وہ دین کے کام میں مصروف نہ ہوں، یہاں تک کہ جب وہ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ تو تب بھی ان کا دائیاں ہاتھ اس طرح بند (آپس میں ملا ہوا) تھا کہ جیسے کچھ لکھ رہے ہوں۔

ماموں جی...... نے اپنی تقریباً 91 سالہ زندگی میں وہ کام کر دکھایا جو اکیلے آدمی کے بس کی بات نہیں۔ ان کا یہ معمول بن چکا تھا کہ رات بھر جاگنا اور لکھتے ہی رہنا۔ اگر کوئی کہتا کہ اب آپ سو جائیں تو اس کو جواب دیتے۔

نیند کہتی ہے بہت جاگ چکا ہے سو بھی جا
کامرانی کا اصرار ہے آرام نہ کر

بس یہی بات تھی جوان کو رات بھر جاگنے پر مجبور کرتی تھی۔ رات کو زیادہ جاگنے کی وجہ سے ان کی گردن نیچے کو جھکنی شروع ہوگئی تھی۔ ان کی وفات سے نہ صرف جماعتی کام میں رکاوٹ آئی ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہمارے خاندان کا ایک بڑا درخت بھی زمین بوس ہو چکا ہے۔ میری دو بہنوں کا نکاح ماموں جی نے پڑھایا۔ جب بھی ہمارے خاندان میں کسی کی شادی ہوتی تو نکاح ماموں پڑھاتے۔ اور ہم فخر سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے ماموں جی مولانا محمد اساق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ لیکن آج ہم اپنے خاندان میں نظر ڈالتے ہیں تو نظر

گلاب کا پھول ٹوٹا ہوا نظر آتا ہے۔

اک بار مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ میں اور میرے بڑے بھائی نفیس اور میری والدہ لاہور گئے۔ اپنے ماموں جی کے کے لئے ساگ لے کر گئے۔ کیونکہ آپ رحمہ اللہ کو ساگ بہت پسند تھا۔ جب ہم سانده کالونی میں داخل ہوئے تو ساگ میرے بڑے بھائی نے پکڑا ہوا تھا لیکن جب ہم گھر میں داخل ہونے لگے تو ساگ میں نے پکڑ لیا۔

جب میں نے دروازے پر دستک دی تو اندر سے ماموں جی تشریف لائے تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ تو میرے ہاتھوں سے ساگ نیچے گر گیا۔ ماموں جی نے مجھے بڑے پیار محبت و شفقت سے کہا..... کہ بیٹا گھبراؤ نہیں۔ پھر کیا ہوا''

ساگ کونسا سارا نیچے گر گیا۔ پھر ماموں جی نے بازار سے مکئی کا آٹا منگوایا اور کہا۔ کہ اب ساگ کے ساتھ مکئی کی روٹی کھانے کا مزا آئے گا۔ 3 مئی 2015ء بروز اتوار کو جب انہوں نے جامعہ سلفیہ میں آنا تھا تو اس سے ایک رات قبل 2 مئی بروز ہفتہ کو فیصل آباد میں میرے کزن کی شادی پر ملاقات ہوئی۔ ماموں جی نے اس شادی پر بھی نکاح پڑھایا اور ہماری کافی دیر تک باتیں چلتی رہیں۔

کیونکہ رات کا وقت تھا ہم سب جمع تھے۔ تو ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے ہمارے درمیان چودھویں رات کا چاند موجود ہو۔ اور ہم سے بہت زیادہ خوش مزاجی سے باتیں کرتے تھے۔ اور اپنے حالات زندگی سناتے رہے۔ کہ اس دوران انہوں نے اچانک کہا کہ میں نے کل جامعہ سلفیہ جانا ہے۔ کون میرے ساتھ جائے گا۔؟ جب میں نے سنا تو میرے دل سے آواز آئی۔ اے معوذ! ہمیشہ جامعہ سلفیہ کا نام ہی سنتا آیا ہے۔ لیکن دیکھا نہیں ہے۔ دل بہت چاہا میں بھی ساتھ جاؤں۔ لیکن میں مجبور تھا۔ اس دن نور الہدیٰ اسلامک سنٹر سے سند فراغت حاصل کرنی تھی۔ جس وجہ سے میں ماموں جی کے ساتھ نہ آسکا۔ جب وہ چلے گئے تو سب کے چہروں سے رونق چلی گئی۔

انشاء عتیق ناصر بھولا (نواسہ محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ)

آخری ملاقات

ماموں جی آخری بار گاؤں آئے تو ہم سب ستیانہ بنگلہ گئے
ہوئے تھے۔ میری ہمشیرہ کا آپریشن تھا اور ''الحمدللہ''
اللہ رب العزت نے چھ سال بعد اولاد کی نعمت سے نوازا تھا۔

21 اکتوبر بروز بدھ تقریباً 01.30 بجے میں نے ماموں جی کو فون کیا۔ اور جب بھی کوئی خوشی والی بات ہوتی تو سب سے پہلے ہم ماموں جی کو بتایا کرتے تھے۔ جب میں نے بتایا کہ آپ نانا جی بن چکے ہیں تو ماموں جی کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اور جلدی سے ہاتھ اٹھائے اور اللہ رب العزت سے دعا کی۔ اے اللہ!

اس میرے نواسے کو لمبی دین والی زندگی عطا فرما۔ (آمین)

جب دعا مکمل کی تو کہا میں گاؤں میں آ گیا ہوں۔ اتنی بات سنی کہ ہم سب اللہ کا شکر ادا کرنے لگے۔ کہ اتنی طبیعت خراب ہونے کے باوجود بھی ماموں جی نے مبارکباد پیش کی اور ہنستے ہوئے کہا۔ کہ میں تو مٹھائی کھاؤں گا پھر میں مٹھائی لے کر آیا۔ مٹھائی کھائی مٹھائی کھانے کے بعد مجھ سے سوال و جواب شروع کر دیئے آج کل کیا کر رہے ہو۔؟ میں نے بتایا کہ ابھی میں نے تجوید سے سند فراغت حاصل کی ہے۔ اور سال کا درمیان ہے۔ اور کسی جامعہ میں اس وقت داخلہ بھی ممکن نہیں تو ماموں جی نے مجھ سے پوچھا کہ کسی ادارے میں پڑھنا چاہتے ہو؟ تو میں نے جواب دیا کہ جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں۔

ماموں جی نے اسی وقت ''مولانا حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب حفظہ اللہ مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد'' کو فون کیا اور میرے داخلے کی بات کی اور میرا داخلہ جامعہ سلفیہ میں کروا دیا۔

آخرکار جب ماموں جی کے نواسے کے عقیقہ کا دن آیا تو ماموں جی خوشی خوشی سے اٹھے۔ کہ آج میں چھ سال بعد اپنے نواسے کو دیکھوں گا۔ لیکن افسوس طبیعت نے ساتھ نہ دیا۔ مزید صحت خراب ہونے کی وجہ سے عقیقہ والے دن 22 تاریخ بروز منگل کو ہم سب سے معذرت کرتے ہوئے لاہور چلے گئے۔ اور آخری بار اپنے پرنور چہرے کا دیدار کرواتے

ہوئے ہم سے ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے۔

2 جنوری بروز ہفتہ میرے بھائی انیس کی شادی تھی۔ ہم نے ماموں جی کو 15 دسمبر بروز منگل کو فون کیا اور شادی پر آنے کی دعوت دی۔ ماموں جی نے کہا۔ اگر میں نہ آ سکا تو ناراض نہ ہونا۔ کیونکہ میری طبیعت ساتھ نہیں دے رہی۔ ہم نے اصرار کیا اور کہا کہ سابقہ روایات کے مطابق بھائی انیس کا نکاح بھی آپ نے ہی پڑھانا ہے۔ تو آپ نے ہماری دعوت کو قبول کیا۔

جب میں جامعہ سلفیہ داخل ہونے کے لئے آیا تو حافظ فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب حفظہ اللہ مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد نے محبت و پیار اور شفقت سے کہا کہ آپ نے پڑھنا ہے صرف پڑھنا ہے۔ اور اپنے ماموں جی کا نام روشن کرنا ہے۔ جب میں کلاس میں گیا۔ تو سب اساتذہ حیران ہو گئے۔ کہ امتحانات سے 20 دن قبل آپ کو داخلہ کس نے دلوایا۔ جب میں نے بتایا کہ میرے ماموں جی رحمہ اللہ نے داخلہ دلوایا ہے۔ تو سب اساتذہ میرے ماموں جی کی وجہ سے میری عزت و تکریم کرنے لگے۔ یہ بات تب میرے لئے بہت ہی باعث فخر تھی۔ جب میں گھر جاتا تو میرے استاد محترم قاری عبدالحسیب صاحب حفظہ اللہ مجھے کہتے تھے ادب سے اپنے ماموں جی کو میرا اسلام کہنا۔ لیکن جس دن سے اس دنیا فانی سے چلے گئے تو کسی استاد نے یہ نہیں کہا کہ انہیں سلام کہنا۔

الغرض میرے پیپر ہو رہے تھے 20 دسمبر بروز اتوار بعد نماز عصر جامعہ سلفیہ میں شیخ الحدیث مولانا عبدالعزیز علوی صاحب حفظہ اللہ نے جب اعلان کیا کہ ماموں جی رحمہ اللہ کی طبیعت خراب ہے۔ دعا کرو تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر دل میں خیال آیا کہ تقریباً 4۔5 سال سے ہر سردی میں بیمار ہو جاتے ہیں اور اللہ شفاء دے دیتا ہے۔ لیکن مجھے یہ نہیں پتہ تھا کہ اس بار شفایاب نہیں ہوں گے۔ 22 دسمبر بروز منگل کا سورج طلوع ہونے والا تھا۔ میں پیپر کی تیاری میں مصروف کہ ایک اعلان ہونے لگا تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ ماموں جی سے بات کرتا ہوں ان کی بیمار پرسی کرتا ہوں۔

لیکن افسوس یہ اعلان ماموں جی رحمہ اللہ کی وفات کا ہی تھا میں نے جلدی سے اٹھنا

چاہا لیکن میرے پاؤں کے نیچے سے جیسے زمین نکل گئی ہو۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری ہو گئیں میں مولانا فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب حفظہ اللہ کے پاس آیا اور ان سے گھر جانے کے لیے اجازت طلب کی۔ تو کہنے لگے پیپر دے کر چلے جانا مجھ سے پریشانی میں پیپر بھی اچھی طرح حل نہ ہو سکا۔

الغرض میں امتحان سے فارغ ہوا تو سیدھا گھر گیا تو ماموں جی رحمہ اللہ کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ کہ اے معوذ! امتحان کی تیاری خوب اچھے طریقے سے کرنا لیکن امتحان کے دن ہی تو وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے اور جب میں ان کی وفات کا اعلان کرنے لگا تو میری زبان حرکت نہیں کر رہی تھی۔

ماموں جی کا پہلا جنازہ لاہور ناصر باغ میں ہوا اور دوسرا جنازہ ہمارے گاؤں 53 گ ب ڈھیسیاں میں ہوا۔ جب ہمارے گاؤں میں ایمبولینس داخل ہوئی تو لوگ گاڑی کے ارد گرد اس طرح جمع ہو گئے۔ کہ گاڑی کو آگے آنے کی جگہ نہیں مل رہی تھی۔ اور ہم علماء کرام کی طرف دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ وہ جن کو دیکھنے کا کبھی ہم نے تصور نہیں کیا تھا۔ ان علماء کرام کی زیارت کرنے کا بھی موقع مل رہا تھا۔ جب ماموں جی رحمہ اللہ کا جنازہ مسجد میں لے جانے کے لئے اٹھایا تو ہر طرف سے ایک ہی آواز بلند ہوئی۔

ہائے "ابو جی"..... کہاں ہو؟ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ لیکن ماموں جی نے کسی کو ایک بار بھی جواب نہ دیا۔

حتی کہ ماموں جی رحمہ اللہ کی ایک اکیلی بہن تھی جن سے وہ جان سے بھی زیادہ پیار کرتے تھے۔ میری والدہ ان کا بھی جواب نہ دے سکے..... اور میت کو مسجد میں لے آئے۔ تو مسجد کے ہر کونے سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ جدھر نظر اٹھائی علماء ہی نظر آئے۔

تب مجھے یہ بات یاد آئی۔

موت العالم..... موت العالم

اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن میں خون کی طرح گردش کر رہی تھی کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

پھر شیخ الحدیث حافظ مسعود عالم حفظہ اللہ نے جنازہ پڑھایا اس کے بعد چہرہ دیکھنے کے لیے سینکڑوں کی تعداد سے گزر کر بڑی مشکل سے ان کے چہرے کا دیدار کر سکا اور جب کندھا دینے کی باری آئی تو کندھا دینا دور کی بات بلکہ چارپائی ہی نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس طرح ان کی وصیت کے مطابق ان کے چھوٹے بھائی محمد حسین بھٹی رحمہ اللہ کی قبر کے ساتھ دفن کیا گیا۔ اور ان کی قبر پر دعا استاذ العلماء محترم فاروق الرحمٰن یزدانی صاحب حفظہ اللہ مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد نے کروائی جب ہم قبرستان سے واپس لوٹے تو ایسے لگ رہا تھا جیسے ہم کسی تاریخ کو سنسان وادی میں زیر زمین چھوڑ کر جا رہے ہیں۔

وترکنا علیہ فی الآخرین (القرآن) تاکہ لوگ اس سے استفادہ کریں اور تاریخ کو یاد رکھیں۔

میرے ماموں جی رحمہ اللہ کی بس یہ ہی خواہش تھی۔

جوانوں کو میری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہ ہی ہے
میرا نور بصیرت عام کر دے

آخر میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت میرے ماموں جی رحمہ اللہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ و ارفع مقام عطا فرمائے۔

اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین

آہ مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

حافظ مطیع الرحمن حیدر اٹک

ماضی قریب میں کئی ایک اکابر ہم کو داغ مفارقت دے چکے ہیں انہی اکابرین میں ایک عظیم محقق حضرت مولانا اسحاق بھٹی'' بھی ہیں جو کہ 22 دسمبر 2015 کو مختصر علالت کے بعد رحلت فرما گئے۔

وہ بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

حضرت علامہ بھٹی مرحوم سے میری پہلی ملاقات ان کی وفات سے چند دن قبل فون پر ہوئی کیا معلوم تھا کہ یہ آخری ملاقات ثابت ہوگی۔

اس ملاقات کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ میرے چچا جان' مولانا عزیز الرحمن حیدری (فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک و ہم درس مولانا سمیع الحق صاحب) جو کہ عرصہ دراز سے میر پور خاص سندھ میں مقیم ہیں ایک دن باتوں باتوں میں اپنی طالب علمی کے ایام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جب میں مدرسہ تقویۃ الاسلام لاہور میں پڑھتا تھا تو میرے اساتذہ کرام میں مولانا موسیٰ خان صاحب (جو کہ میرے ماموں بھی تھے اور جامعہ امینیہ دہلی کے فاضل تھے) مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب اور مولانا داؤد غزنوی وغیرہ اساطین علم و فضل شامل ہیں۔

جبکہ میرے دوستوں میں علامہ اسحاق بھٹی صاحب ہیں اور ان کے ساتھ میرا تعلق بھائیوں جیسا تھا اور علامہ مرحوم کے بھائی محمد حسین صاحب میرے ہاں حیدر اٹک میں کاروباری سلسلہ میں دو ماہ تک مقیم رہے۔

اس بنا پر راقم نے اپنے چچا کی وساطت سے فون پر شرف ملاقات حاصل کی تو علامہ مرحوم بہت خوش ہوئے اور چچا جان کی خیر و عافیت بھی دریافت کی چچا جان کے ساتھ ان کے تعلق پر ایک دوسری بات یاد آ گئی کہ میں اپنے چچا جان کے ہمراہ مولانا سمیع الحق صاحب کے پاس پچھلے دنوں حاضر ہوا تھا علامہ مرحوم کا تذکرہ چل پڑا تو مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا کے علامہ مرحوم کا مولانا عزیز الرحمن صاحب کے ساتھ بہت گہرا تعلق تھا انہی کی وجہ سے میرا تعارف اور تعلق بھی علامہ بھٹی صاحب کے ساتھ ہوا اور یہ تعلق آخری دم تک قائم رہا لاہور میں جب کبھی بھی میرا کوئی پروگرام ہوتا تو علامہ اسحاق صاحب ضرور تشریف لاتے۔ انہی چند باتوں پر اکتفا کرتے ہوئے دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت علامہ اسحاق بھٹی' کی مغفرت فرمائے (آمین)

شعراء کا خراجِ تحسین

مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کے نام

(سلطان القلم حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کا قلم غضب کی گلکاریاں کرتا تھا۔ راقم نے ان کی کئی کتابوں پر نظم کی صورت میں تبصرے موزوں کیے۔ اور وہ نظمیں ''الاعتصام'' میں وقتاً فوقتاً شائع بھی ہوئیں۔ درج ذیل نظم ان کی کتاب ''کاروانِ سلف'' پر ایک عمومی سا تبصرہ ہے جو اس سے قبل شائع نہیں ہوئی۔ اب ان کی وفات کے بعد غم زدہ قارئین کی خدمت میں حاضر ہے۔ سعید)

رقم کیے ہیں آپ نے نشان کاروان کے ۔۔۔ شمار جس کی گرد پر ستارے آسمان کے
حریف موجِ بحر تھے وہ لوگ سینہ تان کے ۔۔۔ سفینہ اپنا لے چلے بغیر بادبان کے
ہمیں سنائیں آپ نے انھی کی کچھ کہانیاں
ہیں کتنی دلفریب سی وفا کی یہ نشانیاں

وہ سیلِ نورِ علم تھا، کبھی کا جو اتر گیا ۔۔۔ اندھیری رات رہ گئی وہ ساتھ لیے سحر گیا
نقوش اپنے چھوڑ کے وہ قافلہ گزر گیا ۔۔۔ پھر اب اس کو ڈھونڈتے، کدھر گیا، کدھر گیا
میں چُن لوں اس کی گرد کو مجھے تو یہ جنون ہے
مری نوائے شعر میں مرے جگر کا خون ہے

وہ تپتے ریگزار پر گھٹائیں بن کے چھا گئے ۔۔۔ وہ بزم، بزمِ نور تھی کہ جس میں جگمگا گئے
زمانہ اب بھی جھومتا ہے، کیا وہ گنگنا گئے ۔۔۔ ہے درد اب بھی تازہ سا، وہ نغمہ کیا سنا گئے
ہر ایک ان میں رات کو اجالوں کی نوید تھا
کوئی تھا ان میں بدر تو کوئی ہلالِ عید تھا

﴿محمد سعید وساویوالہ﴾

اشاعتِ خاص مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ

ہو مبارک حج بیت اللہ

حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹیؒ کے سفرِ حج کی واپسی پر مبارک باد کے طور پر درج ذیل اشعار ان کی نذر کیے گئے۔

و کے آئے ہیں کیسا منظر تھا؟ یہ بتائیں آپ
دیدنی ہو گا زائروں کا ہجوم حال مستی کا کچھ سنائیں آپ
جس زمیں پر فلک بھی رشک کرے میرے پاس اس کی خاک لائیں آپ
اپنا ماضی تو ایک مشعل تھی اسی مشعل کو پھر جلائیں آپ
باپ بیٹے کا درسِ مہر و وفا یاد امت کو پھر دلائیں آپ
کئی نمرودوں سے نمٹنا ہے اک براہیم ڈھونڈ لائیں آپ
روم و ایراں کو روندنے والے سرفروشوں کا جوش لائیں آپ
دل کی دھڑکن کا ساتھ دینا ہے عقل کی بات بھول جائیں آپ
آج کا ساز جان لیوا ہے قرنِ اوّل کا سوز لائیں آپ
اشک بے تاب ہیں ٹپکنے کو حالت دل پہ مسکرائیں آپ

واپسی پر جو ساتھ لائے ہیں
''آب زم زم'' مجھے پلائیں آپ

محمد سعید (وساویوالہ)

مولانا محمد اسحاق بھٹی کے نام

''بزمِ ارجمنداں پر تبصرہ''

بادِ سموم تیز ہے مرجھا نہ جائے دل مجھ کو جنابِ من! ہے یہ دھڑکا لگا ہوا
تو نے ہمارے سامنے دولت بکھیر دی ہم بے زروں کا تیرے قلم سے بھلا ہوا
کھولی کتاب ''بزم'' تو خوشبو بکھر گئی آیا خزاں میں یاد گلستاں کھلا ہوا
جادو اثر ہیں تیرے قلم کی نگارشات اک جام ہے مگر نشہ کیا کیا ملا ہوا
تیری نگارشات کی تعظیم کے لیے کتنے ادب سے میرا قلم ہے جھکا ہوا
محفل میں آج کی ''خمِ پارینہ'' ہے تو کیوں ہر ہاتھ میں ہے ''جامِ جدید'' اک تھما ہوا
جانا پڑے گا پھر ہمیں فرزانگی سے دور کرنا پڑے گا چاک گریباں سلا ہوا
میں بھی تو ایک بلبلِ افسردہ ہوں یہاں صرصر کا راج اور چمن ہے جلا ہوا

شاید شرر ہو ، راکھ دوبارہ کریدیے
فرہاد بن کے بیتے زمانے کو کھودیے

محمد سعید (وساویوالہ)

حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کے نام

(''قافلہ حدیث'' شائع ہوئی تو حضرت بھٹی صاحب نے اس کا ایک نسخہ بذریعہ ڈاک راقم کو ارسال فرمایا، ان دنوں راقم علالت کی زد میں تھا۔اس کتاب کے مطالعے نے طبیعت کو باغ و بہار کر دیا۔درج ذیل اشعار انہی احساسات کے آئینہ دار ہیں، جو ان کے رشحاتِ قلم کی تعظیم کے لیے موزوں ہوئے تھے۔(سعید)

بھیجی کتاب حضرتِ اسحاق نے مجھے — محسوس یوں ہوا کہ خزانے سے کم نہیں
میں نے پڑھا اسے تو بہت حوصلہ ہوا — عرصے سے میں علیل ہوں اپنے میں دم نہیں
کس سطر پر نہیں ہیں تبسم کے گل کھلے — ہاں! کس ورق پہ آج مری آنکھیں نم نہیں
اس کاروانِ صدق و صفا کا پتا ملا — عظمت میں جس کی گرد ستاروں سے کم نہیں
خورشید سے زیادہ ہوا میں جہاں بیں — کہنے کو یہ کتاب ہے اک، جامِ جم نہیں
آہ و فغاں میں آپ کا میں بھی ہوں ہم نوا — میری فغاں میں آپ کا سا زیر و بم نہیں
اب کچھ امید ہے کہ یہ بھی ہو سلیقہ مند — واقف جنون و سوز سے میرا قلم نہیں
کرنا پڑے گا آپ کے کوچے کا اب طواف — کہتا ہے کون آپ ادب کا حرم نہیں
منسوب دل نواز ادب کو عطا ہوا — کیا ہے اگر یہ خامۂ معجز رقم نہیں؟
دعویٰ ہے ہر کسی کو وہ مجنوں سے ہے سوا — چاہے وہ سوئے دشت چلا دو قدم نہیں

نفرت ہے سوزِ غم سے مری قوم کو بہت
اس کے سوا سعیدؔ مجھے کوئی غم نہیں

محمد سعید، وساوے والہ

آہ...... وہ اک شخص

چاند تھا جماعت کا وہ اک شخص
کیا جس نے کام جماعت کا تھا وہ اک شخص
لکھی ہیں جس نے ہزاروں کی تاریخیں
ہو گیا تاریخ آج وہ اک شخص
گزار دی زندگی جس نے خدمت جماعت میں
تھا اپنی ذات میں جماعت وہ اک شخص
اس کے چلے جانے سے محسوس ہوتا ہے یوں
سب کچھ ساتھ ہی لے گیا وہ اک شخص
ہم اس کے غم میں آج تک ہیں اشک بار
گیا چھوڑ جب سے دنیا وہ اک شخص
فی زمانہ اس کی مثال نہیں کوئی
اپنی مثال آپ تھا وہ اک شخص
یاالٰہ تو راضی ہو جا اس سے
تیرے بندوں میں سے ہی تھا وہ اک شخص
"مورخ اسلام" کہا جاتا ہے جسے
"اسحاق بھٹی" ہی تھا وہ اک شخص
معاملہ کرے رحم و کرم کاالٰہ اس کے ساتھ
چھوڑ گیا جو دنیا وہ اک شخص

(عبدالجبار شاکر...... جامعہ سلفیہ)

علامہ محمد اسحاق بھٹیؒ

اطہر نقوی

موت اک زندہ حقیقت ہے جہاں میں لکھیے زندگانی کو فسوں اور فسانہ کہیے
یہی ہوتا ہے سدا کار گہہ ہستی میں موت کیا ہے اسے بس ایک بہانہ کہیے
اٹھ گئی آج زمانے سے وہ اک ذات عظیم کہ جسے دانش و بینش کا خزانہ کہیے
زندگی جس کی جلالت سے ضیاء پاتی تھی ہو گیا موت کا وہ آج نشانہ کہیے
ہو گیا موت کی آغوش میں وہ مرد جلیل علم و دانش کا ہوا دفن خزانہ کہیے
پیکر علم و شہنشاہ قلم تھا بھٹی لوح دانش کا اسے نقش یگانہ کہیے
وہ مؤرخ کہ تھا اسلاف کا تاریخ نگار اس کو تحقیق و تجسس کا دوانہ کہیے
عبقری عصر تھا وہ صاحب قرطاس و قلم اس مؤرخ کو نہ کیوں فخر زمانہ کہیے
وہ کہ دریائے معارف تھا فلک رفعت تھا بحر معنی کا نہ تھا کوئی گرانہ کہیے

ساتھ اس کے گئی سب علم و قلم کی دولت
ایسا نقصان ہے یہ جس کو دوگانہ کہیے

خادم قرآن وسنت حضرت مولانا اسحاق بھٹیؒ کی یاد میں

انصر نیپالی، مرکز ابن باز الاسلامی کاٹھمانڈو نیپال

آہ ! اے اسحاق بھٹیؒ تو سراپا خاکسار
تیری رحلت سے ہوئی ہے قوم و ملت سوگوار
تیرا جینا ' تیرا مرنا ' باعث صد افتخار
مدتوں تک ہم کریں گے ' آپ جیسا انتظار
قوت ''فکر و عمل'' سے زندگی تھی آشکار
تیری خدمت ' عظمت رفتہ کی روشن یادگار
ناز سے صدق و صفاء تھے ' پیکر صبر و رضاء
عزم میں ایسی بلندی تھی کبھی مانے نہ ہار
تو مفکر ' تو مؤرخ ' تو محقق ' تو ادیب
تو مصنف ' تو صحافی' تو معلمؒ باشعار
''فکر جامد'' کا نہ حامی تھا نہ حامل وہ کبھی
بحث و حق جوئی میں حاصل تھا انہیں علمی وقار
ہم نے دیکھی ہے تیری تحریر میں ''کارمسیح''
علم و حکمت ' لفظ ' و معنیٰ ' فکر و فن ہے شاہکار
آپ نے لکھی ہے عظمت ' ''سلفیان'' از کی
''مسلکی غیرت'' تمہاری تھی متاع جانثار
آہ انصر بارگاہ رب میں کرتے ہیں دعاء!

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمہ اللہ کی یاد میں

(1925ء-2015ء)

مصلح نوشہروی

بزمِ ہستی میں ہے نا ممکن دوامِ زندگی
موت کا پیغام ہیں یہ صبح و شامِ زندگی
بے وفائی کا ہے مظہر یہ جہاں بے ثبات
بے محابہ ہے فنا کی زد پہ ساری کائنات
زمرۂ علم و عمل کو ''زندہ تابندہ'' کیا
جو نہیں معروف تھا اس کو بھی پائندہ کیا
سرزمینِ ہند میں تاریخِ اسلامی کا باب
''آمدِ اسلام'' سے وہ بن گیا روشن کتاب
ان کی تحریروں سے روشن نامِ قرآن و حدیث
اور متعارف ہوئے خدامِ قرآن و حدیث
ہفت اقلیم و دبستان و گلستانِ سلف
تھا فقط ترتیبِ تاریخِ سلف ان کا ہدف
ہو گیا علم و ہنر کا ان سے آوازہ بلند
سج گئی ہے ان کی تحریروں سے بزمِ ارجمند
اولیاتِ سلفؔ ہنگامہ برصغیر
یعنی ہند و پاک میں اہلِ حدیثو کی لکیر
ایک دیگر کے شناسا ہو گئے علمائے ہند
یعنی اردوئے معلّٰی میں جو ہے ''فقہائے ہند''
تھا صحافت میں ہمیشہ سے بہت اعلیٰ مقام
جس کا شاہد ''المعارف'' ، جس کا در ''الاعتصام''

دلی و لاہور و امرتسر نہیں کچھ دور ہیں
پر رحیم آباد و آرہ اور مبارک پور میں
لکھ دیے سیر و تراجم میں وہاں کے واقعات
جیسے کہ حاضر وہاں تھے وہ بہ وقت واردات
ان کی تحریروں سے ان کے ذوق عالی کا ظہور
قابل تعریف ہے اور باعث کیف و سرور
کچھ نہیں تعقید ہوتی ہے کسی تعبیر میں
کھینچتے ہیں ایسا نقشہ حیطۂ تحریر میں
ان کی مجلس میں طوالت سے نہ ہوتا تھا ملال
علم کے موتی کی قیمت اور ظرافت کا کمال
ان کی صحبت اور مجلس کی لطافت کا جواب
مل نہیں پایا ہے تہذیب و ثقافت کا جواب
ذکر اسلاف گرامی تھا حسین انداز میں
منہمک ہو جائے سامع اس کے سوز و ساز میں
ان کی طرز زندگی بالکل نہ دل آزار تھی
غیرت مسلک نہاں دل میں شعلہ بار تھی
سادگی و صبر و شکر و زہد اور تقویٰ شعار
ان سے اخلاق حمیدہ کا ہوا بالا وقار
حضرت اسحاق بھٹی میں بھی اوصاف تھے
اپنے اخلاق و ادب میں پیرو اسلاف تھے
تھا سوانح شخصیت سیرت نگاری کا مجاز
چل بسا خاکہ نگاری کا وہی دانائے راز
زندگی بخشی ہزاروں علم کے آفاق کو
موت نے چھوڑا نہیں ہے حضرت اسحاق کو
”ہیں اسی قانون عالم گیر کے یہ سب اثر
بوئے گل کا باغ سے گل چیں کا دنیا سے سفر“

مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمہ اللہ
(وفات 22 دسمبر 2015)

نثار احمد اصغر فیضی استاذ جامعہ محمدیہ غلہ منڈی بھیرہوا نیپال

ہم کو رحلت کی گھڑی بائیس دسمبر یاد ہے — وہ غم واندوہ وہ سنگین منظر یاد ہے
علم تدریجاً اٹھے گا عالموں کی موت سے — قرب ساعت کیلئے قول پیمبر یاد ہے

یہ جہاں فانی ہے اس کی خبری ہے تا بکے؟
فکر دامن گیر ہے اسحٰق بھٹی چل بسے

تھم ذرا بے تابی دل سوچ لینے دے مجھے — تعزیت کی چند سطریں آج لکھنے دے مجھے
نیر تاباں کی فرقت سے بہت غمگین ہوں — سانحہ دلدوز ہے آنسو بہانے دے مجھے

دوریاں کتنی ہیں لیکن پھر بھی ہم ہیں اشکبار
حضرت اسحٰق بھٹی پہ ہیں دل سے سوگوار

عہد حاضر میں تو پہلے دور کا انسان تھا — آبروئے قوم ان کا رہبر وارمان تھا
ہستی عالی میں پنہاں تھیں ہزاروں خوبیاں — تو صحافی تو مفکر تو سیاستدان تھا

ابن رستہ اور یعقوبی و ہمدانی تھا تو
برکو چک کیلئے فردوسی ثانی تھا تو

عالم اسلام کا تو عالم ذیشان تھا — سب کا منظور نظر تھا سلفیت کی جان تھا
گنج مایہ ناز تھا تو منبع علم و ہنر — تیرے دم سے خسروا! خوشحال پاکستان تھا

دور حاضر میں سلف کا ایک نظارہ تھا تو
ایک سنجیدہ و مؤرخ انجمن آرا تھا تو

تیری تحریریں ہیں عالم کیلئے درس حیات — مدتوں سیراب ہوگی اس سے پوری کائنات
تیرے مضمون و کتب ہیں مثل بحر بیکراں — جن میں صدہا قسم کے ہیں گوہر و علمی نکات

تو تھا بحرالعلم جس میں تھیں بہت گہرائیاں
اک شناور ہی سمجھ سکتا ہے وہ پہنائیاں

ماضی کی تاریخ تیرے دم سے روشن ہوگئی — بزم اردو سدل پیہم سے مزین ہوگئی
عرق ریزی سے تری گلشن کو رعنائی ملی — تیری گل کاری سے خاک ہند گلشن ہوگئی

مل گیا تجھ سے جہاں کو وہ متاع ارجمند
آنیوالی نسل مسلم جس سے ہو گی بہرہ مند

مسلکِ اسلاف پر ہر دم رہا سایہ ترا مسلکِ اسلاف پر ہر دم رہا سایہ
تیری دعوت تیری غیرت زریں عالمان دین میں معروف تھا پایہ

خامہ فرسائی صحافت سے ترا رشتہ رہا
مسلک قرآن و سنت سے تو وابستہ رہا

دست کاری میں تری ماضی کی اک تصویر ہے اہل دانش پر ترے مضمون کی تاثیر ہے
زندگی بھر مثل شمع تو نے ضوباری کیا سوئے مشرق جس کے دم سے رونق تنویر ہے

کل تلک تو صبح تھی اب آ گئی ہے شام غم
سوگواری میں ہے ڈوبا محفل عرب و عجم

عالم اسلام میں ہر سو ہیں دیوانے ترے بزم اردو کیلئے زینت ہیں دروانے ترے
سب پہ ظاہر ہیں ترے احسان وکاوش دہر میں دیر تک لکھیں گے اہل ذوق افسانے ترے

واقعی اسلاف کی سیرت کا شیدائی تھا تو
خود تھا سلفی منہج سنت کا سودائی تھا تو

وقت کے ذہبی صفت اے طبری ہندوستان! تاب فنکاری تری تحریر کرتی ہے عیاں
شاہد تاریخ تیری فیض کا دیوانہ ہے تو بہت معروف تھا اہل خرد کے درمیاں

سرزمین ہند میں اک صاحب خامہ تھا تو
تیری تصنیفات سے ظاہر ہے علامہ تھا تو

تیرے خطے سے ہیں گذرے صدہا ارباب قلم مقدسی شیرازی و مسعودی اور ابن حزم
رازی' بشاری' کا وہ خطہ کبھی مسکن رہا فیضی' بیرونی' سے گذرے جامع عرب وعجم

تو بھی ان کے مثل اس خطے میں تھا آفاق گیر
ہم سمجھتے ہیں قیامت تک رہے گا بے نظیر

سچ ہے اصغر غم زدوں کی صف میں شامل ہم بھی ہیں یعنی تیر تعزیت سے زخمی بسمل ہم بھی ہیں
لمحہ رنج و الم میں تو فقط تنہا نہیں غم کی اس محفل میں تیرے ساتھ اے دل ہم بھی ہیں

میرے رب اسحٰق بھٹی کو جزائے خیر دے!
جنت الفردوس ان کو حور و لحم طیر دے!

تعزیتی تاثرات

فضیلت مآب مولانا عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ تعالیٰ آف کویت

آج شیخ مخدومنا حضرۃ مولانا محمد اسحٰق بھٹی علیہ الرحمہ کے گھر حاضر ہوا۔عزیزم حافظ حسان حفظہ اللہ نے کچھ لکھنے کا کہا مگر میری حالت اس وقت لکھنے سے قاصر ہے۔حضرت بھٹی صاحب رحمۃ اللہ کے بارے کیا لکھوں وہ ایک عظیم شخصیت تھے اس وقت بلا مبالغہ برصغیر پاک و ہند میں ان کے فن میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

میرے لئے وہ والد کا درجہ رکھتے آج میں ان کی سرپرستی اور دعاؤں سے محروم ہوگیا ہوں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے رب ذوالجلال حضرت کی کاوشوں کو قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں انہیں جگہ عطا فرمائے۔آمین ثم آمین۔

اور پسماندگان کو اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرما کر ان کے مشن کو زندہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

فقیر الی اللہ

عارف جاوید محمدی

2-1-2016 بروز ہفتہ

☆☆☆

حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی بڑے نفیس و خلیق انسان' ممتاز عالم دین اور نامور مذہبی سکالر تھے۔ انہوں نے اپنی پوری زندگی قلم و قرطاس سے رشتہ قائم رکھا۔ان کے اٹھ جانے سے دوستوں کا حلقہ سونا نظر آتا ہے۔اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے۔اور ان کی حسنات کو شرف قبولیت سے نوازے۔آمین

دعا گو!

بشیر انصاری

مدیر اعلیٰ ہفت روزہ اہل حدیث

30 دسمبر 2015ء

☆☆☆☆

مولانا محمد رمضان یوسف سلفی حفظہ اللہ تعالیٰ رکن مجلس ادارت صحیفہ اہل حدیث کراچی

محترم جناب سعید احمد بھٹی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ..... مورخ اہل حدیث حضرت مولانا محمد اسحاق بھٹی صاحب کی اچانک وفات جماعت اہل حدیث کے لئے بہت بڑا صدمہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فیصلے کے آگے کسی کو دوش نہیں۔ زندگی اور موت اس کے ہاتھ میں ہے ہم عاجز بندے اس ذات اقدس کے حکم کے آگے سر مو انحراف نہیں کر سکتے۔

بلاشبہ مولانا محمد اسحاق بھٹی اپنے اوصاف وکمالات اور صلاحیتوں کے باعث ایک عظیم انسان تھے۔ انہوں نے اپنے قلم سے جولازوال تحریریں لکھیں اور جتنا تصنیفی کام کیا برصغیر پاک وہند یا جہاں جہاں اردو زبان پڑھی اور لکھی جاتی ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی کتابوں کو جو شرف قبولیت پذیرائی اور شہرت دوام دی وہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا۔ شخصی خاکہ نگاری میں تو وہ دور حاضر کے امام اور ''ذہبی دوراں'' تھے۔ آپ اسلاف کی نشانی اور یادگار تھے میں نے اپنی زندگی میں ان ایسا مخلص' ملنسار' باوفا' بااخلاق' مہمان نواز اور چھوٹے بڑوں سے رابطہ رکھنے والا نہیں دیکھا۔ ان کی زندگی علم وادب سے عبارت تھی۔ میرے ان سے ربع صدی پرانے تعلقات اور عقیدت مندانہ مراسم تھے۔ افسوس کہ میں خود کو ان کے دست شفقت سے محروم محسوس کر رہا ہوں۔ ان کی وفات آپ کے لئے اور آپ کے اہل خانہ کے لئے بھی بہت بڑا صدمہ ہے۔ دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت بھٹی صاحب کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

آپ کا شریک غم

محمد رمضان یوسف سلفی فیصل آباد

☆☆☆☆

بھٹی صاحب کے دیرینہ اور جگری دوست چودھری غلام حسین تہاڑیہ آف تلونڈی ضلع قصور

بھٹی صاحب اور میرا ساتھ بہت پرانا ہے۔ ان کی کئی کتابوں میں اس کا ذکر موجود ہے۔ وہ بہت بڑے انسان تھے۔ مجھے فخر ہے میں نے ایک ایسے عالم کے ساتھ وقت گذارا ہے جسے ایک دنیا جانتی اور مانتی ہے۔ میں نے اپنی سوانح خودنوشت سرگذشت میں ان کے بارے میں تفصیل سے اپنے تعلق اور یادوں کے حوالے سے لکھا ہے۔ یہ تو سبھی کو معلوم ہے کہ سب نے جانا ہے لیکن جدائی کا دکھ بھی بہرحال ایک حقیقت ہے بھٹی صاحب نے ایک زمانہ دیکھا زبردست لکھاری' محقق' تجزیہ کار اور عالم دین تھے۔ طویل عرصے تک ان کی تحقیق اور کتابوں سے دنیا مستفید ہوتی رہے گی اور ان کے لیے دعاگو رہے گی اللہ انہیں جنت کے اعلیٰ ترین درجوں پر فائز کرے۔ وہ ایک درویش اور زندہ دل انسان

تھے۔ ان کی کمی ہمیں ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی۔

غلام حسین

30 دسمبر 2015ء

☆☆☆☆

خاندان راشدیہ کے چشم وچراغ سید محمد انور شاہ راشدی حفظہ اللہ تعالیٰ

چند دن قبل مؤرخ اہلحدیث مولانا محترم اسحاق بھٹی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے متعلق خبر سن کر بیحد صدمہ ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ صدمہ محض میری ذات کے لئے نہیں تھا بلکہ عالم اسلام کے لئے تھا۔

جیسا کہ معروف ہے۔ ''موت العالم موت العالم'' مولانا اسحاق بھٹی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی نابغہ روزگار شخصیات نادرۃ الزمان ہیں۔ جتنی خدمت انہوں نے مسلک اہلحدیث کی کی۔ تذکار وتاریخ کے اعتبار سے۔ اس کی برصغیر میں نظیر نہیں ملتی۔

ان کی خدمات جلیلہ کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے۔ میں بذات خود ان کی مساعی جمیلہ کے بیحد معترف ہوں اور ان کی تصانیف کا قاری بھی ہوں۔ (ابوالمحبوب)

اور دل سے تقدنی اللہ محبت ہے ان جیسے بےغرض وبےلوث دین کی خدمت کرنے والے ہمیں خال خال ہی نظر آتے ہیں۔

اب حسرت رہے گی افسوس رہے گا لیکن ان اجل اللہ اذا جاء لا یؤخر کے آگے کس کی مجال ہے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو منور فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ اللھم آمین

ابن القاسم احسان اللہ راشدی
ابوالمحبوب سید انور بن قاسم بن المحبوب
شاہ راشدی الحسینی

المکتبۃ العالیۃ العلمیہ' مدرسہ دار الرشاد درگاہ شریف پیر آف جھنڈہ تحصیل نیو سعید آباد ضلع مٹیاری

☆☆☆☆☆

مولانا محمد سلیم چنیوٹی منیجر ہفت روزہ الاعتصام لاہور

آج دل اتنا افسردہ ہے کہ جس ہستی کو ہم ہمیشہ ہنستا اور مسکراتا دیکھتے تھے آج انہیں یعنی 22 دسمبر 2015ء کو آخری سفر کے لیے تیار کر رہے ہیں۔

راقم کو ان کے غسل اور کفن میں شرکت کی سعادت حاصل رہی دوسرے احباب حافظ حماد شاکر صاحب' حافظ خلاد شاکر اور جناب سعید احمد بھٹی' حسان بھٹی و دیگر اسامہ شاکر بھی اس موقع پر موجود تھے۔

راقم محمد سلیم چنیوٹی نے ایک بات نوٹ کی کہ حضرت مرحوم کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھا اس طرح ملے ہوئے تھے کہ ابھی کچھ لکھنے کے لیے تیار ہیں۔

اللہ اکبر ایک ایسی شخصیت تھے۔ کہ جنہوں نے اپنی 91 سالہ زندگی میں کثرت سے جماعت اہلحدیث کے اکابر واصاغر پر اتنا لکھا ہے کہ ہزاروں صفحات اور نصف سنچری پر کتب ملتی ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ کریم مرحوم کے درجات بلند فرمائے۔ اور ہمارے بزرگ کی نیکیوں کو قبول اور آخرت میں اعلیٰ علیین نصیب کرے۔ آمین یارب العالمین

دلفگار

محمد سلیم چنیوٹی

28-12-15

مولانا فاروق الرحمن یزدانی مدرس جامعہ سلفیہ فیصل آباد

اللہ تعالیٰ کا نظم اور فیصلہ ہے کہ جو شخص بھی اس دنیائے فانی میں آیا ہے اس نے اپنے اصلی اور حقیقی آخرت کو سدھارنا ہے لیکن بعض جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں زمانہ صدیوں یاد کرتا ہے اور ان کے بغیر دنیا ایک صحرا نظر آتی ہے۔ انہی مقتدر ہستیوں میں ایک میرے انتہائی محترم و مشفق بزرگ محسن اہل حدیث ذہبی دوراں علامہ محمد اسحٰق بھٹی رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کی شخصیت عالی قدر بھی تھی کہ جن سے 2002ء کے شروع میں شناسائی ہوئی تو باوجود عمر کے تفاوت کے لازوال دوستی میں بدل گئی جس کو حضرت بھٹی صاحب کی شفقت نے دن بدن مزید گہرا کر دیا۔

حضرت بھٹی صاحب کے بعد تو دور دور تک اس میدان میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ کہ مدتوں بعد اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو ایسی شخصیت سے نوازا کہ جس نے برصغیر کی تمام اہل حدیث جماعت کی طرف سے کفارہ ادا کر دیا۔

فجزاہ اللہ تعالیٰ فی الدنیا والاخرۃ عن سائر اھل الحدیث

علامہ بھٹی مرحوم اس نفسا نفسی کے پیکر معاشرے میں ایک منفرد ہستی تھے کہ جو خلوص و وفا کا چلتا پھرتا مجسمہ تھے۔ خوش مزاجی اور خوش اخلاقی مہمان نوازی، شفقت و محبت کا اظہار ان کی زندگی کا لازمی حصہ تھے۔ کسی بھی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تو اکابرین کے تذکرے کی ایسی حسین لڑی پرو دیتے کہ وقت کا احساس تک بھی نہ رہتا۔

اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرمائے۔ قبر کو جنت کا باغ بنائے۔ آخرت کی منزلیں آسان فرمائے جنۃ الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین

یکے از غم زدگان

فاروق الرحمن یزدانی

جامعہ سلفیہ فیصل آباد

28-12-2015

بھٹی صاحب کے قریبی دوست محبوب عالم تھابل

بھٹی صاحب کی وفات کی خبر مجھے سندھ سے موصول ہوئی تو دل تھام کر رہ گیا۔ یقین کرنا میرے لیے بہت مشکل تھا مگر سعید صاحب کو ٹیلی فون کیا تو انہوں نے تصدیق کر دی۔ سوچا اتنے بڑے آدمی کی دنیا سے رخصتی کی خبر بھی اتنے بڑے فاصلے سے آئی۔ اب سوائے یقین کے کوئی چارہ نہیں تھا۔ مرحوم کے جنازہ میں بھی شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اتنا بڑا جنازہ لاہور کی تاریخ کے بڑے بڑے جنازوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

مرحوم مولانا محمد اسحاق بھٹی مسلک کے لحاظ سے ایک معتدل بلکہ نہایت ہی معتدل شخصیت کے حامل تھے۔ میں جب

سے ان کے در دولت پر حاضر ہو رہا ہوں انہوں نے کبھی کوئی ایسی بات نہیں کی تھی۔ جس سے کسی پہلو سے بھی کسی کی دل آزاری ہوئی ہو خواہ مخاطب کا تعلق کسی مسلک سے ہوتا۔ آپ کے پاس بیٹھنے والا شخص ایک ایک لمحہ آپ کی شگفتہ بیانی سے محظوظ ہوتا اور گھنٹوں کا وقت بھی یوں محسوس ہوتا جیسے ابھی چند منٹ ہی گزرے ہوں۔ بلاشبہ وہ خدا کی نعمتوں میں سے ایک نعمت تھے۔ انہوں نے بھرپور علمی زندگی گذاری جسے اب ایک زمانہ یاد کرے گا۔ مرحوم میرے والد گرامی علامہ محمد عالم مختار حق مرحوم کے جنازہ میں شرکت کے لیے گئے تو میں دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس وقت ان کی اپنی جسمانی حالت انہیں چلنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔ مگر وہ اپنے دیرینہ دوست کے ساتھ تعلقات نبھانے کی روشن مثال قائم کر گئے۔ اب جب اپنے اردگرد نظر دوڑائیں تو اس بانجھ دھرتی پر بھٹی صاحب جیسی شخصیات کا ظہور نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین

آہ اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں

محبوب عالم تھابل ابن محمد عالم مختار حق

28دسمبر2015

معروف و نامور صحافی عمار چوہدری روزنامہ لاہور

کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کہوں کیا لکھوں 8 مئی کو وہ میری والدہ کی وفات پر میرے ساتھ تعزیت کر رہے تھے اور آج میں ایکسپریس سے دنیا اخبار میں آیا تو بھٹی صاحب کہنے لگے برخوردار یہ نہ سمجھنا اخبار بدل لو گے تو میں تمہارا کالم پڑھنا چھوڑ دوں گا۔ اب میں نے اپنے نواسے کو کہا ہے وہ کمپیوٹر پر کھول کر مجھے کالم پڑھا دیتا ہے۔ اسحاق بھٹی صاحب میرے نانا جان چودھری غلام حسین تھاریہ کے جگری دوست تھے۔ میرے نانا ان سے ایک سال بڑے تھے۔ جب بھی لاہور آتے تو کوشش ہوتی انہیں بھٹی صاحب سے ضرور ملوایا جائے۔ دونوں ملتے تو اتنی خوبصورت محفل جمتی کہ دیکھ کر رشک آتا۔ قہقہے اور ہنسی مذاق دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا۔ دونوں پرانی یادیں پرانے قصے سناتے۔ ہم صرف سنتے یہ بات بھٹی صاحب پر پوری طرح صادق آتی ہے کہ کسی عالم کے پاس چند لمحے گذارنا ایک طرف اور باقی زندگی کتابیں پڑھنا اور علم حاصل کرنا ایک طرف کیا شاندار انسان تھے۔ ہر وقت چہرے پر مسکراہٹ۔ انہیں دیکھ کر انسان یہ بھول ہی جاتا کہ دنیا میں غم نام کی بھی کوئی چیز ہے۔

25 مارچ 2015ء کو اپنی والدہ کے ساتھ گاؤں تلونڈی گیا تو نانا جان سے کہا کہ میرا دل کرتا ہے کہ میں اسحاق بھٹی صاحب کو کسی دن گاڑی میں بٹھاؤں اور تلونڈی لے آؤں۔ وہ یہاں جمعہ پڑھائیں۔ سارا دن یہاں گذاریں ہم دونوں دوستوں کو باتیں کرتے دیکھیں تو کتنی خوشی ہوگی۔ سب نے کہا بہت اچھا خیال ہے۔ تاہم اللہ کو کچھ اور منظور تھا ہم واپس لاہور آ گئے چند دن بعد 10 اپریل کو میری والدہ کی طبیعت خراب ہوئی۔ ہسپتال میں ایک ماہ رہنے کے بعد 8 مئی کو رخصت ہو گئیں۔ اس کے بعد سے اب تک میں خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ماں باپ کی جدائی کا صدمہ بہت بڑا ہوتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے وہ اسحاق بھٹی صاحب کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔ اور ان کے اہل و عیال کو صبر عطا فرمائے۔ آمین

عمار چوہدری

30دسمبر2015

مولانا محمد اسحاق بھٹی رحمتہ اللہ علیہ

بھٹی نے اپنے قلم کا جادو جگا دیا ہے ‏ ہر قاری کو انھوں نے دیوانہ بنا دیا ہے
مورخ کہیں اسے ہم محدث کہیں اسے ہم ‏ ہر طالب علم کو مسئلہ بتادیا ہے
انداز درویشانہ صحافت مدبر انہ ‏ علما کو سادگی کانمو نہ دکھا دیا ہے
پیکر زہدو وتقویٰ علماء کی ہم نشینی ‏ ہر گاہ پہ اپنے علماء کا تعارف کرا دیا ہے
علماء بھوجیاں کی میسر رہی شاگردی ‏ سلفیوں غزنویوں کا رنگ جما دیا ہے
فضائے علم میں بھٹی اڑتے رہے عمر بھر ‏ یوں بزم ارجمند کو انھوں نے سجا دیا ہے
مطلع علم تاریخ کا ستا رہ گم ہو چکا ‏ اہل کمال کو جس جہاں تک پہنچا دیا ہے
علماء سے اکتساب اپنی مثال آپ ‏ جہاں حق ملا وہاں پر خود کو جھکا دیا ہے
سوانح حیات لکھ کر اسلاف کی انھوں نے ‏ اک قرض تھا جماعت پہ جس کو چکا دیا ہے
فقہائے ہند کی تاریخ لکھ کر مولانا بھٹی ‏ اہل علم کے سینے میں شمع کو جلا دیا ہے
اے اللہ معاف کردے سب ان کی لغزشوں کو ‏ اس نے تیری توحید کا ڈنکا بجا دیا ہے
تاؔج جہان فانی سب کو ہی چھوڑنا ہے ‏ یہی سبق ان کی موت نے ہم کو پڑھا دیا ہے

(قاری تاج محمد شاکر پتوکی)

ماہنامہ ''ترجمان الحدیث''

﴿جناب فاروق الرحمٰن یزدانی کے نام﴾

سوزِ دروں نے قلب کو بے حال کر دیا　　اس سے کہوں سعیدؔ! جو اپنا ہو رازداں
کہنا ہے مجھ کو حضرتِ فاروق سے یہی　　زخمِ جگر چمکتا ہے مانندِ کہکشاں
اس زخم کے نقوش کے اظہار کے لیے　　دامن غزل کا تنگ ہے کیسے کروں بیاں
اسلوبِ شعر حاضر و موجود ہے، اگر　　اس کو جگہ عطا کرے دامانِ ''ترجماں''
اس کی جبیں پہ جلوہ گر اسمِ ظہیرؒ ہے　　ہر صفحہ سج کے آتا ہے مانندِ گلستاں
یہ بزم آج جس کو فراموش کر چکی　　وہ گیت پھر سناؤ، کہو پھر وہ داستاں
موجود ہے اگر تو تو مستور کیوں ہوا؟　　اے حسن! چشمِ عشق پہ پھر آج ہو عیاں
اے شمع! سر کو دھن کہ پتنگے کو ہے جنوں　　حسرت سے دیکھتا ہے یہ اٹھتا ہوا دھواں
اس کے دماغ میں وہی سودا ہے موج زن　　کیوں اس کے جذبِ شوق سے ہوتی ہے بدگماں
بیدار ہو رہا ہے امیرِ سبیلِ عشق　　ترتیب پا رہا ہے جو خفتہ تھا کارواں
آثار کچھ ہیں صفحۂ دوراں پہ رونما　　تبدیل ہو رہا ہے شب و روز یہ جہاں
فرعون کی شکست کی خبریں ہیں گرم آج　　پھر ہے عصا بدست کوئی زیرِ آسماں

اے قلبِ بے قرار! ہے تجھ کو قسم، سنبھل
اے کاروانِ شوق! ذرا تیز تیز چل

(محمد سعید، وساوے والہ)

ترجمان الحدیث

جامعہ سلفیہ (فیصل آباد)

اے ترجمان تجھ پہ قربان میری جاں　　تو حق کا امین تو حق کا نشاں
پیغام توحید و سنت گھر گھر پہنچایا تو نے　　پلا دیا ہر اک کو جام علم و عرفاں
صحابہؓ کی جرأتوں کی ایسی کی ترجمانی　　ہر سو دین حق کو تو نے کیا بیاں
کبر و نخوت سے عاری ترا انداز　　کلمہ حق تیرا اخلاق کی زباں
اخوت و محبت کا پرچار کر دیا ہے　　گھر گھر پہنچا دیا ہے پیغام امن و اماں
تعلیم کے فرائض اور جہد مسلسل　　اخلاص پر ہے مبنی تیرا ایک ایک فرماں
حق دار داد کا ہے درس حدیث تیرا　　تو ترجمان سنت تو ترجمان قرآں
طلبہ دین کا بہتر تزکیہ ہو رہا ہے　　کوئی بھلا سکے نہ ترے جامعہ اے احساں
دین کی اشاعت سے تجھے کوئی ہٹا سکا نہ　　بیشک تیری راہ میں آئے ہیں لاکھوں طوفاں
خم ہوگئی ہے تیرے سب حاسدوں کی گردن　　دیکھو وہ سر جھکائے پھرتا ہے کیسے ناداں
ہیں لائق تحسین تیرے سبھی لکھاری　　انھیں داد دے رہا ہے آج سارا جہاں
طاری تھی اس قدر جو ملت سلف پہ غفلت　　بیدار کر کے ان کو کیا جامعہ نے احساں
اے ترجمان تیری للکار پہ میں صدقے　　لاکھوں مصائب ہیں پھر بھی تو محو اذاں
منہج سلف کا داعی تو ترجمان سنت　　خدمات سلفیہ کی لمبی ہے داستاں
یہ دین کے ادارے اسلام کے قلعے ہیں　　ہے فیض یاب ان سے تاجؔ ہر اک انساں

(قاری تاج محمد شاکر چتوکی)



بقیہ ترجمۃ القرآن

ہے تو حضرت جبریل امین کو بلاتا ہے اور اس سے فرماتا ہے کہ میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ پس جبریل اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں پھر حضرت جبریل آسمان والوں میں (فرشتوں) منادی کرتے ہیں اور کہتے ہیں بے شک اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو۔ پھر آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں پھر اس کے لئے زمین میں قبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے ناراض ہو جاتا ہے یا دشمنی کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے میں فلاں سے دشمنی کرتا ہوں تو بھی اس سے دشمنی کر پس جبریل بھی اس سے دشمنی کرنے لگ جاتے ہیں پھر وہ آسمان والوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے دشمنی کرتا ہے تم بھی اس سے دشمنی کرو۔ پھر اس کے لئے اہل زمین میں ناراضگی اور دشمنی رکھ دی جاتی ہے۔ (پھر اہل زمین بھی اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ اور اس سے ناراض ہو جاتے ہیں (بخاری و مسلم)

مذکورہ حدیث کے ترجمہ سے معلوم ہوا جسے اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے وہ صرف اللہ ہی کا محبوب نہیں بلکہ اس کے ساتھ تمام اہل آسمان اور تمام اہل زمین کا بھی محبوب بن جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس اللہ کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ انسان کو دنیا اور آسمان والے بھی ہی ان کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ایسے اعمال و اوصاف اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے جن سے اللہ کی محبت حاصل ہو سکے۔ اور آخرت میں اللہ کے ہاں کامیابی و کامرانی مل سکے۔ آمین

بقیہ ترجمۃ الحدیث

مذکورہ افراد کے علاوہ بعض دیگر افراد کا بھی بعض احادیث میں ذکر ہوا ہے جو عرش الٰہی کے سائے کے نیچے ہوں گے مثلاً ایک حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے جس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من انظر معسرا او وضع لہ اظلہ اللہ یوم القیامۃ تحت ظل عرشہ یوم لا ظل الا ظلہ۔ (رواہ الترمذی بحوالہ ریاض الصالحین ص 501) جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اس کو معاف کر دیا اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے تلے جگہ دے گا اس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

حضرات گرامی۔ قیامت کے روز میدان محشر میں سورج بالکل قریب ہوگا اور لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے اور شدت حرارت سے نڈھال ہوں گے اس وقت جن لوگوں کو عرش الٰہی کا سایہ نصیب ہوگا وہ بڑے ہی خوش نصیب ہوں گے ان ہی خوش نصیبوں میں سے ایک وہ شخص ہوگا جو تنگ دستوں کی نہ صرف قرض دیا کرتا تھا بلکہ انہیں مہلت بھی دیتا یا پھر کچھ قرض کا حصہ یا سارے کا سارا معاف کر دیتا اس میں خوشحال لوگوں کے لئے غور و فکر اور عمل کی دعوت ہے کہ وہ آگے بڑھ کر غرباء فقراء اور مفلوک الحال لوگوں کو اپنی دولت سے خودکشی کرنے اور بچوں کو فروخت کرنے سے روکیں تا کہ قیامت کے دن اللہ کے عرش کے سائے تلے جگہ پاسکیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو مذکورہ خوش نصیب لوگوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)۔

MONTHLY REG. 7794 FAISALABAD
TARJIMAN-UL-HADITH